ان لمحوں کے دامن میں

مبشرہ انصاری

اجالے نے اندھیرے کی اوٹ سے جھانک کر وسیع آسمان کو سلام کیا تھا، ابر کچھ دیر پہلے ہی تھما تھا، دور دور جاتی صاف ستھری سڑکیں گزری رات، آسمان سے بہے آنسوؤں کا احوال بیان کرتی دکھائی دے رہی تھیں، خنک ہوائیں اس کی رگ و پے میں سرائیت کرنے لگیں، کتنا خوبصورت منظر تھا، مگر وہ ادر گرد کے نظارے سے انجان، بس چلتی چلی جا رہی تھی اس پر کربناک تنہائی کا عذاب نازل ہو چکا تھا۔

کوئی کسی سے ہمدردی نہیں رکھتا، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا، اس نے من ہی من میں سوچا، اس کے پاؤں گیلی سڑک کو پیچھے کی جانب دھکیلتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے، وہ جان چکی تھی کہ اس دنیا میں بسے انسانوں کی بھیڑ میں ہر انسان اکیلا ہے، ایسے ہی جیسے ایک وسیع سمندر میں بے شمار جزیرے ایک دوسرے کے آس پاس، لیکن ایک دوسرے سے ناشناس۔
ناشناسی اور نا آشنائی کی وبا پھیل چکی ہے،

ناولٹ

کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے، دائیاں ہاتھ، بائیں ہاتھ سے بے خبر ہے۔

بپ بپ بپ بپ ٹیبل پر رکھے موبائل کی وائبریشن نے کورے کاغذوں کی سطروں پر بکھرتے لفظوں کو مزید بکھرنے سے روک دیا تھا، ہاتھ میں قید خوبصورت پین کو مٹھی میں دبوچتے ہی وہ غصے کے عالم میں بلیک اسٹائلش سے فریم والے نظر کے چشمے سے گھورتے ہوئے ٹیبل پر وائبریٹ کرتے موبائل کی جانب دیکھنے لگی، موبائل سکرین پر کوئی ان نون نمبر بلنک کیے چلا جا رہا تھا، کتنے انہماک سے وہ اپنے ناول کا المناک سین لکھ رہی تھی، مگر اب کسی نے جانے انجانے میں اسے اس کے ناول کی دنیا سے نکال ڈالا تھا۔

''ہیلو۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! مارچ 2017ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

ہر لمحہ کچھ ہو جانے کے خوف میں گھرے ہوئے کرب اور بے بسی کی کیفیت میں مبتلا ظلم۔ زیادتی۔ ناانصافی اور دہشت گردی جس نے ہمیں معاشرتی زوال کی ایک اندوناک کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ضرب عضب کے بعد امن وامان کی فضا قائم ہوئی تھی اس میں ابھی ہم اطمینان کی سانس لینے بھی نہ پائے تھے کہ یکا یک پھر وہی بم دھماکے۔ دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بلکہ اب تو اس میں فرقہ واریت کا عنصر بھی شامل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

جو حالات اس وقت ہمیں درپیش ہیں۔ جن مسائل کا ہمیں سامنا ہے اور جو کچھ اس وقت ہمارے اردگرد ہو رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ان قوتوں کو پہچانیں جو ان حالات کے پس پشت کارفرما ہیں۔

سیاسی بساط پر کھیلے جانے والا الٹ پلٹ۔ اکھاڑ پچھاڑ اور چہروں کی تبدیلی کا کھیل اب پرانا ہو چکا ہے۔ سیاسی استحکام کے بغیر معاشی استحکام نہ ممکن ہے۔ ملک میں امن وامان کی صورت اس وقت ہی بہتر ہو سکتی ہے۔ جب ہم میں ہر تعصب سے بالاتر ہو کر ایک اجتماعی سوچ پیدا ہو گی۔ پھر ہی ایک جہت اور متحد ہو کر ہم ملک دشمن لوگوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔

اس شمارے میں:۔ اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول، بشریٰ سیال کا مکمل ناول، غزالہ جلیل راؤ، تمثیلہ زاہد اور مبشرہ انصاری کے ناولٹ، حنا بشریٰ، ایمان علی، حمیرا نوشین، فرزانہ حبیب اور مصباح علی سید کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

میرے سینے میں دل مرا بولے
سب ہیں محتاج اس کی رحمت کے

دیکھتا ہے وہ ہر گھڑی سب کو
کون ایسا ہے اس کو جو دیکھے

اس کی رحمت سے ہی ہوا ممکن
رحمتِ دو جہاں یہاں آئے

میں گنہگار ہوں بہت خاطی
بخش دیتا ہے اپنی رحمت سے

مجھ نکمے پہ فضل ہے اس کا
ایسا سجدہ کروں کہ سر نہ اٹھے

آسماں پر ردا ہے تاروں کی
اور زمیں کو دیے ہیں گل بوٹے

ہے وہ خالق وہی مصور پھول
اس نے سب کے بنائے ہیں چہرے

تنویر پھول

وجودِ شاہِ بطحا سے ہی توقیر مدینہ ہے
پگھل جاتا ہے واں ہر دل یہ تاثیر مدینہ ہے

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
ہے نازک عرش اعظم سے یہ تقدیر مدینہ ہے

پرانا نام یثرب تھا نجات آزار سے پائی
درود رحمت عالمؐ سے تطہیر مدینہ ہے

بہاریں خلد کی یاں ہیں سمائی ذرے ذرے میں
جناں کا گوشہ گوشہ کیا ہے تفسیر مدینہ ہے

گیا تھا کچھ برس پہلے دیار نور و نکہت میں
ابھی تک قلب کے گوشے میں تنویر مدینہ ہے

خدا تعالیٰ نے عطا کوثر وہؐ مالک باغ جنت کے
یقیناً کوثر و فردوس جاگیر مدینہ ہے

بکھر جا پھول طیبہ میں ہو قرباں اپنے آقا پر
وہیں کی خاک میں مل جا جہاں میر مدینہ ہے

تنویر پھول

سیدہ اختر ناز

نبی کو جبرئیل علیہ السلام کا دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ دعا پڑھتے۔

''اللہ تعالیٰ کے نام سے میں مدد چاہتا ہوں، وہ آپ کو ہر بیماری سے اچھا کرے گا، آپ کو ہر جلنے والے کی جلن سے بچائے گا اور ہر بری نظر ڈالنے والے کی نظر سے آپ کو بچائے گا۔''

سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بیمار ہو گئے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں۔''

سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

''میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو ستائے اور ہر جان کی برائی سے یا حاسد کی نگاہ سے، اللہ آپ کو شفاء دے، اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں۔''

یہودیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنی زریق کے ایک یہودی نے جادو کیا جس کو لبید بن اعصم کہتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آتا کہ میں یہ کام کر رہا ہوں، حالانکہ وہ کام کرتے نہ تھے، ایک دن یا ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی پھر دعا کی پھر فرمایا۔

''اے عائشہ! تجھے معلوم ہوا کہ اللہ جل جلالہ نے مجھے وہ بتا دیا جو میں نے اس سے پوچھا، میرے پاس دو آدمی آئے، ایک میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا پاؤں کے پا (وہ دونوں فرشتے تھے) جو سر کے پاس بیٹھا تھا، اس نے دوسرے سے کہا (یا جو پاؤں کے پاس بیٹھا تھا اس نے پیر کے پاس بیٹھے ہوئے سے کہا)۔''

''اس شخص کو کیا بیماری ہے؟''

وہ بولا۔

''اس پر جادو ہوا ہے۔''

اس نے پوچھا۔

''کس نے جادو کیا ہے؟''

وہ بولا۔

''لبید بن اعصم نے۔''

پھر اس نے پوچھا۔

''کس میں جادو کیا ہے؟''

وہ بولا۔

''کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑے اور نر کھجور کے گابھے کے ریشے میں۔''

اس نے پوچھا۔

''یہ کہاں رکھا ہے؟''

وہ بولا۔

''ذی اروان کے کنویں میں۔''

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنویں پر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے عائشہ! اللہ کی قسم! اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا زلال اور وہاں کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے شیطانوں کے سر۔''

میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جلا کیوں نہیں دیا؟'' (یعنی وہ جو بال وغیرہ نکلے)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھے تو اللہ نے ٹھیک کر دیا، اب مجھے لوگوں میں فساد بھڑکانا برا معلوم ہوا، پس میں نے حکم دیا، وہ گاڑ دیا گیا۔''

معوذات کا مریض پر پڑھنے اور پھونک مارنے کا بیان

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

''جب گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر معوذات (سورہ فلق اور سورہ ناس) پڑھ کر پھونکتے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے، اس بیماری میں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھونکتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھیرتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں میرے ہاتھ سے زیادہ برکت تھی۔''

اللہ کے نام کا ''دم'' اور پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ایک درد کی شکایت کی جو ان کے بدن میں پیدا ہو گیا تھا، جب سے وہ مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھو اور تین بار بسم اللہ کہو، اس کے بعد سات بار یہ کہو'' میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، اس چیز کی برائی سے جس کو پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔''

بچھو کے ڈسے آدمی کو سورہ فاتحہ سے دم

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ سفر میں تھے اور عرب کے کسی قبیلہ کے پاس سے گزرے اور ان سے مہمان نوازی چاہی تو انہوں نے مہمانی نہ کی، وہ کہنے لگے۔

''تم میں سے کسی کو منتر یاد ہے؟''

ان کے سردار کو بچھو نے کاٹا تھا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے ایک شخص بولا۔

''ہاں، مجھے منتر آتا ہے۔''

پھر اس نے سورہ فاتحہ پڑھی تو وہ اچھا ہو گیا اور انہوں نے اس کو بکریوں کا ایک گلہ دیا تو اس نے نہ لیا اور یہ کہا۔

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لوں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا اور کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا، سوائے سورہ فاتحہ کے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تجھے کیسے معلوم کہ وہ منتر ہے؟''

پھر فرمایا۔

''وہ بکریوں کا گلہ لے لے اور اپنے ساتھ ساتھ ایک حصہ میرے لئے بھی لگانا۔'' (کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا)۔

ہر زہر کو دفع کرنے کے لئے دم کرنا

اسود کہتے ہیں، میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے ایک گھر والوں کو زہر کے لئے دم کرنے کی اجازت دی۔'' (جیسے سانپ بچھو کے کاٹنے سے)۔

''نملہ'' (ایک قسم کی پھنسی) کے لئے دم کا

بیان

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر اور ڈنک (زہر) اور نملہ کے لئے دم کیا، (نملہ ایک پھنسی ہے جس میں جلن ہوتی ہے اور جگہ بدلتی رہتی ہے یا وہ پھنسیاں جو بغل میں ہوں۔)

بچھو کے لئے دم کی اجازت

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم سے منع کیا تو عمرو بن حزم کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس بچھو کا دم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ دم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، تم میں اگر کوئی اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو پہنچائے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اس بچھو سے بڑی تکلیف پہنچی جس نے کل رات مجھے کاٹا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر تو شام کو یہ کہہ دیتا کہ ''اعوذ بکلمات اللہ التامات'' تو تجھے ضرر نہ کرتا۔'' (نہ کاٹتا)

نظر بد کے لئے غسل

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نظر سچ ہے (یعنی نظر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تاثیر ہے) اور اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر ہی بڑھ جاتی (لیکن تقدیر سے کوئی چیز آگے بڑھنے والی نہیں) جب تم سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کرو، (کیونکہ جس کی نظر بد لگ جائے، اس کے غسل کے پانی سے نظر لگے ہوئے کو غسل کرا دیا جائے تو ٹھیک ہو جاتا ہے)۔''

نظر بد کا دم

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے نظر (لگ جانے کی وجہ سے) دم کرنے کا حکم دیتے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم کے لوگوں کو سانپ کے (کاٹنے کے) لئے دم کرنے کی اجازت دی اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔

''کیا سبب ہے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو (یعنی جعفر بن ابو طالب کے لڑکوں کو) دبلا پاتا تو کیا وہ بھوکے رہتے ہیں؟''

اسماء نے کہا۔

''نہیں ان کو نظر جلدی لگ جاتی ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی دم کر۔''

میں نے ایک دم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ان کو دم کر دیا کرو۔''

نظر بد سے دم کرنے کے متعلق

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے منہ پر چھائیاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کو نظر لگی ہے، اس کے لئے دم کرو۔''

زمین کی مٹی سے دم

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

''جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا اس کو کوئی زخم لگتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھتے اور فرماتے۔''

''اللہ کے نام سے ہمارے ملک کی مٹی، کسی کے تھوک کے ساتھ اس سے ہمارا بیمار شفاء پائے گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔''

سیدہ خولہ بنت حکیم السلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

''جو شخص کسی منزل میں اترے پھر کہے کہ میں تمام مخلوق کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کے ان کامل التاثیر کلمات کی پناہ لیتا ہوں، اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے شر سے بچنے کے لئے'' تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی، یہاں تک کہ اس منزل سے کوچ کرے۔''

گھر والوں کو بیماری میں دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ اس پر پھیرتے پھر فرماتے۔

''اے مالک! تو اس بیماری کو دور کر دے اور تندرستی دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، ایسی شفا دے کہ بالکل بیماری نہ رہے۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سخت ہوئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ ویسے ہی کرنے کو پکڑا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے (یعنی میں نے ارادہ کیا

کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہاتھ پھیروں اور یہ دعا پڑھوں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں سے چھڑا لیا پھر فرمایا۔

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھے بلند رفیقوں کے ساتھ کر۔'' (یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے ساتھ)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ پھر جو میں نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی (یعنی اس دعا کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا، انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دم پڑھا کرتے۔

''اے مالک تو اس بیماری کو دور کر دے اور تندرستی دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری ہی شفاء ہے، ایسی شفاء دے کہ بالکل بیماری نہ رہے۔''

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت کے زمانہ میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اپنے دم کو میرے سامنے پیش کرو۔'' (دم میں کچھ قباحت نہیں، اگر اس میں شرک کا مضمون نہ ہو۔)

تکلیف اور بیماری میں مومن کا ثواب

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار تھا، میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سخت بخار آتا ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھے اتنا بخار آتا ہے جتنا تم میں سے دو کو آئے۔''

میں نے کہا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو اجر ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو بیماری یا کچھ اور تکلیف پہنچی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ گرا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گرا دیتا ہے۔''

بیمار پرسی کی فضیلت کا بیان

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بیمار کی عیادت (اس کے مکان پر جا کر) کرنے والا جنت کے ایک باغ میں ہے، یہاں تک کہ وہ واپس لوٹے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔''

''اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری خبر نہ لی۔''

وہ کہے گا۔

''اے میرے رب! میں تیری خبر کیسے لیتا؟

تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''تجھے معلوم نہیں ہے کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اس کی خبر نہ لی، اگر تو اس کی خبر لیتا تو تو مجھے اس کے نزدیک پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے کھانا نہ دیا۔''

وہ کہے گا کہ۔

''اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا؟ تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ۔

''کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے اس کو نہ کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھ کو پانی نہ پلایا۔''

بندہ بولے گا۔

''میں تجھے کیسے پلاتا تو سارے جہان کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

''کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے اس کو نہیں پلایا، اگر اس کو پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔''

یوں نہ کہو کہ میرا نفس خبیث (گندا) ہو گیا ہے

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا (یعنی ناپاک اور نجس) بلکہ یوں کہے کہ میرا نفس کاہل اور سست ہو گیا۔''

(خبیث اور ناپاک کافر کا لقب ہے اور اس لئے مسلمان کو یہ لفظ اپنے لئے بولنے سے منع کیا گیا۔)

ہر بیماری کی دوا ہے

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہر بیماری کی دوا ہے جب وہ دوا پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔''

بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو

سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس کوئی بخار والی عورت لائی جاتی تو وہ پانی منگواتیں اور اس کے گریبان میں ڈالتیں اور کہتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس (بخار) کو پانی سے ٹھنڈا کرو اور فرمایا کہ بخار جہنم کی بھاپ سے ہوتا ہے۔''

بخار گناہوں کو دور کرتا ہے

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سائب (یا ام مسیب) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تو فرمایا۔

''اے ام السائب (یا ام مسیب) تو لرز رہی ہے، تجھے کیا ہوا؟''

وہ بولیں۔

''بخار ہے، اللہ تعالیٰ اس کو برکت نہ دے۔''

☆☆☆

ابن انشاء

''اخبار'' میں ایک مراسلہ دیکھا کہ وطن عزیز میں ایک سرجن نے ایک مریض کا آپریشن کیا اور وہ صاحب تندرست ہو کر ٹانکے لگوا کر گھر چلے گئے، لیکن تھوڑے دنوں بعد پیٹ میں درد کی شکایت شروع کر دی، عزیزوں نے سوڈا واٹر پلوایا، چورن کھلوایا، جلاب دیا لیکن شکایت رفع نہ ہوئی اسی عطار سے، یعنی اسی ڈاکٹر سے رجوع کیا تو اس نے کہا۔

''بابا میرا کام آپریشن کرنا ہے، پیٹ کا درد دور کرنا نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے مریض کو وہم ہے اور اس کا علاج جدید ڈاکٹری میں کیا، قدیم طب تک میں نہیں ہے، اس کے آگے حکیم لقمان تک جو زنانہ و مردانہ، پیچیدہ وغیرہ پیچیدہ، سنجیدہ غیرہ سنجیدہ، دیرینہ وغیرہ دیرینہ امراض کے مریضوں کا آخری سہارا تھے، لاچار تھے۔''

عزیزوں کے پرزور اصرار پر ایکسرے کرایا گیا تو آنتوں کے درمیان ایک قینچی نظر آئی، آپریشن کرنے والے ڈاکٹر نے کہا۔

''بابا یہ بھی تمہارا وہمہ ہے، پیٹ کے اندر بعض ہڈیاں قینچی کی شکل کی ہوتی ہیں۔''

لیکن آج کل زمانہ ایسا آن لگا ہے کہ لوگ ڈاکٹر کی زبان کا کم ایکسرے کا زیادہ اعتبار کرتے ہیں، حالانکہ ڈاکٹر صاحب اپنے فن کے ماہر ہیں، جس کی شہادت ان کے مریض دیں گے، جن میں سے آدھے اس دنیا میں ہیں، آدھے اگلی دنیا میں بے تابی سے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔

آخر ایک دوسرے سرجن نے آپریشن کیا اور اسے حسن اتفاق کہیے کہ قینچی نکل بھی آئی۔

☆☆☆

اتنی سی بات تھی جسے لوگوں نے یعنی مذکورہ مریض کے لواحقین نے جو بصورت دیگر ان کے پسماندگان کہلاتے، افسانہ کر دیا، آخر قینچی ہی تو تھی، کلہاڑا تو نہیں تھا اور یہ پہلے ڈاکٹر کی دیانت اور سیر چشمی نہیں تو کیا ہے کہ انہوں نے قینچی کو دیکھ کر کہا۔

''یہ میری نہیں ہے، مریض چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔''

اگر بالفرض یہ ان ڈاکٹر صاحب کی تھی بھی تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے مریض کے پیٹ میں اپنی طرف سے کچھ ڈالا ہی، کچھ نکالا تو نہیں، اگر مریض کے پیٹ میں پہلے سے قینچی ہوتی اور ڈاکٹر صاحب اسے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیتے تو البتہ اعتراض کی بات ہوتی، مریض کو تو خوش ہونا چاہیے کہ اسے بیٹھے بٹھائے اتنی اچھی چیز مل گئی، ہم نے پچھلے دنوں آپریشن کرایا، اس میں تو کچھ نہیں نکلا جو ہمارے کام آ سکتا، بہرحال یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔

قینچی کے بڑے فائدے ہیں، اس سے بال کاٹے جا سکتے ہیں، مونچھیں تراشی جا سکتی ہیں، کان کاٹے جا سکتے ہیں، ناخن کاٹے جا سکتے ہیں، لوگوں کے کپڑے کاٹے جا سکتے ہیں، پورے کپڑوں کے علاوہ خالی جیبیں بھی کاٹی جا سکتی ہیں اور بے روزگاری کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی کارخانے وغیرہ کے افتتاح کا فیتہ کاٹنے کے لئے بھی قینچی درکار ہوتی ہے، اس کے بغیر کارخانہ نہیں چل سکتا، گویا ساری مشین ایک طرف اور قینچی ایک طرف، انسان کا رشتہ حیات جلد قطع کرنے کے لئے سگریٹ مجرب اور آزمودہ چیز ہے، شاید اسی لئے ایک مشہور سگریٹ کا نام قینچی رکھا گیا۔

☆☆☆

آدمی تھوڑا سا (زیادہ نہیں) لکھا پڑھا ہو تو قینچی کی بدولت نامی گرامی جرنلسٹ بھی بن سکتا ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ فی زمانہ ایڈیٹر جرنلسٹ یا کالم نگار بننے کے لئے قلم اتنا کام نہیں آتا جتنی قینچی کام آتی ہے، بعض اخبار تو پورے کے پورے قینچی سے مرتب ہوتے ہیں، ایک بزرگ نے تو اسی حقیقت کے اعتراف میں اپنے اخبار کا نام ہفت روزہ قینچی تجویز کیا تھا، حضرت اسلام سلمانی بی اے نے ان کو مبارکباد کا تار بھیجا جی میں اپنے تعاون کا یقین دلایا تو ان کا یہ نام بدلنا پڑا کہ کہیں لوگ اس کو بار برداری کا اخبار نہ سمجھ لیں، کیونکہ فی الحال ہمارے معاشرے میں بال کاٹنے والوں کے مقابلے میں بال کٹوانے والوں بلکہ بال نہ کٹوانے والوں کی اکثریت ہے، یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے سر کے بال کٹوانے سے کتراتے ہیں وہ ہفت روزہ قینچی کی سرپرستی کیوں کرنے لگے۔

قینچی سے اخبار مرتب کرنے میں فائدہ ہے کہ مضمون نگاروں کو خوشامد نہیں کرنی پڑتی اور کاتبوں کے ناز نہیں اٹھانے پڑتے، تراشہ نیچے رکھا اور اس کی فلم نکالی اور جوڑ دی، حوالہ دینے کا ہمارے ملک میں رواج نہیں، حالانکہ دوسرے ملکوں میں حوالہ نہ دینے والوں کو حوالہ پولیس تک کیا جا سکتا ہے، بہت مہربانی کی تو مثال کے طور پر خبر یا فیچر کے شروع یا آخر میں بریکٹ میں لکھ دیا، (ا۔ج) یہ انشاء جی یا اللہ جوایا بھی ہو سکتا ہے جس نے اخبار ہذا کے لئے نامہ نگار کے طور پر محنت شاقہ سے خبر حاصل کی یا مضمون بنایا اور تحقیق کریں تو اخبار جنگ بھی جہاں سے وہ تحریر کاٹی گئی، ایسا بھی ہوا کہ کہیں سے کوئی غزل تراشی گئی تو شاعر کا نام کٹ کر اصل اخبار یا رسالے ہی میں رہ گیا اور ایڈیٹر کو از راہ ایثار اس پر اپنا نام دینا پڑا، بقول شخصے نام میں کیا دھرا ہے، لوگوں کو تو شعر پڑھنے سے یعنی آم کھانے سے مطلب ہے پیڑ کون گنتا ہے؟

اس معاملے کا ایک قانونی پہلو بھی ہے، اس مریض سے دریافت کرنا چاہیے کہ اس نے اتنے دن یہ قینچی کیوں اپنے پیٹ میں چھپائے رکھی؟ یہ ہسپتال کی جائیداد تھی، مریض کے باوا کا مال نہیں تھا، ہسپتال میں اس کی کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی ہے، کسی نرس کو اپنے ناخن کاٹنے ہوں، بھویں تراشنی اور چتون تیکھی کرنی ہو، کسی ڈاکٹر کو اخبار سے معمہ کاٹنا ہو کہ آپریشن بھی کرتے جائیں، دل بہلانے کے لئے غور و فکر بھی کرتے جائیں کہ ذیل کے فقرے میں۔

اکبر کے زمانے میں...... اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے، خالی جگہ میں لفظ ''شیر'' رکھنا زیادہ مناسب ہوگا یا ''بھیڑ'' زیادہ موزوں رہے گا، جو محاورے سے دور لیکن عقل کے زیادہ قریب ہے، بہرحال اس مریض کے خلاف پرچہ کٹنا چاہیے اور اسی قینچی سے کٹنا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی مریض، چھری، چاقو، قینچی، بستر کی چادر، تکیہ، ڈاکٹر صاحب کی عینک، اسٹیتھسکوپ، نرس کی نیل پالش یا لپ اسٹک، وارڈ بوائے کی نسوار کی ڈبیہ یا فلمی گانوں کی کاپی اٹھا کر پیٹ میں نہ رکھ لے، آج کل کے مریضوں کا کچھ اعتبار نہیں،

☆☆☆

اُم مریم

چودھویں قسط کا خلاصہ

منیب چوہدری بہن کنیز فاطمہ کی خواہش پہ یارمن کی نسبت کنیز کی بیٹی شانزے سے طے کرتا ہے، غانیہ حرم اور یارمن کے طے ہونے والے رشتوں سے خوش نہیں مگر چھوٹی بیٹی حجاب کے لئے ضرور فضہ کے لئے جنید کے لئے خواہش ظاہر کرتی ہے، منیب چوہدری کا سرد رویہ اور مخصوص طنطنہ ایک بار پھر واضح ہوتا ہے اور غانیہ کو اپنا دل مارنا پڑتا ہے۔

ہجر میں مبتلا عورت دھیرے دھیرے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو رہی ہے، اسے وہم اور خیال ستاتے ہیں، وہ اس دنیا میں خوش ہے۔

انگریز لڑکی کے ہیجان کا عالم ہنوز ہے، کوئی علاج کوئی دوا اسے اس کیفیت سے نکالنے میں ناکام ہے۔

بچے جوان ہوئے تو مسائل بھی بڑھ گئے ہیں، بچپن طے ہونے والی نسبتیں ذہنی ہم آہنگی کی بجائے اضطراب کو ظاہر کر رہی ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

پندرہویں قسط

فضا میں لیموں کے پھولوں کی ترشی مہک پھیلی ہوئی تھی، اس کی سفید شاخوں میں سبز پھول کھلے تھے، لیموں کے پیڑ موسم کا پھل دینے کی تیاری کر رہے تھے، وہ ہاتھوں میں چہرہ ٹکائے ان سفید اور سنہرے پروں والی تتلیوں کا انتظار کرتی تھی جو ہر روز آئی تھیں، آم کے درخت کے نیچے آیا ماں نے کٹوری پانی سے بھر رکھی تھی، باجرہ بھی بکھرا ہوا تھا، لان کی بیرونی دیوار پہ بیٹھی چڑیاں باری باری آتیں، پانی اور باجرہ لے جاتیں، لان کے پودوں کو پانی دینے والے نل کی ٹونٹی ڈھیلی پڑ گئی تھی، اس میں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہتا، اک موٹا پھولے پھولے پروں والا چڑا اس کے نیچے اپنے پر پھڑ پھڑا کر نہاتا اور اپنی چڑیا کے علاوہ کسی اور کو نزدیک نہ آنے دیتا۔

ایک چڑیا کٹوری میں جا بیٹھی اور چونچ اور پروں سے چھینٹے اڑانے لگی، اس نے اکتا کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا، برآمدے کے کونے میں گول میز رکھی تھی، وہی گول میز جس کی کرسی اسے بہت محبوب ہوا کرتی تھی، بچپن میں...... وہ اسی میز پہ بیٹھ کر کھانا کھاتی اسی میز پہ ناشتہ کرتی، موسم کے مطابق آیا ماں میز کرسی کی جگہ بدلتی رہتیں، سردیوں میں کچن میں سجتی تو گرمیوں میں یہاں برآمدے میں...... مون کا ٹائم تو ایسا ہی ہوا کرتا تھا، اکثر سیاسی مصروفیات اسے کبھی ٹائم پہ گھر کے کھانے میں شریک ہونے کا موقع بھی نہ دیتیں، کبھی تو ایسا ہوتا میز پہ بیٹھا ہوتا، نوالے کی جانب بڑھا ہاتھ فون کی گھنٹی پہ تھم جاتا، فون سنتے ہی وہ بنا کھائے اٹھ جاتا، آیا ماں پکارتی رہ جاتیں، قدر شروع شروع میں بسورتی رہی، پھر وہ بھی جیسے عادی ہو گئی تھی، اسی چھوٹی میز پہ جھکی وہ بچپن میں چلغوزے چھیل چھیل کر دانوں کی قطاریں بنایا کرتی، پھر وقت کے ساتھ وہ ان ان دانوں سے اپنا نام لکھنے لگی۔

''قدر سلیمان خان۔''

''آیا ماں......!''

معاً کچھ خیال آنے پہ وہ یکدم سر اٹھا کر آیا ماں کو مخاطب کر گئی تھی، آنکھیں پر سوچ تھیں، چہرے پہ سوال۔

''جی میری بیٹی، میری پتری میری جند جان۔'' آیا ماں ہر وقت واری صدقے ہونے پر تیار رہا کرتیں۔

''پپا کا نام کیا ہے......؟''

''آپ کے پپا کا نام سلیمان خان ہے بیٹے۔'' آیا ماں کے جواب نے الجھن سلجھا دی مگر ساری نہیں۔

''لیکن سلیمان خان تو میرے نام کے ساتھ لگتا ہے، وائے......؟''

''آپ کے پپا جو ہیں سلیمان خان، بچوں کے ناموں کے ساتھ ان کے باپ کا ہی نام لگا کرتا ہے میری جان۔'' آیا ماں نے اسے چوم لیا تھا، وہ کچھ سوچنے لگی۔

''صرف...... پپا کا؟''

''جی...... صرف پپا کا۔''

آیا ماں اب کوئی کام کر رہی تھیں، مصروف رہ کر بولیں۔

''مما کا کیوں نہیں...... مما کا بھی ہونا چاہیے نام ساتھ۔'' وہ بحث کرنے لگی، آیا ماں نے ہنکارا ابھرا، اب کے جواب نہ دیا، اس بات کا جواب نہ دینا ہی مناسب تھا، خاموشی ہی بھلی تھی۔

''میں مما کا بھی نام ساتھ لگاؤں گی۔'' اس نے یکایکی فیصلہ کر لیا، آیا ماں نے پھر ہنکارا بھرنے پہ اکتفا کیا۔

''ٹھیک ہے آیا ماں۔'' وہ ان کی رائے لے رہی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹے! جیسی آپ کی مرضی۔'' آیا ماں اس موضوع کو نپٹانا چاہ رہی تھیں، مگر قدر کا ایسا موڈ نہیں لگتا تھا۔

''تو پھر مجھے ان کا گڈ نیم بتائیں؟'' آیا ماں گڑبڑا گئیں، انہیں یہی تاکید تھی بچی کے سامنے اس موضوع پہ بالکل بات نہیں کرنی۔

''بتائیں نا پلیز۔'' وہ ان کے سر پہ آ چڑھی تھی، انداز میں اصرار تھا، جو ضد میں بدل جانا تھا، وہ جانتی تھیں۔

''مجھے تھوڑی پتا ہے بچے!'' انہوں نے پہلو تہی کی، گویا جان چھڑانا چاہی۔

''پھر کس کو پتا ہے؟'' اس نے جرح کی، وہ جھنجھلا رہی تھی۔

''آپ کے پپا کو آپ کی پھپھو کو۔''

''ٹھیک ہے، میں پپا سے پوچھ لوں گی۔'' وہ مطمئن ہو گئی، مگر یہ میناں رخصت ہو گیا، جب اگلے تین دن مسلسل مون گھر نہیں آیا، اس کا ذہن پتا نہیں اس ایک بات میں کیوں اٹک گیا تھا، الجھا رہ گیا تھا، یہ اس کی قسمت تھی کہ انہی دنوں آپا آ گئیں، وہ ان کے سر ہو گئی، پہلے تو خوب باپ کی شکایتیں کی ان سے پھر اپنا سوال سامنے رکھ دیا۔

''آپ مجھے بتا دیں پھپھو مما کا نام۔''

''آپ نے کیا کرنا ہے جان کر؟'' وہ اسے اِدھر اُدھر بہلا کر جب عاجز ہوئیں اسی سوال پہ تو تنگ آ کر پوچھا۔

''یہ کیا لوجک ہوئی بھو...... نہ بتانے کی، سب بچوں کو ان کی مما کے نام پتا ہوتے ہیں، بس مجھے ہی نہیں پتا۔'' وہ پھر بسورنے لگی، انہوں نے سرد آہ بھری۔

''لیکن ڈاکومنٹس میں تو ہر جگہ فادر نیم ہی ہوتا ہے میں تو اس لئے کہہ رہی تھی، آپ اپری ٹیٹ نہ ہوں پلیز۔'' اس میں تو ان کی جان تھی، ذرا سی بھی ناراضگی برداشت نہ کر سکتی تھیں، فوراً منانے لگیں، منت پہ اتر آئیں۔

''اٹس اوکے، آپ اب بتا دیں۔'' وہ خلاف عادت خلاف مزاج جلد مان گئی، ورنہ تو خوب ایڑیاں رگڑوایا کرتی تھی۔

''خولہ!'' ان کے لبوں سے نام کے ساتھ کراہیں بھی نکلیں گویا۔

''خولہ......!'' اس نے زیر لب دہرایا اور ستائشی انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

''واٹ اے یونیک نیم، خولہ، یعنی خولہ سلیمان خان۔'' قدر مسحور سی ہو گئی تھی جیسے، آپا نے بے اختیار سرد آہ بھری۔

(ہاں تھی وہ بھی خولہ سلیمان خان بھی، آہ بدنصیب نمانی)

''پھپھو میں اپنے نام کے ساتھ پپا کے بجائے مما کا نام نہ لگا لوں؟ بی کوز یہ پپا کے نام سے زیادہ یونیک نیم ہے۔'' اسے جانے کیا سوجھی تھی نئی فرمائش داغ کر بیٹھ گئی، آپا کی آنکھوں میں تیرتی نمی میں اضافہ ہوا۔

''نہیں بیٹے ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں پپا سے کہوں گی ایسا پاسبل کریں، وہ بہت بڑے آدمی ہیں، مجھے آیا ماں نے بتایا، بہت کچھ کرسکتے ہیں، مما کی ڈیتھ ہوگئی ہے، وہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی ہیں مگر میں یہ تو کروں گی، بی کوز اگر مرے ہوئے لوگوں کے لئے کچھ کیا جائے تو ان کی روح بہت خوش ہوتی ہے، مجھے میم نے بتایا تھا۔''

وہ اپنی سکول ٹیچر کے حوالے دے کر معتبر بنی کہہ رہی تھی، آپا نے بڑی مشکل سے اس کا ذہن بدلا، وہ نہیں چاہتی تھیں وہ نادانی میں ایسی کوئی بات مون کے سامنے کر جائے جوان کے دل گزیدہ بھائی کے زخموں سے کھرنڈ نوچ لے۔

پھر اسی شام مون کی واپسی پہ قدر نے وہ بات تو نہیں کی مگر کچھ اور حماقت ضرور کردی تھی۔

''پپا علی شیر از مائی بیسٹ فرینڈ، آپ علی شیر کو اپنے گھر میں رکھ لیں تاکہ میں اکیلی نہ رہوں۔''

وہ آپا کے سب سے چھوٹے بیٹے کو پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی، آپا مسکرانے لگیں، مون ایکدم کھنکارا تھا۔

''علی شیر فرینڈ نہیں آپ کا بھائی ہے بیٹے!'' اس نے تصحیح ضروری سمجھی، اس کا خیال تھا بچوں کی تربیت اور اصلاح چھوٹی عمر سے ہی کرنی چاہیے، بڑے ہونے پہ تو عادتیں پختہ ہوجاتی ہیں، جو مشکل سے چھوٹتی ہیں۔

''نو...... شیر میرا فرینڈ ہے برادر نہیں۔'' وہ پیر پٹخنے لگی۔

''نہیں بیٹے آپ کا......''

''اگر برادر ہوتا تو میرے ساتھ میرے گھر میں رہتا، آپ کا بیٹا ہوتا جیسے میں آپ کی بیٹی ہوں، یہ تو پھپھو کا بیٹا ہے، مائی کزن ہے، مائی فرینڈ ہوا، مائی برادر تو نہیں۔''

وہ اپنی عقل و دانش کے دروازے کھولے انہیں بھی سمجھا بجھا رہی تھی، مون یوں چپ ہوگیا جیسے سمجھانے کو مناسب الفاظ کھوج رہا ہو، جو اس کی عقل میں بیٹھ جائیں مگر اس نے مہلت کہاں دی۔

''ابھی میں اسے فرینڈ بنائے رکھتی ہوں، بڑے ہو کر میں اس سے شادی کرلوں گی، علی شیر مجھ سے شادی کرو گے؟''

وہ کتنی شارپ تھی، مون کو پہلی بار اس کی ذہانت اس کی طراری بری لگی، ناگوار محسوس ہوئی، چہرا سرخ ہوگیا، اسے لڑکیاں شرم و حیا والی پسند تھیں، اس کی بیٹی کیسی تھی، اپنی ماں جیسی بے حجاب بے لگام ہر جذبے میں، اسے عجیب سی کوفت جھنجلاہٹ اور اضطراب نے آن لیا، اسے جھڑکتا ہوا وہ

سخت خراب موڈ کے ساتھ آیا ماں کے سر پر چڑھ گیا تھا اور پہلی بار اس گھر کے درو دیوار نے اسے کسی ملازم پہ برستے سنا دیکھا اور حیران رہ گئے۔

''آپ قدر کو تمیز نہیں سکھاتیں؟ وہ کیسی فضول بات چیت کی عادی ہوگئی اور آپ کو پتا ہی نہیں چلا؟ کیا میں اسے بچی کی طرح سے آپ کی غفلت سمجھوں؟''

وہ کتنا غصیلا ہورہا تھا، اتنے غصے میں تو آپا نے بھی اسے کبھی نہیں دیکھا، جبھی دبکی رہ گئیں تھیں اپنے اس متعلق تمام تر نادر خیالات کے باوجود بھی۔

اور وہ گرج برس کر چلا گیا تھا۔

اگلے روز جب وہ قدر کو سمجھا رہا تھا کہ بچیاں چھوٹی بچیاں خاص کر ایسی باتیں نہیں کرتی تو وہ آگے سے اپنی اسی ذہانت اور کوتھنڈنس سے اسے زچ اور عاجز کرتی جارہی تھی، سوال پہ سوال داغ کر، مون کو ایک لمحے کو وہ چھوٹی بچی نہیں قدر بھی نہیں، وہ لگی تھی وہ...... خولہ...... جو اپنے اعتماد اپنی بے تابیوں سے اس کی سنجیدگی اس کی متانت اور بردباری کو ہوا برد کر ڈالا کرتی تھی، اس نے اک خفا سی طائرانہ نگاہ پھولے چہرے والی ناراض نظر آتی، قدر پہ ڈالی اور دھیان کی دہلیز پہ سوکھے پتے کی طرح لرزتی ہوئی بھولی بسری اس عورت کے تصور کو پل بھر میں چرمرا کے رکھ دیا، اس کا تصور شعور کی تیز ہوا میں اڑتا کہیں گم ہوا۔

''آپ کو پپا سے پیار ہے؟'' انہوں نے سمجھانا ترک کر کے ترپ کا نیا پتا پھینکا، آخر بچی تھی ٹریپ ہوگئی۔

''بہت بہت زیادہ پپا'' وہ ایکدم ان کے گلے لگ گئی، گال چوم لیا، انداز والہانہ تھا، وہ اندر تک شانت ہوا۔

''بس اگر پپا سے پیار ہے تو پیاری بیٹی ایسی بات نہیں کرے گی؟'' اس نے ہاتھ پھیلا کر وعدہ لینا چاہا، جو جھٹ سے مل گیا۔

''نہیں کرے گی، بی کوز ڈاٹر بہت پیاری ہے پپا کی۔'' وہ کھلکھلائی تو مون نے بیٹی کو لپٹا لیا تھا۔

''میں تو اس میں حرج نہیں سمجھتی، تمہیں پتا نہیں کیوں بچی کی خوشی میں رکاوٹ ڈال کے اچھا لگا۔''

آپا جو یہ مظاہرہ دیکھ رہی تھیں، وہیں پاس آ بیٹھیں، مون نے پہلے قدر کو وہاں سے ہٹایا پھر کسی قدر سنجیدہ اور خفا نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''بچوں کی معصومیت سے نہ کھیلیں آپا، پلیز میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' وہ ایسے تحمل سے بولا جس کے عقب میں طیش اٹڈتا تھا۔

''اسے خواہش سمجھ لو میری...... نہ بتانا بچوں کو، بڑے ہوں گے تو خود ہی......''

''بڑے ہو کر اگر سمجھنے کی بجائے اختلاف کردیا انہوں نے تو؟'' مون نے سوال اٹھا دیا، اس کے انداز میں عجیب سی جھنجلاہٹ تھی، صاف لگتا تھا وہ ایسا نہیں چاہتا، یا کم از کم ابھی تو بالکل نہیں چاہتا، آپا بے بس ہوئیں، انہیں شکوہ تھا، مون نے کبھی انہیں مان نہ دیا، نہ اپنے بارے میں نہ اب

اپنی اولاد کے بارے میں، اسے مان دینا ہی نہ آتا تھا، وہ پتا نہیں کچھ معاملوں میں اتنا ضدی کٹھور اور بے حس کیوں تھا۔

''اچھا ویر! مرضی تیری، ہم کون ہوتے ہیں بھلا زبردستی زور چلانے والے۔'' وہ ملول تھیں، ازحد ملول، مون کو ان کی بے چارگی کا دکھ کا احساس ہوا تو قدرے ڈھیلا پڑا۔

''کچھ انتظار کرلیں آپا پلیز محض کچھ سال، قدر جیسے ہی ذرا سمجھ بوجھ والی ہوگی میں پہلی ترجیح آپ کی خواہش کو دوں گا، علی کیا میرا کچھ نہیں لگتا؟ بہت عزیز ہے مجھے وہ۔'' اسے باقاعدہ یقین دلانا پڑا، حالانکہ وہ ان تکلفات میں پڑنے والا تھا نہیں، ان کے لئے یہی بہت ہوا، وہ کچھ تو ان کا احساس رکھتا تھا، کچھ تو خیال تھا، انہیں ڈھارس ہوئی، تسلی ہوئی، مسکرانے لگیں۔

''جیتے رہو، نیک نصیب ہوں۔''

مون گہرا سانس بھر کے رہ گیا، آج آپا نے پھر فون کیا تھا، گویا وعدہ یاد دلایا، وہ بھولا نہیں بھی تھا تو سب کچھ ذہن سے اتر ضرور گیا تھا، وقت کے تیزی سے بیت جانے کا احساس بھی ہوا تو نگاہ میں دکھ جو بسا تھا گہرا ہوتا چلا گیا، وقت کب رکا ہے، وقت نہیں رکتا، ایک دم ہی ان کا چہرہ جیسے بوڑھا ہوگیا، ایک دکھ تحریر اس کے چہرے کی لکیروں میں اتر آئی، جھک کر میز سے اخبار اٹھاتے ان کی نظر قدر پہ پڑی، پچھلی طرف سے نکل کر وہ اپنے دھیان میں اندر جارہی تھی، اس نے ملگجا سا کھدر کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو جتنا بھی اسٹائلش تھا مگر کتنے دنوں کی خود پہ نہ دی گئی توجہ کے باعث شکن آلود ہوچکا تھا، بالوں میں شاید برش بھی نہیں کیا تھا، کیچر میں جکڑے بال آدھے چہرے کے اطراف بکھرے جھول رہے تھے، چہرہ اترا ہوا سا تھا۔

''قدر! ادھر آؤ بیٹے۔'' انہوں نے اخبار واپس میز پہ ڈال دیا، اب پوری توجہ بیٹی پہ تھی، جو چونک کر متوجہ ہوئی قدرے حیرانی سے انہیں دیکھتی قریب آرہی تھی، انہیں احساس ہوا وہ بیٹی کے معاملے میں بھی لاپرواہ ثابت ہوچکے ہیں، یہ لاپرواہی زہر قاتل تھی۔

''جی پپا!'' وہ رک گئی، دونوں ہاتھ کرسی کی بیک پہ رکھے منتظر انہیں دیکھتی تھی کہ وہ جو کہنا ہے کہیں تو یہ جائے۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟'' مون کی نظریں اس پہ تھیں، وہ کچھ اور حیران نظر آنے لگی۔

''آف کورس پپا!'' اس پر یقین جواب پر مون نے محض ہنکارا ابھرا، کچھ دیر کچھ سوچتے رہے۔

''پھر اتنی مضمحل ایسی لیزی کیوں ہورہی ہو بیٹے۔''

''اگیزیم کے بعد ہر ایکٹی ویٹی سٹاپ ہو جاتی ہے ناپپا، بس یہی وجہ ہے۔'' وہ فرض سمجھ کر ہر بات کا جواب دے رہی تھی جیسے اور بالکل درست۔

''پپا! اک بات کہوں مانیں گے؟''

''ہوں...... کہو؟'' وہ اخبار میں گم ہوچکے تھے، ذرا چونکے۔

''آپ...... شادی کرلیں۔'' انہوں نے چونک کر بے طرح چونک کر بیٹی کو دیکھا، اس کے شاداب چمکتے چہرے کی معصومیت پر نا چاہتے ہوئے بھی ڈانٹ نہ سکے، البتہ اسے جواباً اتنی بارعب نظروں سے دیکھا کہ وہ بے اختیار پھر محدود ہوئی۔

''آپ تیار ہو جاؤ، آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔'' انہوں نے ایکدم موضوع اور ماحول بدل دیا، قدر نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا، وہ پھپھو کو کیا بتائے گی پپا نے اس کی بات بھی نہیں مانی۔

''پپا! میں پڑھنے کو باہر چلی جاؤں؟'' اس نے جاتے جاتے پلٹ کر ایکدم سوال کرلیا، مون نے بے ساختہ ہونٹ بھینچے، یوں جیسے خود پہ بہت بہت زیادہ ضبط کرنا چاہتے ہوں، قدر انہیں عاجز کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دیتی تھی۔

وہ تیار ہو کر کب باہر آکر کھڑی تھی، بالآخر وہ اسے اپنے کمرے سے نکل کر اپنی طرف آتے نظر آئے، ایک ہاتھ سے کوٹ کے بٹن بند کرتے، دوسرے سے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھا رہے تھے، سیاہ لباس میں اپنے مخصوص شاندار بارعب پروقار انداز میں چلتے ہوئے سائیڈ پوز سے نظر آتی ان کی ستواں ناک اور صاف رنگت والا پرکشش چہرہ دور سے ہی انہیں ایک خوبرو اور باوقار شخص ثابت کررہا تھا، وہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔

فخر و خوشی کے ملے جلے احساسات سمیت۔

''پپا کتنے گریس فل ہیں اس عمر میں بھی ان کی فٹنس قابل رشک ہے۔'' اس نے ہزاروں بار کی سوچی بات پھر سوچی، اسکول کالج میں وہ اپنے باپ کے نام کی شہرت اور مانگ کی وجہ سے خصوصی اہمیت سے نوازی جاتی تھی، عورتیں تو عورتیں لڑکیاں بھی اس پہ رشک کرتی تھیں اور اس کا دل انوکھے فخر سے لبریز ہوا جاتا، ان کی بیٹی ہونا اس کے لئے ایک قابل اعزاز منصب تھا، قابل رشک احساس تھا، وہ اس کے نزدیک آئے تو ان کے قیمتی اور نفیس ملبوس سے اٹھتی کلون کی مہک نے اسے محسور سا کر ڈالا، وہ شام بہت خاص بہت انمول ہوگئی تھی قدر کے لئے۔

وہ بہت خوش تھی، مزید خوش ہو جانا چاہتی تھی ان سے اپنی فرمائش پوری کروا کے۔

''بتائیں ناپپا، میں اسٹڈی کے لئے باہر چلی جاؤں؟'' اس وقت وہ فیملی کیس میں بیٹھی تھی، اس کی نظریں گلاس وال سے کینال روڈ کی نرسری پہ جمی تھیں، ہلکی رم جھم نے سبزے کو عجیب سا نکھار بخش دیا تھا، نرسری کی سرخ دیواروں پر پھسلتی بارش کی بوندوں نے دل کو انوکھا احساس بخش دیا تھا، بارش کی آواز اسے ہمیشہ محسور کرتی تھی۔

''نہیں بیٹے میں تو چاہتا ہوں جلد از جلد تمہاری شادی کردوں۔'' انہوں نے ایکدم سے اسے ساکن کر ڈالا، کچھ دیر قبل اس نے ان سے یہ فرمائش کی تھی، وہ بات کو پلٹا کر اس پہ لے آئیں گے یہ تو اس کے گمان کے کسی حصے میں بھی نہیں تھا۔

''میری......؟'' وہ ششدر سی ششدر تھی، انہیں دیکھتی اس کی سحر ناک آنکھوں میں چمکتے جگنو اس پل مرجھانے لگے تھے۔

''جی...... آپ کی۔'' مون مبہم سا ہی مسکرائے کچھ فاصلے پہ پوری جان سے ان کی جانب متوجہ دو حسین مگر پاگل آنکھوں نے اس مسکراہٹ پہ جان لٹائی ہے انہیں ہرگز خبر نہ ہوسکی۔

''پپا......!'' وہ جیسے چیخ باؤل میں پٹخ کر احتجاجاً بسوری۔

''دس از ناٹ فیئر۔'' اس کا انداز گلہ آمیز بھی ہوا، مون نے گلا کھنکارا۔

''آپا کا بیٹا ہے نا علی شیر، آپ کو کیسا لگتا ہے؟'' انہوں نے اسی سنجیدگی و متانت کے ساتھ اگلا

سوال کیا، قدر کا دل بہت زور سے دھڑکا، چہرہ یکدم تمتمانے لگا۔

''پپا!''

''بیٹے اگر وہ آپ کو پسند ہے تو فرینکلی بتا دو مجھے، اگر نہیں پسند تو منشین ناٹ ہے، بھول جانا کہ میں نے آپ سے ایسی کوئی بات بھی کی ہے۔'' وہ بہت ریلیکس انداز میں کہہ رہے تھے، قدر ایک پل کو سٹپٹائی، علی شیر کی شوخ کلامی شوخ نظریں بہت کچھ اسے از بر تھا، جو بارہا قدر پہ جتا چکا تھا کہ وہ اس کے لئے خاص ہے، چاہے جانے کا احساس کتنا دلربا ہوتا ہے علی شیر نے ہی تو اسے احساس دلایا تھا۔

''علی شیر میرا دوست ہے پپا! وہ واحد انسان، جس نے بچپن سے لے کر اب تک کبھی مجھے اکیلا محسوس نہیں ہونے دیا خود کو، اس کے باوجود کہ میں بہت اکیلی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، مگر اس کے جواب نے مون کو اس کی بات کا جواب دے دیا تھا، وہ کچھ نہیں بولے، ایکدم خاموش ہو گئے، قدر سے بھی پھر کچھ کھایا نہیں گیا، دونوں یونہی اٹھے تھے۔

☆☆☆

لفظ ڈھلنے لگے تھے چیخوں میں
اپنے ہونٹوں کو سی لیا میں نے

نیم تاریکی میں وہ نہر کی لہروں کا شور چپ چاپ سنتا تھا، سورج نہر کے پانیوں میں گھل کر آسمان کی ہتھیلیوں کو رنگ رہا تھا اور دھیرے دھیرے یہ رنگ رات کی تاریکی چوس رہی تھی، وہ کھڑکی میں کھڑا تھا، نہر کے پانیوں کو چھو کر آتی ہوا خنک بستہ تھی، سفید بگلے قطار در قطار نہر کے کنارے سے اب اڑنے لگے تھے، ٹھنڈی ہوا کے نم جھونکے آنے والی رات کی آہٹیں سنا رہے تھے، ایک اور اداس تنہا دن بالآخر تمام ہو رہا تھا، وہ پتا نہیں کیوں اس اداسی اس تنہائی میں زبردستی حصہ دار بننا چاہتی تھی، اسے جھنجھلاہٹ گھیرنے لگی، وہ بہت دیر تک پانیوں پر بنتے بھنور بغور دیکھتا رہا۔

''آپ عمر ہیں نا؟ فضہ خالہ کے بیٹے، دیکھ لیں میں نے آپ کو پہچان لیا۔'' اس کے بے مہر اجنبیت کے جواب میں بھی وہ کتنی خوشی سے پوچھ رہی تھی، یا شاید پوچھ نہیں رہی تھی، پورے یقین سے کہہ کر اس کی تصدیق کی خواہش مند تھی، جو عمر نے کر کے نہیں دی، لڑکی کے لہجے میں جو بلا کی اپنائیت تھی وہ اس کے لئے بالکل نئی اور اجنبی تھی، اسے لگا تھا، اس کی آواز نیم تاریک کمرے کی ٹھنڈک میں اتر آئی ہے۔

''آپ سے مل کر آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی سر! میں حجاب ہوں، آپ کی خالہ غانیہ کی بیٹی، آپ کو یاد ہیں نا وہ؟'' اس کی آواز جو بازگشت بن رہی تھی، اس نے اس سے دھیان ہٹا کر باہر سے آتی پرندوں کی آواز پہ لگایا جنہوں نے درختوں کی شاخوں پہ شور برپا کر رکھا تھا، کھلے دروازے سے صحن کا ایک حصہ اس کی نگاہ کی زد میں تھا، جہاں افسردہ و پژمردہ سی رات اترتی جا رہی تھی، اس نے جواب نہیں دیا تھا، آگے بڑھ گیا تھا، آگے بڑھ جانا ہی امان تھی، پیچھے زخمی یادیں تھیں، وہ ان زخموں سے مزید کھرنڈ نوچ کر خود کو اذیت کیوں دیتا بھلا۔

تاریکی کا احساس یکدم بڑھ گیا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا، گھنے بادلوں نے چاند کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا، اس گھنی تاریکی میں درختوں سے ٹکراتی ہوا کا شور، اس کے اعصاب پر عجیب سی بے بسی اور خوف بن کر اترا، آس پاس کوئی روشنی نہ تھی، معاً ٹچ کی ہلکی آواز کے ساتھ کمرا روشنی سے بھر گیا، کمرے کی ایک ایک چیز واضح ہو گئی، ماحول میں ابھرتی لہروں کا شور، سامنے نہر تھی، اس نے ایک دم کھڑکی بند کی تو لہروں کا شور بھی دب گیا۔

''بیٹے لائٹ ہی جلا لیتے، میں سمجھی سو رہے ہو۔'' بی جان حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں، وہ سر جھٹکتا ہوا بستر پہ آ گیا، آج سردی زیادہ تھی یا اسے لگ رہی تھی، اس نے مخملیں لحاف اپنی ٹانگوں پہ کھینچا، کپکپاہٹ اور تناؤ ہنوز تھا۔

''کھانا لاؤں پتر؟'' بی جان اسے ہی دیکھ رہی تھیں، وہ آہستگی سے کھنکارا۔

''نہیں صرف چائے۔''

''چائے بنا دیتی ہوں، پہلے کچھ کھا لے پتر، دوپہر کالج سے آ کے بھی تو نے کچھ نہیں کھایا تھا۔'' بی جان ملتجی ہوئیں، جانتی تھیں کتنا ضدی ہے، ایک بات سے انکار کر دے تو مشکل سے مانتا تھا۔

''تیری پسند کے چھوٹے پائے بنائے ہیں، ساتھ پھلکے اور لسی، لے آؤں؟'' وہ سوال کر رہی تھیں، مینو سن کر اسے جانے کیا کچھ یاد آیا۔

گاؤں، غانیہ خالہ اور ان کے گھر کا بڑا سا احاطہ، جب فضہ اور عامر کے بعد اس کی نانو کی بھی وفات ہو گئی تھی تو اسے غانیہ اپنے ساتھ لے گئی تھی، گاؤں اپنے گھر، جو شاید اس کا گھر نہیں تھا، جو شاید اس کی خالہ کا بھی گھر نہ تھا، وہ تو بس منیب چوہدری کا گھر تھا، وہاں اسی بندے کا حکم چلتا تھا، اسی کے قوانین نافذ تھے۔

''خالہ بھوک لگی ہے، بہت۔'' وہ پیٹ پہ ہاتھ پھیر رہا تھا، تب تک اس کا اعتماد اس کے ساتھ تھا، یہ اعتماد اس نے اسی گھر میں آ کے کھویا تھا۔

''میں ابھی روٹی پکا دیتی ہوں میرے چاند!'' غانیہ اس کی فرمائش پہ واری صدقے ہوئی، تب حرم اور حجاب بہت چھوٹی تھیں، یار من تب بھی ہاسٹل میں ہوتا تھا، مری میں وہ جھٹ پٹ روٹی پکانے لگی، گیس گاؤں میں ابھی تک نہ آئی تھی، اب تو غانیہ بھی لکڑیوں پہ کام کی عادی ہو گئی تھی، وہ حیرانی سے اپنی نازک سی خالہ کو یہ مشکل کام کرتے دیکھتا رہا، وہ کتنی مہارت سے آگ جلاتی تھی، چمٹے کے ساتھ توا ہٹا کر لپکتے شعلوں پہ نرم گرم پھلکے اتارتی تھی۔

''آپ بہت بدل گئیں ہیں خالہ۔'' وہ یکدم کتنا ملول ہو گیا تھا، غانیہ کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''پکایا کیا ہے؟'' اس کی مہیب چپ کے جواب میں عمر نے ہی خاموشی توڑی تھی۔

''بکری کے پائے اور ساتھ میں لسی، چاٹی کی لسی کبھی پی ہے تم نے عمر؟'' غانیہ خود کو سنبھال کر مسکرانے لگی، عمر نے سر نفی میں ہلا دیا۔

اس کی توجہ حرم نے کھینچ لی تھی، جو ایکدم چیخ اٹھی تھی، حجاب چھوٹی ہونے کے باوجود بڑی بہن

کا منہ نوچ رہی تھی۔

''ارے......رے۔'' وہ اٹھ کر بھاگا اور حرم کو گود میں بھرلیا۔

''پیاری گڑیا!''

اس نے دوسال کی بچی کو چوما، حجاب جو محض چھ ماہ کی تھی اور ابھی بیٹھنے لگی تھی دونوں بازو اٹھا کر ہمکنے لگی۔

''آپ کو میں نے نہیں اٹھانا، آپ گندی بچی ہو۔'' وہ ڈانٹنے کے انداز میں بولا، پھر اسے بھی گود میں بھرلیا تھا۔

''خالہ حرم جتنی معصوم اور پیاری ہے، حجاب اتنی ہی شارپ ہے، یہ کس پہ چلی گئی ہے؟'' وہ کھانا کھانے کو واپس غانیہ کے پاس آیا تو مسکرا کر سوال کرلیا تھا۔

''اپنے ابے پے۔'' سہیل نے ٹھٹھہ لگایا تھا، اس روز پہلی بار عمر نے پائے کے سالن کے ساتھ چھلکے کھائے اور لسی کا لطف اٹھایا تھا، یہ پہلی بار ہی آخری بار ہوگیا، کہ منیب چوہدری کو اس کا آنا اس کا رہنا قطعی پسند نہیں آسکا تھا، عمر نے اتفاقاً انہیں آپس میں الجھتے دیکھا اور اتنی سی عمر میں ایک بہت بڑا فیصلہ کرگیا اور وہ سمجھتا تھا اگر وہ یہ بات جیت یا بحث نہ سنتا تو اچھا نہ ہوتا۔

''اس لڑکے کو کس سے پوچھ کر گھر اٹھا لائیں تم۔'' اس شخص کو کبھی بھی اس نے مسکراتے ہوئے یا نرم تاثرات کے ساتھ نہیں دیکھا تھا، وہ جو انہیں حمدان کی کال کا بتانے آیا تھا اندر جانے کی ہمت ناپید پاتا وہیں چوکھٹ کے باہر ٹھہر رہ گیا۔

''اتنا سا بچہ اکیلا کہاں رہتا، جبکہ اس دنیا میں اب اس کا میرے سوا اور کوئی احساس کا رشتہ بھی باقی نہیں رہ گیا۔'' غانیہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی، اس کی خالہ جو بہت بہادر نظر آتی تھی اس شخص کے سامنے انتہائی خوفزدہ دیکھائی دی کیسے شخص مرگئی تھی ان کی، اسے دکھ ہوا، بہت دکھ ہوا۔

''اسے ہاسٹل میں ڈالو، باپ اتنا کچھ تو چھوڑ ہی گیا ہے اس کا کہ اس کے اخراجات افورڈ ہو سکیں، میری بچیاں آج چھوٹی ہیں کل جوان ہوں گی، ایک غیر لڑکے کو کیسے گھر میں گھسا کر نقب زنی کا موقع دے دوں میں، تمہاری آنکھوں پہ تو پٹی بندھی ہوئی ہے، بے وقوف عورت، کل شام تک مجھے نظر نہیں آنا چاہیے یہ گھر میں۔''

اور وہ بات دہرانے کا عادی نہیں تھا، یہ بات غانیہ تو جانتی ہی تھی عمر نے بھی جان لی، وہ اپنی خالہ کی بے بسی لاچاری سے آگاہ ہوا تو بہت سبھاؤ سے خود اس معاملہ کو سنبھال لیا تھا۔

''میری تعلیم کا بہت حرج ہو چکا ہے خالہ جانی، اپنے ایک دوست سے کہا ہوا تھا میں نے آج ہی کا ٹکٹ ملا ہے، اس نے مجھے ہاسٹل ایڈمٹ ہونے کا کہا ہے اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں وہاں چلا جاؤں۔'' غانیہ نے پہلے حیرت سے پھر جیسے لمحوں میں بات سمجھ کر آنسوؤں سے جل تھل ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا تھا۔

''میں تمہاری کامیابی کے کسی بھی راستے میں رکاوٹ ڈال کر خود کو گنہ گار نہیں کرنا چاہتی ہوں عمر، مجھے معاف کردینا کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر پائی۔'' غانیہ سسک اٹھی تھی، عمر نے بنا کچھ کہے اسے گلے لگا لیا، وہ اتنا بڑا نہیں ہوا تھا، اتنا میچو بھی نہیں کہ اپنے دکھ پورے چھپانے کے ہنر

سے آگاہ ہوتا، ماہر ہو جاتا، وہ جانتا تھا اس کی خالہ مجبور ہے، اس سے گلہ بھی نہ تھا اسے، ہاں وہ پلٹ کر وہاں جانا اور اپنی بے مائیگی کے احساس کو بڑھانا نہیں چاہتا تھا، ایک اور وجہ اپنے اور غانیہ کے دکھوں میں اضافے سے بھی خوفزدہ تھا، سو اگلے ہی دن وہ اپنا سامان اٹھائے ہاسٹل چلا گیا، یہاں تک کہ سالہا سال بیت گئے، آغاز کے کچھ سال ہاسٹل میں گزار کر وہ اپنے باپ کے اس آبائی گھر میں منتقل ہو گیا تھا، جہاں سے اس کی بہت مختصر یادیں وابستہ تھیں کہ جب بھی آتے فضہ کا زیادہ قیام ناز کے گھر ہی ہوا کرتا تھا، عامر اکلوتے تھے اور والدین انتقال کر گئے تھے، وہ اکیلے ہی کبھی کبھار عمر کے ہمراہ یہاں کا چکر لگا جاتے، آہٹ پہ وہ پھر چونک اٹھا۔

بی جان اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھ رہی تھیں، وہ گہرا سانس بھر کے سیدھا ہوا اور ہاتھ سے قلم رکھ دیا۔

''آج سردی بہت ہے، آتش دان میں لکڑیاں موجود ہیں، آگ ہی جلا لیتے بیٹے۔'' ان کی آواز بھی کپکپا رہی تھی، عمر کو عجیب سی خفت نے آن لیا، وہ اس بڑھاپے میں بھی اس کی خدمت کس جان مار کر کرتی تھیں۔

''میں جلا لیتا ہوں، آپ ادھر ہی بیٹھ جائیں۔'' وہ فی الفور اٹھ کھڑا ہوا، خشک لکڑیوں پہ چند قطرے تیل ٹپکا کر دیا سلائی سے شعلہ دکھایا تو آگ لمحوں میں سلگ اٹھی۔

''نہیں میں چائے بنا دوں تیرے لئے، پھر آرام کروں گی، ٹھنڈ بہت ہے۔'' وہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں، آتش دان پہ آگ تاپنے کو ہاتھ پھیلا دیئے۔

''چائے رہنے دیں، الیکٹرک کیٹل موجود ہے میں بنا لوں گا خود، آپ نے کھانا کھایا؟'' وہ کچھ خیال آنے پہ انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''نہیں...... سر شام کھایا تھا، اب بھوک نہیں۔''

''ٹھیک ہے آرام کریں آپ کے کمرے کا آتش دان جل رہا ہے؟''

''انگیٹھی سلگا کے رکھ آئی تھی، آتش دان نہیں بھاتا ہمیں۔''

عمر مطمئن ہو کر کھانے کی سمت متوجہ ہوا، بی جان قدم گھسیٹتی باہر جا رہی تھیں۔

☆☆☆

اس کے اندر ہمیشہ کا سا ایک غرور ایک فخر ایک مان تھا، مقابلے سے قبل ہی وہ جیسے پر، پر اعتماد تھی وہ جیتے گی، یہ بے جا مان نہ تھا، بے بے ثبات یقین نہ تھا، یہ فخر بھی خواہ مخواہ کا نہیں تھا۔

وہ اس لئے پر اعتماد تھی کہ وہ ہمیشہ جیتی آئی تھی، کیا شک کہ اس جیت کے پیچھے اس کی قابلیت اس کی ذہانت کا عمل دخل تھا، مگر وہ اسے اس سے بھی سوا تر سمجھتی تھی، اپنے قابل فخر قابل اعزاز باپ کا معتبر حوالہ۔

حالانکہ یہ بھی سچ تھا کہ مون نے کبھی بھی اس حوالے کو اس کے لئے کوئی سہولت اور آسانی نہیں بنے دیا تھا، مگر وہ خود بھی نا، ہر جگہ اس حوالے کو اپنے لئے خاص بنا لینے والی۔

اس وقت وہ تقریری مقابلے میں تقریر کرنے کو بالکل تیار تھی، اس انٹرنیشنل لیول پر ہونے والے مباحثے اور تقریری مقابلے میں یورپین ممالک سے بھی اسٹوڈنٹس نے شرکت کی تھی۔

محبت گلاب سی

حنا بشریٰ

بہت سے طلبہ تقریر کر چکے تھے کچھ باقی تھے، اب اس کی باری تھی، وہ اپنے ازلی اعتماد سمیت سیڑھیاں چڑھ کر اسٹیج پہ آئی تھی، پھر ڈائس کے سامنے رک کر اس نے ایک نگاہ مجمع پہ ڈالی، اس نگاہ میں مخالفین اور مقابلین کے لئے ایک تحقیر کے سوا کچھ نہ تھا، وہ زمین پہ ایسے پاؤں رکھتی تھی جیسے احسان کر رہی ہو، وہ آسمان کو ایسے دیکھا کرتی جیسے وہ اسے فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہو، اس نے تقریر کی، وہ جوش خطابت کے علاوہ لب و لہجے پہ عبور رکھتی تھی، وہ اپنے اسکول و کالج میں اب تک اپنی کارکردگی کی بنا پہ لاتعداد شیلڈز اور ٹرافیز جیت چکی تھی، اسے اب بھی یقین تھا وہ ہار نہیں سکتی، مقابلے میں شریک دیگر شرکاء کی طرح وہ ہرگز بے چین یا مضطرب نظر نہیں آتی تھی۔

اس کا اطمینان، اس کا اعتماد، اس کا نخوت اس کا ہمراہ تھا، ہاں البتہ اسے فیصلے کا انتظار تھا، فیصلہ سنانے کا وقت آیا اور اس کی جیت کا ریکارڈ برقرار رہا، تمغہ اسی کے سر سجا اور گردن فخر سے تکبر سے کچھ اور اونچی ہوگئی۔

وہ بہت شان سے اسٹیج کی سیڑھیاں اتری تو کئی جونیئرز اسٹوڈنٹس جو اس سے بہت امپریس نظر آتے تھے، نے اسے گھیر لیا، وہ اس سے اس مسلسل جیت کا راز پوچھ رہے تھے اور وہ لاپرواہی سے گردن تانے غیر سنجیدگی سے جواب دے رہی تھی، بے نیازی برت رہی تھی، آس پاس اس کا ہی تذکرہ تھا، ہر زبان پہ قدر کا نام تھا، جو رشک سے ذکر کرتا تھا، کسی کے انداز میں رقابت اور جلن بھی تھی، مگر وہ لاپرواہ تھی، وہ ایسی باتوں سے ہمیشہ لاپرواہ ہی رہی تھی، معاً اس گھیرے کو چیرتا کوئی جارحانہ انداز میں اس تک آیا۔

''او بھائی صبر نام کو نہیں تم میں، کوئی تمیز ہے تمہیں، آٹوگراف بھی اگر چاہیے تو اپنی باری......''

اس عجلت کے مظاہرہ پہ لڑکے لڑکیوں میں ناگواری کی لہر دوڑ گئی، قدر نے بھی ناپسندیدہ نظروں سے اس بے تحاشا سرخ و سفید نوجوان کو دیکھا جو شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو یہ جو میڈل تم نے جیتا یہ تمہارا حق تھا؟'' وہ ہذیانی انداز میں قدر سے مخاطب تھا، رواں انگلش بولتا ہوا وہ اپنے فارنر ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔

''یس......آف کورس۔'' قدر نے ازلی بے نیازی سے کندھے جھٹکے تھے، تو وہ جیسے غصے میں بالکل آؤٹ ہوا۔

''نہیں......بالکل نہیں......یہ تم نے حق مارا ہے......میرا......یا کسی بھی اور کا......اور......تم لوگوں کو تو ویسے بھی عادت ہے حق مارنے کی......یہ سولہ سنگھار چہرے سے ہٹا دو اور اپنے سو کولڈ فادر کے نام کا سائن بورڈ ماتھے سے ہٹا دو تب میں دیکھتا ہوں کوئی تمہارے منہ پہ تھوکے گا بھی نہیں۔'' وہ پھٹ پڑا تھا، قدر اشتعال سے لرزنے لگی۔

''شٹ اپ......تم ہوتے کون ہو یہ بکواس کرنے والے؟'' وہ دھاڑی۔

''یو شٹ اپ۔'' جواباً وہ اس طرح ابلا کہ اس کے منہ پہ زناٹے کا تھپڑ دے مارا تھا۔

''میں کون ہوتا ہوں یہ سب جاننا ہو تو اس ایڈریس پہ پہنچ جانا، بہت اچھی طرح اپنا انٹروڈکشن کرواؤں گا۔'' وہ جواباً حقارت سے کہتا اس کے منہ پہ ایک وزٹنگ کارڈ مار کر اس آندھی طوفان کی طرح واپس مڑ گیا، قدر ہلی نہیں تھی، وہ سنبھل بھی نہیں سکی تھی۔

(جاری ہے)

راہ خلوص میں پیدا دشواریاں نہ کر
چاہت نہیں تو ہم سے اداکاریاں نہ کر
لفظوں سے کھیلنے کی ضرورت نہیں تجھے
سادہ دلوں کے ساتھ فنکاریاں نہ کر
جن سے نہیں محبت انہیں منہ بھی مت لگا
بے وجہ ہر دکان سے خریداریاں نہ کر
تو شاخ گل ہے کوئی امربیل تو نہیں
وابستہ ہر شجر سے وفاداریاں نہ کر
اس شغل بے وجہ سے کیا فائدہ تجھے
دل مت دکھا کسی کا دل آزاریاں نہ کر

14 فروری کے دن جواب ''ویلنٹائن ڈے'' کے نام سے مشہور ہو چکا ہے، میں نے ڈھیروں پھول، گفٹ جو ہارٹ شیپ میں تھے اور ایک خوبصورت نازک سی بریسلٹ اپنی بیوی کے لئے خریدی اور گھر کی طرف چل دیا، آپ یقیناً حیران ہو رہے ہوں گے کہ، ویلنٹائن ڈے اور بیوی کے لئے گفٹ، تو مجھے کسی نے بہت محبت سے اس دن کے حوالے سے کبھی نہ بھولنے والا ایک انمول سا سبق سکھایا تھا، آپ بھی مجھ سے آج وہی سبق سیکھ لیں اور یاد کر لیں، تقریباً وہ آپ کے بھی بہت کام آئے گا۔

میں حاشر رحمٰن ملک کے نامور بزنس ٹائیکون اظفر رحمٰن کا بیٹا، دولت جس کے گھر کی باندی تھی، ایسے حالات میں جہاں لوگ دو وقت کی روٹی کے لئے ترستے ہیں، اس قدر پر تعیش زندگی گزارنا کسی نعمت سے کم نہیں تھا، مگر ان نعمتوں نے مجھے شکر گزار بندہ تو نہ بنایا بلکہ خود پسند اور ضدی انسان بنا دیا، مہنگی مہنگی گاڑیوں میں گھومنا میرا جنون تھا، آخر اپنی امارت کی نمائش تو کرنا ہوتی تھی، جیسے ہی کوئی نیا ماڈل آتا میں گھر میں طوفان مچا دیتا اور اس وقت تک یہ طوفان نہ تھمتا جب تک وہ گاڑی خرید نہ لیتا، گریجویشن اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد بغیر کسی دقت کے پنجاب یونیورسٹی کے میں با آسانی داخلہ مل گیا۔

اپنے دوستانہ مزاج کی وجہ سے چند دنوں میں ہی دوستوں کا ہجوم اکٹھا کر لیا، دلوں پر راج کرنا میرا محبوب مشغلہ تھا، اپنی زبردست پرسنیلٹی اور وجاہت کی وجہ سے یونیورسٹی کا ''راجہ اندر'' بن گیا، جس کے ارد گرد لڑکیوں کا جھمگھٹا سا ہوتا، گویا کہ میں شہد اور وہ سب شہد کی مکھیاں۔

☆☆☆

پوری کلاس پروفیسر صاحب کی لیکچر سننے میں محو تھی، کہ ایک مدھر سی آواز (Sir may i come in) نے پوری کلاس کو اپنی طرف متوجہ کیا، وہ آواز ہی صرف دلنشین نہیں تھی بلکہ اس ساحرہ کا حسن بھی بے مثال تھا، بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھیں جن پر گھنی پلکیں سایہ کیے ہوئے تھیں، ہونٹ گویا دو گلاب کی نازک پتیاں، دائیں گال پر سیاہ تل جو نظر سے بچائے رکھنے کے لئے قدرت کی طرف سے خصوصی انتظام کر دیا گیا تھا، اس کے حسن بے مثال کو دیکھ کر میں نے کیا ساری کلاس ہی دم بخود رہ گئی تھی۔

مدھم سی مسکراہٹ اس کے حسین چہرے پر پھیل گئی، اس نے کلاس میں داخل ہونے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اس کے قدموں کی چاپ سے پہلے ٹک ٹک کی آواز سنائی دی، میری نظر بے اختیار اس کے قدموں کی طرف چلی گئی، وہ ایک ٹانگ سے معذور تھی، وہ مصنوعی ٹانگ کے سہارے چل رہی تھی، اس کے دوسرے ہاتھ میں بلیک اسٹک تھی، یہ منظر دیکھ کر تو میرے دانت کے نیچے گویا پتھر آ گیا ہو، دل چند لمحے پہلے اس کے حسن بے مثال کے قصیدے پڑھ رہا تھا، اب اسے دیکھ کر سخت بے زاری سی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ایک تو اس کا قیامت خیز حسن اور دوسرا اس کی بے پناہ قابلیت وہ بی اے گولڈ میڈلسٹ تھی، مجھے اس سے حسد ہونے لگا، دل ہی دل میں سے میں نے اپنا حریف بنا لیا، گمان غالب تو یہ تھا کہ باقی تمام لڑکیوں کی طرح وہ بھی میری وجاہت کی اسیر ہو جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ بے نیازی میں وہ مجھ پہ بھی سبقت لے گئی اور میں بل کھا کر رہ گیا۔

وہ انتہائی خوش اخلاق اور ملنسار تھی، وہ کہتے ہیں نا کہ ''خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے'' مگر اس میں ذرا بھی اپنے حسن پہ فخر و غرور نہ تھا، وہ چند دنوں میں ہی اسٹوڈنٹس میں مقبول ہو گئی۔

میں مرد تھا اور مرد تو عورت کو تسخیر کرنے کے جذبے سے مجبور ہوتا ہے اور عورت کو تسخیر کرنے کے لئے اسے عورت کے قدموں میں بھی بیٹھنا پڑے تو بیٹھتا ہے، مجھے اس کی بے نیازی ہضم نہیں ہو رہی تھی، میں کیل کانٹوں سے لیس ہو کر میدان جنگ میں اتر گیا۔

وہ تنہا سنگی بینچ پر بیٹھی نوٹس بنانے میں مصروف تھی، میں خاموشی سے اس کے قریب جا کر بیٹھا تو وہ قدرے گھبرا کر سرک گئی۔

''ارے آپ تو مجھ سے یوں گھبرا رہی ہیں جیسے میرے سر پر دو سینگ اور میرے دو دانت ڈریکولا کی طرح باہر نکلے ہوں۔'' میں از راہ مذاق بولا، وہ میری بات پر بے ساختہ سی ہنس پڑی، ہنستے ہوئے وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ اگر میں خود کو اس وقت نہ سنبھالتا تو شاید اس کو تسخیر کرنے کے چکر میں خود ہی حسن کے سمندر میں ڈوب جاتا۔

میں اس کی بے نیازی ختم کرنے کے لئے کاری ضربیں لگاتا رہتا مگر میرا مقصد ابھی پوری طرح حاصل نہیں ہو رہا تھا، اس کے محتاط رویے کے پیچھے ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اسٹوڈنٹس سے میری فلرٹی ہونے کے قصے سن چکی تھی۔

''مس عندلیب! کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

''دوست.....؟'' اس کی آنکھوں میں ناگواری کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔

''کیوں میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے۔'' میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا، مگر اندر پیچ و تاب کھا کے رہ گیا۔

''دیکھیں حاشر! میں لڑکے اور لڑکی کی دوستی کے خلاف ہوں، انسان اپنے ہم جنس دوستی میں ایزی رہتا ہے اور مجھے تو آپ کی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جس کے پہلے ہی اتنے دوست ہوں جس لڑکے اور لڑکیوں کی نہ ختم ہونے والی گنتی ہو اسے مجھ سے دوستی کی اتنی کیا ضرورت پڑ رہی ہے۔''

اس نے اپنی اسٹک پکڑی اور گہری طنزیہ نظر میرے پہ ڈالی اور اٹھ کر چلی گئی۔

''سمجھتی پتہ نہیں کیا ہے خود کو جیسے کوئی مس ورلڈ ہو؟'' مجھے اپنی شکست برداشت نہیں ہو رہی تھی، مگر وہ مرد ہی کیا جو عورت کے سامنے اتنی آسانی سے شکست تسلیم کر لے، عندلیب عاصم میرے لئے چیلنج بن گئی تھی کئی دفعہ خود پہ غصہ بھی آتا کہ ایک سے ایک خوبصورت لڑکی میرے آگے پیچھے پھر رہی ہوتی ہے میں اس معذور لڑکی کے پیچھے کیوں وقت ضائع کر رہا ہوں، مگر وہ مرد ہی کیا جو چیلنج میں نہ آئے صنف مخالف کو شکست دینا مردوں کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

پیپرز سر پر تھے، عندلیب کتابی کیڑا بنی لائبریری میں زیادہ وقت گزارتی میری اس سے ملاقات برائے نام ہی ہوتی یا اتنے مختصر وقت کے لئے ہوتی کہ اس میں مجھے اپنی ''فنکاریاں'' دکھانے کا موقع ٹھیک طرح سے نہ ملتا۔

پیپرز کے لئے چیک پوائنٹ نوٹس بورڈ پہ لگا دیا گیا تھا، میری عندلیب پہ نظر پڑی کافی دنوں بعد وہ مجھے تنہا نظر آئی، میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تیز رفتاری سے بھاگ کر اس کے قریب یوں پہنچا جیسے تیز رفتار گاڑی بریک لگا کر روکی جائے تو شدید شور بلند ہوتا ہے، اتنے شور شرابے پر اس نے انتہائی غصیلی نگاہ مجھ پر ڈالی اور کچھ فاصلے پر ہو کر کھڑی ہوگئی۔

''بیس تاریخ کو ہے اکنامکس کا پیپرز۔'' میں جان بوجھ کر اونچی آواز میں بول کے نوٹ بک میں لکھ رہا تھا۔

''پچیس کو کون سا ہے؟'' میں نے اس کی نوٹ بک پر پین رکھ کے دیکھنا شروع کر دیا۔

''میرے خیال میں نوٹس بورڈ پہ زیادہ وضاحت سے نظر آ رہا ہے۔'' عندلیب چڑ کر بولی۔

''وہ اصل میں میری دور کی نظر کمزور ہے۔'' میں نے انتہائی معصوم شکل بنا کر کہا۔

''اچھا جلدی نوٹ کریں۔'' وہ قدرے کوفت بھرے انداز میں بولی۔

''ویسے بہت اچھی خوشبو آ رہی ہے، آپ نے کون سا پرفیوم لگایا ہوا ہے؟'' میں فوراً پٹری سے اترنے لگا۔

''آپ کے کسی کام کا نہیں ہے کیونکہ یہ لیڈیز ہے، فضول باتیں بند کریں اور جلدی چیک پوائنٹ نوٹ کریں۔'' اس کے حسین چہرے پر شدید ناگواری پھیلنے لگی۔

''اگر پرفیوم کا نام بتا دیتی تو اچھا ہوتا کبھی کبھار کسی فی میل فرینڈ کو گفٹ دینا ہی پڑ جاتا ہے۔'' میں شوخی سے بولا۔

''حاشر کتنی دفعہ چیک پوائنٹ نوٹ کرو گے ابھی دو دفعہ تو ہمارے ساتھ نوٹ کر کے گئے ہو۔'' عثمان اور علی کی آواز عقب سے آئی تو میں نے منہ پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش ہونے کا اشارہ کیا، عندلیب شاید یہ سب ڈرامہ سمجھ چکی تھی، اس نے نوٹ بک غصے سے کھینچی اور گھورتے ہوئے چلی گئی۔

''اوئے تم لوگوں کو اس کے سامنے بکواس کرنے کیا ضرورت تھی؟'' میں ان دونوں پر برس پڑا۔

''حاشر یہ تیرے قابو آنے والی نہیں ہے۔'' ان دونوں نے اچھا خاصا میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

''تم دیکھتے تو جاؤ اپنے بھائی کو، ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔'' میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہار نہ ماننے والے انداز میں کہا۔

اگلے دن جو واقعہ ہوا اس کی وجہ سے عندلیب عاصم کسی پکے ہوئے پھل کی مانند خود ہی میری گود میں آ گری۔

آسمان کو صبح سے ہی گہرے سیاہ بادلوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا، ابر رحمت برسنے کا واضح اشارہ مل رہا تھا، چند ہی لمحوں بعد ننھے ننھے قطرے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے آسمان سے اترے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل ہوگئی، بارش سے بچنے کے لئے سٹوڈنٹس کی کثیر تعداد کوریڈور اور سیڑھیوں میں پناہ لئے ہوئے تھی، سیڑھیوں میں بے پناہ رش تھا، عندلیب لائبریری سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگی، اپنی معذوری کی وجہ سے وہ انتہائی مشکل سے سنبھل

سنبھل کر اتر رہی تھی، رش ہونے کے باعث اس کا پاؤں سلپ ہوا، توازن قائم نہ رہنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے اس کی اسٹک بھی چھوٹ کر گر پڑی اور وہ خود بھی بری طرح سے گرنے ہی والی تھی کہ میں نے اسے بازوؤں میں تھام لیا، وہ بے حد خوفزدہ تھی، جانتی تھی کہ اگر وہ ان بلند و بالا سیڑھیوں سے گر جاتی تو شاید آج دوسری ٹانگ بھی تڑوا بیٹھتی، اس کی مشکور نگاہیں مجھ پر جمی تھیں بس پھر کیا تھا میرا تو کام بن گیا۔

وہ لڑکی جو لڑکے اور لڑکی کی دوستی کے سخت خلاف تھی میری دوست بن گئی، میں اسے بیش قیمت تحائف دیتا، وہ انہیں خوشی سے قبول کر لیتی، مجھے دیکھتی تو اس کی آنکھوں میں چمک آ جاتی اور میرے بلانے پر حیاء کی لالی چھانے لگتی میں اس کی بلاوجہ تڑپانے کے لئے دو تین لگا تار چھٹیاں کرتا جب یونیورسٹی آتا تو اس کا مضطرب چہرہ دیکھ کر میرے تسخیر کرنے کے جذبے کو سکون ملتا، میں اسے مزید تڑپانے کے لئے دوسری لڑکیوں سے باتوں میں مصروف رہتا اس کا سلگتا گلاب سا چہرہ دیکھ کر مجھے قرار آ جاتا، اس کی جھیل سی آنکھیں میری محبت میں لبالب بھری رہتیں، مگر سب سمجھتے بھی بے نیاز بنا رہتا، کیونکہ میرا مقصد تو پورا ہو گیا اپنے فین کلب میں ایک اور ممبر کا اضافہ کر کے اب مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

☆☆☆

یونیورسٹی کے دو سال مکمل ہو گئے ہمیں جونیئرز کی طرف سے الوداعی پارٹی دی جا رہی تھی، عندلیب اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ جو دیکھتا اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا تھا، مگر وہ جس کے منہ سے تعریف سننا چاہ رہی تھی وہ مٹی کا مادھو بنا ہوا تھا، میں جان بوجھ کر اسے اگنور کرتا جا رہا تھا، سوچی سمجھی سکیم کے تحت سٹوڈنٹس کے ہجوم میں گم ہو جاتا وہ اپنی اسٹک پکڑے بمشکل مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جاتی اور میں اس کی دیوانگی سے آج آخری دن بھی خوب انجوائے کرنا چاہ رہا تھا۔

''حاشر! عندلیب عاصم آج تو غضب ڈھا رہی ہے۔'' میرے کلاس فیلوز اس کی مدح سرائی میں بولے۔

''ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اس (لنگڑی حسینہ) کو لگ تو کافی کمال کی رہی تھی۔'' میری بات پر قہقہے بلند ہوئے اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر خوب انجوائے کیا گیا۔

چند لمحوں بعد مجھے اپنے انتہائی قریب سے ٹک ٹک کی آواز سنائی دی، میں جو ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا اک دم رک گیا۔

عندلیب مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی اس کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے، کرب و دکھ اس کے چہرے پر عیاں تھا، شاید نہیں بلکہ یقیناً اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں۔

وہ جا چکی تھی مگر شرمندگی اور پچھتاوے کے عجیب سے احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا میں اسے ڈھونڈنے اور معافی مانگنے کے لئے پوری یونیورسٹی میں دیوانہ وار گھوم رہا تھا، مگر وہ تو ایسی گم ہوئی کہ مجھے نہ ملی۔

اس کی تلاش میں ہر آنے والا لمحہ تیزی سے گزرنے لگا اکثر لوگوں سے اس کا فون نمبر گھر کا پتہ پوچھتا اسی میں دو سال کا طویل عرصہ گزر گیا، میں نے پاپا کا بزنس سنبھال لیا دن کی روشنی میں حاشر رحمن ملک کا نامور بزنس مین ہوتا اور رات ہوتے ہی ناکام و نامراد عاشق کا روپ دھار لیتا، مجھے عندلیب سے سچ مچ محبت ہو گئی تھی، عندلیب

عاصم نے مجھے یعنی حاشر رحمٰن کو اپنا اسیر کرلیا تھا۔

راتوں کو سجدوں میں رو رو کے خدا سے ایک دفعہ ملنے کے لئے دعائیں کرتا، اس کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو میرے دل کو بے چین رکھتے، ایک پل کے لئے قرار نہ تھا، میرا دل افسوس و پچھتاوے سے ماتم کرنے لگتا، محبت دور کھڑی میرے تڑپنے کا تماشہ دیکھتی اور قہقہہ لگاتی۔

☆☆☆

سنڈے کو میرا معمول تھا میں جاگنگ کے لئے پارک جاتا تھا، دھند کے بادل چھٹے تو سورج راجہ نے اپنا دیدار کروایا، لوگوں کی کثیر تعداد نے پارکوں کا رخ کیا، میں نے پورے پاک کا ایک چکر لگایا، پھر چند لمحوں کے لئے بیٹھتا اور پھر تازہ دم ہو کر دوسرا راؤنڈ لگاتا، میں تازہ دم ہونے کے لئے سنگی بینچ پر بیٹھ گیا اور آنکھیں موندلیں اپنی پانی کی بوتل پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ایک اسٹک میرے ہاتھ میں آ گئی، میں حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا، وہ بلیک اسٹک اسے میں کیسے بھول سکتا تھا، بے اختیار میری نظر ساتھ بیٹھی لڑکی کے چہرے پر ٹھہر گئی، جتنی حیرت میری آنکھوں میں تھی وہ لڑکی بھی حیرت سے مجھے دیکھے جا رہی تھی، کیونکہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں عندلیب عاصم تھی۔

میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا، میرے مالک نے میری دعائیں سن لیں، میری گمشدہ محبت مجھے مل گئی تھی، باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ وہ گورنمنٹ کالج میں لیکچرار لگ چکی ہے اور ہر سنڈے کو اپنے ڈرائیور کے ساتھ پارک آتی ہے، اس کی باتوں اور آنکھوں سے خفگی نمایاں تھی، وہ میرا مذاق اڑانا ابھی تک نہ بھولی تھی، وہ اپنی جگہ صحیح تھی میں نے اس کا دل توڑا تھا مجھے سزا ملنی چاہیے تھی، میرا دل چاہ رہا تھا، وہ مجھ سے لڑے غصہ نکالے مگر اس نے مجھ سے انتہائی مختصر سی رسمی گفتگو کی اور چلی گئی، اب ہر سنڈے میری اس سے ملاقات ہونے لگی، اس سے ملنے کی بہت بے قراری ہوتی کہ مجھے ساری رات نیند نہ آتی وقت سے پہلے ہی پارک پہنچ جاتا، جب تک وہ نہ آ جاتی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی رہتی۔

میں بہت کوشش کرتا تھا کہ وہ پہلے جیسی عندلیب بن جائے، مجھ سے بے تکلف ہو کر باتیں کرے، میری محبت کا محبت سے جواب دے، مگر وہ انتہائی محتاط رہتی، بھول کر بھی وہ کسی پرانے موضوع پر نہ آتی جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا مجھ پہ اس کی شخصیت کھلتی جا رہی تھی، خدا نے اسے ایک محرومی دے کر بہت سی دوسری خوبیوں سے نوازا تھا، پارک میں غریب بچے جو چیزیں بیچتے ان سے بلا ضرورت لے لیتی صرف ان کی مدد کی خاطر، وہ جواب میں ڈھیروں دعائیں دیتے، اکثر پارک میں ایک غریب عورت اپنا چھوٹا سا بچہ لے کر آتی عندلیب چھوٹے سے پیکٹ میں رقم ڈال کر پوری راز داری کے ساتھ اسے پکڑا دیتی، میرے پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا، عندلیب اس کا علاج کروا رہی تھی تاکہ بروقت علاج سے وہ ساری زندگی کی محتاجی سے بچ سکے۔

پہلے تو میں صرف اس کے حسن کا دیوانہ تھا اب تو اس کے کردار کی خوبیوں نے بھی مجھے اپنا اسیر کر ڈالا تھا۔

☆☆☆

فروری کا مہینہ بلکہ یوں کہیں ویلنٹائن ڈے کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، پارک میں جگہ جگہ سرخ گلاب کے پھول اور کلیاں اپنی بہار دکھا رہے تھے، سرخ غبارے جو ہارٹ شیپ کے تھے نوجوان لئے پھر رہے تھے، کہیں پارک کے کسی

کونے میں کوئی جوڑا دنیا و مافیا سے بیگانہ دل کی باتیں کرنے میں مشغول تھا تو کہیں کوئی اپنے روٹھے ہوئے محبوب کو منانے کے لئے گلاب کے پھول پیش کر رہا تھا، مجھے بھی کسی روٹھے کی یاد شدت سے ستانے لگی، طویل انتظار کے بعد اس کا گلاب چہرہ دکھائی دیا، باتوں ہی باتوں میں ویلنٹائن ڈے کا ذکر چھڑ گیا۔

''آپ اس دن کے حوالے سے کیا رائے رکھتی ہیں عندلیب؟'' میں پرجوش لہجے میں مخاطب ہوا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ اس دن کو منانے میں کوئی برائی ہے ہاں اگر برائی ہے تو وہ ہے سوچ کا غلط ہونا۔'' وہ بنا دیکھے میری طرف بول رہی تھی۔

ٹھنڈی ہوا اس کے حسین چہرے کو چھوتی تو اس کی شریر لٹ بار بار اس کے گلابی گالوں پر آ جاتی، جس کو وہ اس ادا سے ہٹاتی کہ میں گھائل ہو کر رہ جاتا۔

''سوچ کی غلطی...... کچھ سمجھا نہیں؟'' میں حیرت سے بولا۔

''دیکھئے اس دن کو صرف بوائے فرینڈ یا گرل فرینڈ کے ساتھ مخصوص کرنے کی سوچ قطعی غلط ہے، یہ اگر محبت کا دن ہے تو ہماری زندگی میں بہت سے ایسے رشتے ہیں جو ہماری محبت و توجہ کے حقدار ہیں، ہمارے ماں باپ، بہن بھائی بھی اس محبت کے حق دار ہیں کہ ہم جو مصروفیت میں انہیں اگنور کر دیتے ہیں، سارا سال کام کام اور بس کام میں کھوئے رہتے ہیں، ان کے ساتھ محبت کا یہ دن منائیں انہیں گفٹ دیں، ان کے لئے وقت نکالیں اور ان سے محبت کا اظہار کریں جو کام کے بوجھ تلے دن رات دب کر ماند پڑنے لگتی ہے، میرے نزدیک یہی ویلنٹائن ڈے ہے، کئی دفعہ میں بہت سخت حیران ہوتی ہوں کہ یہی جذباتی سے نوجوان لڑکے لڑکیاں جو ویلنٹائن ڈے پر اپنی جذباتی سی محبت کے اظہار کے لئے جان دینے کے درپے ہوتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ دن نہ منایا تو دربار محبت میں بڑے بے وفا کہلائیں گے، انہی میں سے کسی کپل کی شادی ہو جاتی ہے تو پھر شادی کے بعد یہی دن ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ یوں روکھے اور بے حس بنے ہوتے ہیں جیسے اظہار محبت کی ضرورت تو صرف شادی سے پہلے ہوتی ہے بھئی اب تو ہم تھک چکے ہیں اور محبت تو اظہار کے پانی سے بڑھتی پھلتی پھولتی ہے ورنہ تو وہ مرجھانے لگتی ہے کملانے لگتی ہے۔'' وہ بولتی جا رہی تھی اور میں دیوانوں کی طرح اسے دیکھتا جا رہا تھا، اس کی سوچ کا مثبت پہلو مجھے دیوانہ بنا رہا تھا، وہ میری دیوانگی سے بے نیاز اِدھر اُدھر کے مناظر میں کھوئی تھی۔

''باجی یہ پھول خرید لیں، باجی میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں میری مدد ہی کر دیں۔'' چھوٹی سی بچی عندلیب سے مخاطب تھی۔

اس نے ایک لمحے کے لئے سوچے سمجھے بغیر پھول خرید لئے، میرا دل جو اس کی عظمت کے گن گا رہا تھا، ایک دم حسد اور جلن کے زہریلے ناگ نے اس زور سے ڈسا کہ زہر میرے سارے جسم میں پھیلنے لگا، یہ میری پرانی عادت تھی مجھ سے اپنی جلن والے جذبات چھپائے نہ جاتے تھے۔

''یہ پھول کس کے لئے ہیں عندلیب؟'' میری آنکھیں سلگ رہی تھیں اور دل میں ہزاروں اندیشے تھے کہ شاید اس کی زندگی میں کوئی اور آ چکا ہے۔

محبت میں یہی خوف کیوں مسلط ہے میرے سوا بھی کسی سے اسے محبت ہے

''اپنی امی اور بہن کے لئے۔'' اس نے

مسکراتے ہوئے جواب دیا اور چلی گئی، اس کے جواب پر حسد وجلن کے زہریلے ناگ نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔

☆☆☆

حسن اتفاق سے اگلے سنڈے ویلنٹائن ڈے تھا، میں نے اپنے اور عندلیب کے درمیان ہر دیوار گرانے کا فیصلہ کرلیا میں جانتا تھا کہ وہ آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہے مگر ابھی تک ناراض ہے کیونکہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی معمولی سی بات بھی بہت محسوس ہوتی ہے، میں نے عندلیب کا دل دکھایا تھا اب اسے منانا چاہتا تھا، میں اب محبت کے سفر میں تنہا چلتے چلتے تھک چکا تھا، اس لئے رسم محبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے اپنے حصے کا بوجھ خود اٹھائیں۔

میں نے ڈھیروں گلاب، گفٹ، چاکلیٹ خریدی اور پارک پہنچ گیا، پورا پارک گلاب کے پھولوں اور ہارٹ شیپ کے غباروں سے دمک رہا تھا، میں نے بے دلی سے گراؤنڈ کے دو چکر لگائے مزید لگانے کا میرا کوئی موڈ نہیں تھا۔

''بھاڑ میں جائے فٹنس۔'' بے قراری سے ٹہلتے ہوئے ہر آن اس کا منتظر تھا، میں ایک ایک منٹ میں سو بار گھڑی دیکھتا دل مضطرب ہوتا جا رہا تھا۔

اس کے انتظار میں آنکھیں پتھر ہو گئی تھیں، دل میں اس کے آنے کی دعائیں تھیں، انتظار طویل ہوتا جا رہا تھا اسے نہ آنا تھا وہ نہ آئی میرا اضطراب بڑھنے لگا، مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اتنی دفعہ ملاقات ہوئی میں نے اس سے فون نمبر تک نہ مانگا وہ دن میرے لئے سخت اذیت کا باعث تھے، ساری ساری رات جاگتا رہتا اور سگریٹ پھونکتا رہتا ماما پاپا میرے رویے پر حیران اور ملازم پریشان تھے، میں سخت چڑچڑا ہو رہا تھا، مجھے اگلے سنڈے کا بے چینی سے انتظار تھا، اس دوران ماما پاپا نے رشتے کی بات چھیڑ دی۔

''بیٹا! طوبیٰ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' ماما نے سمجھایا۔

''مجھے نہیں کرنی شادی۔'' میں بیزاریت سے بولا۔

''مگر کیوں بیٹا!'' پاپا بھی حیران ہوئے۔

''بس میں آپ کو کچھ نہیں سمجھا سکتا۔'' میں اکتاہٹ سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

''کسی کو میرا خیال نہیں ہے، مرنے دیں مجھے تنہا۔'' میرا دل بے قرار سا ہو گیا سب ہی میرے سخت ردعمل پر حیران تھے۔

اگلے سنڈے میں پارک جا پہنچا دل ہی دل میں ڈھیروں دعائیں کرتا ہوا بے دلی سے پارک کے چکر لگائے، پتھرائی ہوئی آنکھیں مین گیٹ کی طرف لگی تھیں، غم محبت نے مجھے دیوانہ مجنوں بنا دیا تھا، اضطراب سوا نیزے پہ پہنچ رہا تھا کہ میری دعائیں قبول ہوئیں اور روٹھے ہوئے محبوب کا چہرہ دکھائی دیا۔

میں دیوانوں کی طرح اس کی جانب لپکا راستے میں چند خواتین سے ٹکرا گیا۔

''اندھے ہو نظر نہیں آتا۔'' وہ مجھ پر برس پڑیں۔

کیا بتاتا اندھا تو نہیں ہوں مگر محبت نے اندھا بنا دیا ہے، میں نے معافی تلافی کر کے جان چھڑائی، عندلیب میری حالت پر بے تحاشہ ہنس رہی تھی، عورتوں کے ہاتھوں میری دھلائی دیکھ چکی تھی وہ میری دیوانگی پر مزہ لے رہی تھی۔

''اتنے دنوں سے غائب ہو، خیریت تھی گھر میں، میرے پاس تمہارا فون نمبر بھی نہیں تھا کہ خیریت معلوم کر لیتا۔'' پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ میں نے کئی سوالات ایک ساتھ پوچھ

ڈالے۔

وہ میرے سوالات پر ابھی بھی مسکرا رہی تھی، جواب دینے کی بجائے وہ بینچ پر بیٹھ گئی، میں نے محسوس کیا کہ وہ پہلے سے زیادہ خوش اور فریش معلوم ہو رہی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں کہ تم اتنے دن کہاں تھیں؟'' میں نے اس سے استفسار کیا اور میری نظر بے اختیار اس کی گلابی گلابی ہتھیلیوں پر ٹھہر گئی جن پر مہندی سجی تھی، میرا دل ڈوب گیا، شک کے زہریلے بچھو نے مجھے زور کا ڈنک مارا کہ میں تڑپ کر رہ گیا، میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے جھنجھوڑ ڈالوں کہ میں پچھتاوے کی آگ میں جل رہا ہوں تم سے معافی مانگنے کے لئے بے چین ہوں اور تم شادی کر کے بیٹھ گئی ہو، پہلے تو دل چاہا کہ بہانے سے اٹھ کر چلا جاؤں، مگر ضبط کر کے بیٹھا رہا۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟'' میں قدرے زہریلے انداز میں بولا اور ایک زہریلی نگاہ اس کے مہندی والے ہاتھوں پر ڈالی۔

''ڈرائیور چھوڑ کر گیا ہے۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ کہہ دوں تمہارے شوہر کا ڈرائیور ہوگا، میں نے دل میں سوچا۔

''عندلیب اتنے دنوں کیوں نہیں آئی؟''

تجسس کے مارے ایک سوال بار بار پوچھ رہا تھا۔

''حاشر میری چھوٹی بہن کی شادی تھی۔''

اس نے جواب دیا، اس کا جواب سن کر میری روح میں سکون اتر گیا۔

''مگر عندلیب تم بڑی ہو تو پھر چھوٹی بہن کی پہلے شادی۔'' میں نے ہلکے پھلکے انداز میں سوال کیا کیونکہ اب مجھے اطمینان ہو چکا تھا، میرے سوال پر عندلیب کے چہرے پر سنجیدگی اور دکھ نمایاں ہونے لگے تھے، اس نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی، آج بہت عرصے کے بعد اس نے میری طرف نگاہ ڈالی تھی اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

''مجھ لنگڑی حسینہ سے کون شادی کرتا؟''

اس نے دکھ بھرے انداز میں کہتے ہوئے میرے الفاظ دہرا دیئے۔

میں شرمندگی کے عمیق سمندر میں ڈوبنے لگا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ آنسو صاف کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، تو بری طرح سے لڑکھڑا گئی، میں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دینا چاہا مگر اس نے غصے سے میرا ہاتھ جھٹکا اور آبدیدہ سی چلی گئی۔

واقعی میں نے اس کا دل بہت بری طرح سے دکھایا تھا، صرف انا کی تسکین کی خاطر اس کی عزت نفس کو مجروح کر ڈالا تھا، اس کا دل میں نے توڑا تھا اب میرا ہی فرض تھا کہ اس کے کرب کا ازالہ کروں۔

☆☆☆

ماما پاپا کو میرے فیصلے کا علم ہوا کہ میں ایک معذور لڑکی کو اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں تو انہوں نے مجھے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کا مشورہ دیا۔

''حاشر بیٹا سوچ لو ایک بار پھر سے کہیں زندگی کے کسی موڑ پر پچھتاوا نہ ہو، مرد تو مکمل بیوی میں سو عیب نکال لیتا ہے وہ تو پھر معذور ہے۔'' ماما بولیں، اب میں انہیں کیا بتاتا کہ پہلی ہی غلطی کی وجہ سے پچھتاوے کی آگ میں جھلس رہا ہوں، اب اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکال دیا تو پھر شاید وقت دوبارہ میرے اوپر رحم نہ کھائے کہ روٹھے ہوئے محبوب کو منا سکوں۔

''میں شادی کروں گا تو عندلیب سے ورنہ ساری عمر ایسے ہی تنہا زندگی گزار دوں گا۔'' میں نے انہیں اپنا آخری فیصلہ سنایا۔

میں ماما پاپا کو لے کر ایکدم اس کے گھر پہنچ گیا مجھے دیکھ کر وہ چند لمحوں کے لئے گنگ رہ گئی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سب بڑے اپنی باتوں میں مصروف تھے میں بھی چپکے سے اس کے پیچھے لپکا وہ مجھے دیکھ کر گھبرا سی گئی۔

''عندلیب مجھے معاف کر دو، میں تمہارا مجرم ہوں، تمہارا دل دکھا کر ایک پل بھی سکون سے نہیں گزارا۔'' میں نے کھل کے اس کے سامنے اظہار کر دیا۔

''سوچ لیں حاشر! زندگی کا سفر اتنا آسان نہیں ہے، میں معذور آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل پاؤں گی۔'' اس کی جھیل جیسی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''تو ٹھیک ہے عندلیب اگر تم تیز نہیں چل سکتی تو میں اپنی رفتار آہستہ کر لوں گا۔'' میں نے محبت بھرے انداز میں کہتے ہوئے اس کے مومی ہاتھ تھام لئے، اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی گلاب چہرہ کھل اٹھا تھا، دو ہفتے بعد ہی وہ دلہن بن کر میرے گھر آ گئی اور اب تو شادی کو بھی چھ سال ہو گئے ہیں۔

اب میں یہ دن ہر سال اپنی بیوی عندلیب عاصم کے ساتھ بہت محبت سے مناتا ہوں۔

اگر آپ کا بھی کوئی پیارا روٹھا ہوا ہے یا جس کو آپ اپنی مصروفیت میں اگنور کر جاتے ہیں جس کی منتظر نگاہیں آپ کے لئے ہوتی ہیں، تو پھر کر لیں پھر سے تجدید وفا سنہری موقع ہے۔

اور ہاں یہ گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کے چکر سے نکلیں کیونکہ محبت کا دن سبھی کے لئے ہوتا ہے۔

آپ کے پاس قیمتی موقع ہے کہ ویلنٹائن ڈے بھی قریب ہے، ابھی پہلے ہی سے تیاری کر لیں کہ کس کے سامنے کس کس طرح سے اظہار محبت کرنا ہے، اپنے تیروں اور نشتر الفاظ سے جن کا دل دکھاتے ہیں انہیں منا لیں، ایک طریقہ تو میں نے سکھا دیا ہے، آگے آپ خود سمجھدار ہیں کیونکہ دکانیں گلاب کے پھولوں ہارٹ شیپ کے گفٹس اور چاکلیٹ سے سجنے والی ہیں۔

محبت تو گلاب کی مانند ہے جس کی خوشبو دل و نظر کو معطر کر دیتی ہے، میں جب بھی عندلیب کے گلاب چہرے کو دیکھتا ہوں تو میرا دل گنگنا اٹھتا ہے۔

محبت اک حسین خواب سی ہے\
مگر\
تیرے حسیں چہرے کو دیکھا\
تو دل بے اختیار کہہ اٹھا\
محبت\
ہاں محبت گلاب سی ہے۔

☆☆☆

ذرا موسم بدلنے دو

بشریٰ سیال

مکمل ناول

اسے نا جانے کتنی دیر ہو گئی تھی وہاں کھڑے ہوئے، ٹانگیں شل ہو گئی تھیں، دماغ بھی ماؤف تھا، وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر بے حد حیران تھی، دل تھا کہ کسی طور سنبھلتا ہی نہ تھا۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی، رات بہت گہری اور سیاہ تھی، اچانک اس کے پیچھے کھٹکا ہوا تھا، مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی نہ ہی مڑ کر دیکھنے کی اس خواہش پیدا ہوئی۔

''زرنش!'' کسی نے اسے پکارا تھا، آواز تو جانی پہچانی تھی، کارپٹ پر کسی کے دبے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''کیسی ہو؟'' وہ اس کے قریب آرکا تھا، وہ ساکت کھڑی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے خفا ہو اور......''

اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔

''خبردار!'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔

''میرے قریب مت آنا۔'' وہ دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی، اس کا لہجہ ارشان کو موسم سے بھی زیادہ سرد محسوس ہوا تھا۔

''تمہاری خفگی بجا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے معاف کر دو مگر......'' اس نے ایک طویل سانس فضا کے سپرد کی۔

''مجھ سے بات تو کرو نا، چاہے غصے سے ہی سہی۔'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا وہ نادم تھا، مگر اس سب کا اب کیا فائدہ، زرنش نے سر کو جھٹکا۔

''میں تمہیں......''

''آپ جائیں یہاں سے۔'' اس نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔

''میں بہت بے سکون ہوں، بہت تکلیف

میں ہوں، پلیز میری بات سن لو، مجھے یوں مت دھتکارو۔'' وہ سارے جہان کا درد لہجے میں سمو کر بولا۔

''جو دوسروں کا سکون لوٹتے ہیں خود بھی چین سے نہیں رہ سکتے، میرے پاس آپ کے کسی درد کا علاج نہیں ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بیگانگی سے بولی۔

''میں جانتا ہوں تم اتنی سنگدل نہیں۔'' وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور بیڈ روم سے باہر نکل گئی۔

''ماما...... ماما!'' وہ انہیں آوازیں دینے لگی۔

''کیا بات ہے زرنش بیٹا!'' وہ عجلت میں اپنے کمرے سے باہر نکلیں، سامنے ارشان کو دیکھ کر وہ ساری بات سمجھ گئیں۔

''ان سے کہہ دیں دوبارہ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں، ورنہ میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔'' وہ لب بھینچے کھڑی تھی۔

''ارشان!'' وہ دو قدم آگے آئیں۔

''او کے! میں جا رہا ہوں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روکا۔

''مگر شاید یہ بھول چکی ہے کہ ہمارے درمیان ایک تیسرا وجود بھی آ چکا ہے، یہ چاہے مجھ سے بات نہ کرے مگر میں اپنے بچے سے ہرگز دستبردار نہیں ہو سکتا۔'' اس نے فوراً جتا دیا۔

''وہ صرف میرا بچہ ہے، آپ جیسے دھوکے باز شخص کا میں اس پر سایہ بھی پڑنے نہیں دوں گی۔'' اس کے لبوں پر زہر خند ابھرا۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈال کر وہ باہر نکل گیا، زرنش بھی تیزی سے اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھی، ماما نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

اپنے بیڈ پر بیٹھی وہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی، دل تھا کہ کسی طور پر سنبھل نہ رہا تھا، لمحوں میں سب کچھ بکھر گیا تھا، وقت کا پہیہ پیچھے کی طرف گھوما تھا، وہ ماضی کی یادوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

آئی مہندی کی یہ رات
ہے لائی سپنوں کی بارات
سجنیا ساجن کے ہے ساتھ
رہے ہاتھوں میں ایسے ہاتھ
گوری کرت سنگھار
گوری کرت سنگھار

ڈھولک کی تھاپ پر ساری کزنز اور اس کی سہیلیاں گا رہی تھیں، وہ پیلی قمیض کے ساتھ سبز شرارہ پہنے، پھولوں کا زیور لگائے، بے حد حسین لگ رہی تھی، نظریں تھیں کہ اس پر ٹھہر نہ رہی تھیں۔

''ماشاء اللہ! چشم بدور۔'' پھپھو نے اس کا چہرہ ہتھیلیوں میں لے کر محبت سے دیکھا۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔''

جواباً وہ مسکرا دی۔

''چلو بھئی لڑکیو! یہاں سے سمیٹو سب کچھ اور لان میں چلو، زرنش کو بھی اسٹیج پر لے کر جاؤ۔'' ماما تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوئیں اور لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ارشان بھائی بھی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔'' سارا نے اس کے کان میں سرگوشی کی، نادانستگی میں اس کی نظر اٹھ گئی، وہ واقعی بہت اچھا لگ رہا تھا، وہ دوستوں کے بیچ راجہ اندر بنا بیٹھا تھا، اچانک نظریں اٹھیں اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر دلکشی سے مسکرایا، اس نے سٹپٹا کر نظریں پھیر لیں۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' اس کے ساتھ بیٹھی ہی تھی کہ اس نے جھک کر کان میں سرگوشی کی۔

''میں کیسا لگ رہا ہوں؟'' سوال آیا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ارشان بھائی یہ چیٹنگ ہے، ابھی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے آپ کو۔'' سارا قریب آئی اور شریر لہجے میں بولی۔

''اجازت ہم پرسوں حاصل کر چکے ہیں، سو اب ان سے بات کرنے سے ہمیں کوئی منع نہیں کر سکتا۔'' وہ دوبدو بولا، پرسوں ان کا نکاح ہوا تھا۔

''ابھی یہ اپنے پیرنٹس کے گھر ہے، ابھی تو اجازت نہیں ہے بات کرنے کی۔'' سارا ڈھٹائی سے بولی۔

''آپ کیوں ظالم سماج کا رول پلے کر رہی ہیں، خبردار اگر میرے اور زرنش کے درمیان آنے کی کوشش کی، کیونکہ ہم دونوں کے درمیان جو بھی آیا وہ جان سے جائے گا۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولا، سارا ہنستی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

رات گئے مہندی کی رسم ختم ہوئی، وہ تھکن سے چور ہو کر اپنے بیڈ روم میں آئی تھی۔

''ہیلو!'' ابھی وہ پھولوں کا زیور اتار ہی رہی تھی کہ اچانک ارشان اس کے سامنے آیا۔

''آپ!'' وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی، آنکھیں پھیل گئیں۔

''کیوں خوشی نہیں ہوئی مجھے دیکھ کر؟'' وہ لطف لیتے ہوئے بولا۔

''آپ کیوں آئے اس وقت؟'' بے اختیار اس کی نظریں وال کلاک کی جانب اٹھیں۔

''دراصل تم مجھے چوری چوری دیکھ رہی تھی، میں نے سوچا اس طرح اچھے سے دیکھ لو، سو میں چلا آیا۔'' وہ سکون سے کہتے ہوئے اس کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''نن...... نہیں ارشان، آپ جائیں پلیز۔'' وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔

''گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے، اگر کوئی میرے روم میں آ گیا اور......'' اس کی پریشانی حد سے سوا تھی۔

''سو واٹ؟'' اس کے سکون میں ذرا فرق نہ آیا۔

''تم میری بیوی ہو یار۔''

''منکوحہ ہوں صرف۔'' وہ فوراً بولی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

''پلیز چلے جائیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''او کے! ریلیکس۔'' وہ باہر کی جانب بڑھا، زرنش نے سکون کا سانس لیا۔

''ویسے۔'' وہ جاتے جاتے مڑا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' وہ اپنے آپ میں سمٹ گئی، اس کے جانے کے بعد اس نے شکر ادا کیا، پھپھو کا گھر پچھلی طرف والی گلی میں تھا، اس لئے آنا جانا کچھ مشکل نہ تھا، ارشان بھی منٹوں میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

شادی کی تھکاوٹ اتری تو دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہ تو گھبرا ہی گئی۔

''ارشان!'' وہ ریموٹ کنٹرول تھامے چینل سرچنگ میں مصروف تھا جب زرنش اس کے پاس آئی۔

''میرا موڈ نہیں ہو رہا مزید کسی دعوت میں جانے کا۔'' وہ الجھی الجھی سی بولی۔

''او کے ڈونٹ وری، ہم کینسل کر دیتے ہیں باقی دعوتیں۔'' اس نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

''سچ۔'' وہ کھل اٹھی۔

''یس آف کورس، جو چیز تمہیں پریشان کر رہی ہے، کوئی مجبوری نہیں اسے کرنے کی، میں باقی سب سے ایکسکیوز کر لوں گا، آفس میں مصروفیت کا بہانہ بنا دوں گا۔'' اس نے آسان حل پیش کیا۔

''آپ کتنے اچھے ہیں۔'' بے اختیاری میں بولی۔

''ہاں وہ تو میں ہوں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''تمہیں پتا ہے ہماری فیملی میں بھی اور میرے فرینڈز بھی، سب لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میری لومیرج ہے۔'' اس کی بات پر وہ ہنس دی۔

''اچھا تو کیا آپ کی لومیرج نہیں ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''میں تو خود یہی سمجھتی تھی کہ ہماری آئی مین آپ کی لومیرج ہے۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''کبھی غور ہی نہیں کیا یار! جب امی نے تم سے رشتہ جوڑنے کے حوالے سے بات کی تب میں نے تم پر غور کیا اور......'' قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''اور؟'' وہ بے صبری سے بولی۔

''تم تو بہت اچھی لگی مجھے اور بڑا پچھتایا کہ تم سے افیئر کیوں نہیں چلایا۔'' وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا۔

''کیا، کیا، کیا؟'' وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

''کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ مجھ سے افیئر چلائے۔''

''میں چلا سکتا تھا، مگر افسوس خیال ہی نہیں آیا۔'' اسے چڑانے میں اسے لطف آ رہا تھا۔

''اتنا شوق ہے تو اب چلا لیں۔'' وہ جل بھن کر بولی۔

''تم سے؟'' خاصا دلچسپ سوال تھا۔

''جس سے مرضی چلائیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''دیکھ تو خود اجازت دے رہی ہو، بعد میں گلہ نہ کرنا۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے پاس بیٹھا تھا۔

''ارشان بس کریں۔'' وہ ٹوک گئی۔

''اگر کبھی کوئی آپ کے اور میرے درمیان آئی تو میں اسے زندہ نہیں رہنے دوں گی۔'' وہ بول گئی۔

''کم آن زری! میں تو مذاق کر رہا تھا، ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو یار۔'' اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے کر سہلانے لگا۔

''میں پہلی ہوں، دوسری یا تیسری، اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، مگر آخری ہوں یہ ذہن میں رکھیے گا۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''ہاہاہا۔'' اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''تم میرے لئے اتنی پوزیسو ہو مجھے معلوم نہ تھا۔'' وہ بیڈ روم سے باہر نکل گئی، جبکہ وہ بہت دیر اس کی باتوں کو انجوائے کرتا رہا تھا۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا اور ارشان گھر پر تھا۔

''ارشان اٹھ جائیں۔'' وہ تیسری مرتبہ اسے جگانے آئی تھی۔

''کیا ہے یار! سونے دو۔'' اس نے کسلمندی سے کہا۔

''سنڈے ہے آج۔''

''مجھے ماما کی طرف جانا ہے، آپ اٹھ کر ناشتہ کریں۔'' اس نے کمبل کھینچا۔

''واٹ؟'' اس نے جھٹ آنکھیں کھولیں۔

''خبردار سنڈے کو قدم بھی باہر نکالا تو۔''

اس نے مصنوعی غصہ خود پر طاری کیا۔

''ماما نے بلایا ہے، مجھے جانا ہے۔'' وہ سکون سے بولی۔

''آج شوہر گھر ہے، کچھ خیال کرو۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔

''جب سے شادی ہوئی ہے میں رہنے ہی نہیں گئی، اب جانے دیں۔'' اس نے کہا۔

''آج تمہارے ہاتھ کا ناشتہ کرنے کا موڈ تھا میرا۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

''تو میں بنا دیتی ہوں، آپ فریش ہو جائیں۔'' وہ باہر نکلنے لگی۔

''ایک شرط پر جانے کی اجازت ملے گی۔'' اس کی بات سن کر وہ رک گئی۔

''کل واپس آ جاؤ گی۔'' وہ مصالحت آمیز انداز میں بولا۔

''تو پھر میں جاتی ہی نہیں۔'' وہ خفگی سے بھرپور نظر اس پر ڈال کر کچن میں آ گئی، اس نے خاصے اہتمام کے ساتھ ناشتہ بنایا۔

''بن گیا ناشتہ؟'' وہ فریش ہو کر کچن میں آ گیا، زرنش نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کچھ لوگ روٹھ کر بھی، لگتے ہیں کتنے پیارے۔'' شیلف کو ٹیک لگائے اس کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لے کر شریر لہجے میں گنگنانے لگا۔

''مجھے تو پتا ہی نہ تھا کہ تم خفا ہو کر اتنی پیاری لگتی ہو، اندازہ ہوتا تو ہر روز تمہیں ناراض کرتا۔'' اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

''زرنش! یار بس بھی کرو نا، ایک دن رہنے کی اجازت دے تو رہا ہوں۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھاما، اس نے آہستگی سے ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا۔

''آپ بیٹھیں جا کر، میں ناشتہ لگاتی ہوں۔'' وہ چائے کپوں میں انڈیلتے ہوئی بولی، اچانک اس کا سر چکرایا، ساس پین چھلکا اور چائے اس کے ہاتھ پر گر گئی۔

''آ......ہ۔'' اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

''زرنش!'' وہ تیر کی سی تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''کیا ہوا؟''

''ہاتھ جل گیا۔'' وہ درد کی شدت سے بلبلا اٹھی۔

''حد کرتی ہو، دھیان سے کام نہیں کر سکتی۔'' اس نے زرنش کا ہاتھ پکڑ کر سنک کے نیچے کیا اور ٹونٹی کھول دی۔

''ٹھہرو میں آتا ہوں۔'' وہ واپس مڑا، ایک منٹ میں ہی اس کی واپسی ہوئی۔

''ہاتھ ادھر لاؤ۔'' ارشان نے اس کے ہاتھ پر برنال لگایا۔

''کوئی ضرورت نہیں کچن میں دوبارہ گھسنے کی۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' پھپھو سامنے سے آتی دکھائی دیں۔

''محترمہ نے ہاتھ جلا لیا۔'' اس نے زرنش کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے کر دیا۔

''اوہو، کچن میں گئی کیوں تھی؟'' وہ تشویش سے بولیں۔

''میرے لئے ناشتہ بنانے۔'' وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

''بیٹا کیا ضرورت تھی ابھی سے۔'' انہوں نے اس کے گال پر پیار کیا، ان دونوں ماں بیٹا کو یوں پریشان دیکھ کر وہ دل ہی دل میں ان کی محبت کی قائل ہو گئی۔

☆☆☆

''سسرال میں اتنی محبت ملی ہے ہماری بیٹی کو

"کہ ہمیں بھول گئی ہے۔" وہ ماما اور بابا کے ساتھ بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھی، جب اچانک ماما نے کہا۔

"اب بہت سارے دن رہوں گی۔" وہ بولی۔

"اللہ سدا خوش رکھے۔" پاپا بولے۔

"ارے......" اچانک ماما کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔

"یہ...... یہ کیا ہوا؟" وہ گھبرا گئیں۔

"یہ......" اس کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی۔

"کچھ نہیں ماما، بس صبح ناشتے میں کپ چھلکا تو چائے ہاتھ پر گر گئی۔" اس نے بات بنائی۔

"بیٹا دھیان سے کام کرتے ہیں، خیال رکھا کرو اپنا۔" پاپا فوراً بولے۔

"بس تھوڑا سا جلا تھا، اتنی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" اس نے تسلی دی۔

اس کے موبائل پر کال آ رہی تھی، اس نے اٹھا کر دیکھا، ارشان کا فون تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل کان کو لگایا۔

"ہاتھ کیسا ہے؟ درد تو نہیں ہے؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"فائن۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"لینے آ جاؤں؟" استفہامیہ لہجے میں بولا۔

"نہیں۔" اس نے جھٹ سے کہا۔

"میں خفا ہو رہا ہوں۔" اس نے دھمکی دی۔

"ہو جائیں۔" اس نے محتاط نظروں سے ماما اور بابا کی طرف دیکھا جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔" اس نے دوبارہ کہا۔

"میں بھی سیریس ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی، ارشان نے کال کاٹ دی۔

"ارشان تھا؟" ماما نے پوچھا۔

"جی!" اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

☆☆☆

دو تین چار، پورا ہفتہ گزر گیا، ارشان نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی، شروع میں تو وہ خوش رہی مگر اب تو اسے ٹینشن ہونے لگی۔

"یہ ارشان کدھر ہے، تمہیں ادھر چھوڑ کر بھول ہی گیا۔" آج تو ماما نے بھی کہہ دیا۔

"وہ تو مجھے ایک دن بھی رہنے کی اجازت نہ دے رہے تھے، مگر میں ضد کر کے آئی ہوں۔" اس نے ماما کو بتایا۔

"بیٹا شوہر کا حکم ماننا عورت پر فرض ہوتا ہے، آئندہ ایسے مت آنا، وہ راضی خوشی رہنے کی اجازت دے تو ٹھیک ہے، ورنہ کون سا تمہارا گھر دوسرے شہر میں ہے، صبح ملنے آ گئی اور شام تک واپس چلی گئی۔" انہوں نے پیار سے سمجھایا، اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، ماما نماز پڑھنے کے لئے اٹھ گئیں اس نے ارشان کا نمبر ملایا، کئی بار کالز کیں مگر ارشان نے ریسو نہیں کی۔

"آفس میں بزی ہوں گے۔" اس نے موبائل رکھ دیا اور ریموٹ اٹھا لیا، کچھ دیر چینل سرچنگ کے بعد اس نے ریموٹ رکھ دیا اور موبائل اٹھا کر دوبارہ کال کرنے لگی۔

"ارشان کال کیوں نہیں ریسو کر رہے۔" اب اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"فری ہو کر مجھ سے بات کریں۔" اس نے میسج لکھ کر ارشان کو سینڈ کیا، اب وہ تھوڑی دیر بعد موبائل اٹھا کر دیکھتی اور مایوس ہو کر واپس رکھ

دیتی۔

"زرنش! لان میں آ جاؤ، چائے پیتے ہیں۔" ماما نماز پڑھ کر آ گئی تھیں۔

"جی!" اس نے موبائل اٹھایا۔

"آہ۔"

"زرنش!" ماما تیزی سے واپس مڑیں، وہ سر تھامے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا!" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا۔

"پتا نہیں، بہت زور سے چکر آیا ہے۔" اس نے صوفے کو ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔

"تم اپنی صحت کا بالکل خیال نہیں رکھتی، رنگ دیکھو کیسے زرد ہو رہا ہے۔" وہ فکرمندی سے بولیں۔

"میں تمہارے لئے جوس لاتی ہوں۔" وہ کچن میں چلی گئیں، زرنش کو عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہوئی۔

"ارشان میری کال کیوں نہیں ریسو کر رہے؟ کیا وہ واقعی مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟" اس نے موبائل اٹھا کر دوبارہ کال کی، مگر ریسو نہ ہوئی۔

"مجھے ارشان کی اجازت کے بغیر اتنے دن یہاں رہنا چاہیے تھا۔" اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا، امی جوس لے آئیں، اس نے موبائل رکھ دیا، مگر دھیان مسلسل اسی کی طرف تھا۔

☆☆☆

"تو بالآخر ایک ہفتے بعد میری یاد آ ہی گئی۔" وہ فائل سامنے رکھے اسے دیکھنے میں مصروف تھا کہ اچانک سیل پر کال آنے لگی، اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر زرنش کا نام جگمگا رہا تھا، اس نے موبائل دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تم نے مجھے بہت تڑپایا ہے زرنش، میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" فون کی ایک تواتر سے بجتی بیل کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ کام میں مصروف رہا مگر اس کے خیال سے نظریں چرانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

کچھ ہی دیر میں اس کا میسج آ گیا۔

"اتنی آسانی سے بات نہیں کروں گا تم سے۔" اس نے چشم تصور میں اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"مے آئی کم ان سر!" وہ اپنے خیالوں میں گم بیٹھا تھا جب آواز سن کر چونکا۔

"یس۔" اس نے دروازے کی سمت دیکھا جہاں سونیا کھڑی تھی، وہ اندر آ گئی اور اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور فائل میز پر رکھ دی۔

"سر اس فائل پر آپ کے سگنیچر چاہیے۔" ارشان نے فائل اٹھالی اور دیکھنے لگا۔

"سر حنان گروپ آف انڈسٹریز کے ساتھ اگر ہم پراجیکٹ سائن کر لیتے ہیں تو یہ ہمیں فیوچر میں بھی فائدہ دے گا، میں سوچ رہی تھی آپ سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔" ارشان نے فائل پر سائن کیے اور اس کے سامنے ٹیبل پر کھسکا دی، کال پھر آنے لگی۔

"ویل اس پر ابھی ہم سوچیں گے فی الحال تو جو پراجیکٹ آپ کو میں نے ہینڈ اوور کیا ہے اس پر پیپر ورک کمپلیٹ کر کے مجھے چیک کروائیں۔" سونیا کو آفس میں آئے زیادہ ٹائم نہیں ہوا تھا، وہ پینتیس کے لگ بھگ ایک میچور اور سمجھدار خاتون تھی، اس کے ساتھ ساتھ وہ ذہین بھی تھی، ارشان اس کی بہت عزت کرتا تھا اور اس پر اعتماد بھی تھا اسے۔

"جی سر، شیور، ویری سون۔" وہ چلی گئی، کال پھر آنے لگی، اس نے موبائل آف کر دیا،

اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا اور گھر کے لیے نکل پڑا۔

☆☆☆

''ارشان بیٹا! بہت دن رہ لیا زرنش نے میکے اب اسے لے آؤ۔'' رات کے کھانے پر امی نے کہا تو اس کے ہاتھ ایک دم رک گئے، اس نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''کچھ دن بعد لے آؤں گا۔'' اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ کو لگا لیا۔

''بس بہت دن رہ لیا، تمہیں خود جانا چاہیے تھا ادھر، میرے کہنے کی ضرورت تو نہ تھی۔'' انہوں نے تنبیہی انداز میں کہا۔

''او کے لے آؤں گا، ابھی تو بہت تھک گیا ہوں، ریسٹ کرنا چاہتا ہوں۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں وہ اپنے بیڈروم میں آ گیا، چینج کر کے سونے کے لیے لیٹا تو پتا چلا کہ نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''ارشان!'' امی دروازہ ناک کر کے اندر آ گئیں۔

''جاگ رہے ہو؟'' وہ ان کی آواز سن کر اٹھ بیٹھا۔

''جی امی؟'' اس نے ٹائم دیکھا۔

''زرنش کی کال ہے، تمہارا نمبر کیوں بند ہے؟'' انہوں نے موبائل اسے تھمایا۔

''امی بیٹری ختم ہو گئی، آف ہو گیا تھا آفس میں، چارج کرنا یاد نہیں رہا۔'' اس نے موبائل فون ان کے ہاتھ سے پکڑا۔

''خیال رکھا کرو بیٹا، وہ بیچاری اتنی پریشان ہے۔'' وہ باہر نکل گئیں۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، بہتر ہوگا کہ تم خود ہی کال بند کر دو۔'' اس نے سیل فون کان سے لگا کر محتاط نظروں سے دروازے کی سمت دیکھا اور آہستہ آواز میں کہا۔

''ارشان میرا قصور کیا ہے؟'' وہ روہانسی ہوئی۔

''تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، ساری غلطی میری ہے۔'' وہ تلخ ہوا۔

''آپ کل مجھے لینے آ جائیں۔'' وہ ارشان کے رویے پر بہت اپ سیٹ ہو گئی تھی۔

''کیوں، کیا ہوا، ساری لڑکیاں شادی کے بعد میکے جا کر رہتی ہیں، تم بھی رہو۔'' اس نے طنز کا نشتر چھوڑا۔

''غلطی ہو گئی، آئندہ آپ کی اجازت کے بغیر یہاں نہیں آؤں گی۔'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی وہ صاف محسوس کر سکتا تھا۔

''اب میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گا، تمہارا جو جی میں آئے کرو۔'' اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی، فوراً دوبارہ کال آنے لگی۔

''ارشان پلیز میری بات سن لیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''جلدی کہو، مجھے سونا ہے۔'' درحقیقت وہ اس کے رونے سے ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

''مجھے تکلیف دے کر رلا کر اور بے چین کر کے آپ سو سکتے ہیں؟'' اس کے رونے میں روانی آ گئی، ارشان نے لب بھینچ لیے۔

''آپ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں نا، اور جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے لیے دل میں بہت جگہ ہوتی ہے، کیا آپ میری اس پہلی غلطی کو معاف نہیں کر سکتے۔'' وہ سسکیاں لے رہی تھی، ارشان کا جی چاہا ابھی اسی وقت اس کے پاس پہنچ جائے۔

''زرنش! سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔'' اس نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں، یہ سوچ کر مجھے نیند نہیں آئے گی۔''

''میں تو تم سے ایک ہفتے سے ناراض ہوں، پھر آج ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''مجھے اندازہ نہیں تھا، میں یہی سمجھتی رہی آپ مذاق کرتے ہیں، مجھے اگر پہلے پتا ہوتا تو فوراً واپس آ جاتی۔'' اس کے مسلسل رونے سے ارشان کا دل پسیج گیا تھا۔

''صبح مجھے آفس جانا ہے، خدا حافظ۔'' اس نے کال بند کر دی اور سیل فون امی کو واپس کر دیا، تمام رات بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا، صبح ناشتہ کیے بغیر آفس چلا گیا۔

''ارشان ناشتہ تو کر لو۔'' امی اس کے پیچھے پورچ تک آئیں۔

''امی بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے، آل ریڈی لیٹ ہو گیا ہوں۔'' وہ عجلت میں کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''آپ فکر مت کریں، میں آفس میں کر لوں گا بریک فاسٹ۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

☆☆☆

''زرنش بیٹا! اٹھ جاؤ ناشتہ کر لو۔'' ماما نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے، اس نے بازو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا۔

''آج اتنا زیادہ سو لیا، ٹائم دیکھو کیا......'' اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں۔

''ارے تمہیں تو بہت تیز ٹمپریچر ہے۔'' انہوں نے فکرمندی سے کہتے ہوئے بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا۔

''زرنش!'' وہ کانپ گئیں۔

''تم رات بھر روتی رہی ہو؟'' وہ نگاہیں چرا گئی۔

''نہیں ماما۔'' اس نے نحیف آواز میں کہا انہوں نے بغور اس کی سوجی آنکھوں کو دیکھا۔

''کیا ارشان سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' انہیں تشویش ہونے لگی۔

''اتنے دن سے یہاں پر ہو اس نے ایک بار آنے کی زحمت نہیں کی، یہ ساتھ ہی تو گھر ہے۔'' انہیں اپنی کوتاہی پر بھی افسوس ہوا کہ اس سے پہلے غور ہی نہیں کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ماما۔'' اس نے انکار کیا۔

''نہیں بتاؤ گی تو مجھے ارشان سے پوچھنا پڑے گا۔'' ان کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر آنسو بہنے لگے۔

''ارشان مجھ سے خفا ہو گئے ہیں ماما۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''کس بات پر؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میکے جا کر رہنا نہیں، بس شام کو واپس آ جانا، میں نے ضد کی اور......'' دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر وہ لب کچلنے لگی۔

''اوہ میرے خدا، زرنش یہ کیا حماقت ہے۔'' انہوں نے سر پیٹ لیا۔

''اس نے ایسا تمہاری محبت میں کیا اور تم نے اسے مایوس کر دیا۔'' ان کی بات سے وہ مزید پریشان ہو گئی۔

''اب کیا کروں ماما؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا تو ماما کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''اب اتنا بھی دل پر لینے والی بات نہیں ہے، میرڈ لائف میں ایسا تو ہو ہی جاتا ہے، مگر آئندہ احتیاط کرنا، اس کی مرضی کے بغیر نہ آنا، شروع شروع میں سب ہزبینڈ ایسا ہی کہتے ہیں،

مگر جب ایک دو بجے ہو جاتے ہیں تو خود پوچھتے ہیں، بیگم میکے نہیں جانا؟'' انہوں نے اسے ریلیکس کرنا چاہا۔

''ماما وہ بہت ناراض ہیں، کسی طرح بھی نہیں مان رہے۔''

''میں کچھ کرتی ہوں، فکر مت کرو، اٹھ جاؤ ناشتہ کر لو اور میڈیسن لے لو۔'' ان کے بے حد اصرار پر بھی اس نے کچھ نہ کھایا، انہوں نے زرنش کا موبائل اٹھا لیا اور باہر نکل گئیں، ارشمان کا نمبر ڈائل کیا مگر کال ریسیو نہ ہوئی، وہ بھی مسلسل کرتی رہیں۔

''زرنش میں بہت مصروف ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کرو، جس طرح اپنی من مانی کر کے گئی تھی، اسی طرح واپس بھی آ جاؤ، میں تم کو لینے نہیں آؤں گا۔'' وہ درشتی سے بولا۔

''بیٹا اتنا غصہ کس بات پر؟'' ان کی آواز سن کر اس نے فون کان سے ہٹا کر اس کی سکرین کو گھورا، وہ زرنش کا ہی نمبر تھا۔

''السلام علیکم ممانی جان!'' مارے خفت کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، جھٹ سلام جھاڑ دیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس پر گھڑوں پانی پڑا۔

''میں اچھی نہیں ہوں بیٹا، زرنش نے رو رو کر برا حال کیا ہوا ہے، ساری رات روتی رہی ہے، اتنا تیز بخار ہے، نہ ناشتہ کیا ہے اور نہ میڈیسن لے رہی ہے۔'' ان کی بات سن کر اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا۔

''کیوں روئی وہ؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا،

''بیٹا ناراضی کو اتنا طول نہیں دینا چاہیے کہ غلطی کرنے والا انسان رو پیٹ کر آپ کے بغیر ہی جینا سیکھ لے، پھر غلطی اس کی نہیں ہے، اسے میں نے مجبور کیا تھا رہنے کے لئے۔'' انہوں نے کلیئر کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے ممانی، میں بھی آفس کے کاموں میں بہت الجھا ہوا تھا، اسی لئے آ نہیں سکا، آج شام لینے آؤں گا، اسے کہیے گا تیار رہے۔'' انہوں نے فوراً جا کر یہ مژدہ جانفزا اسے سنا دیا۔

''کیا ارشمان نے خود کہا ہے کہ مجھے لینے آئیں گے؟'' وہ ابھی تک بے یقینی کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔

''بالکل اس نے کہا زرنش سے کہیں تیار رہے۔'' اس کے مردہ جسم میں جیسے جان پڑ گئی تھی، وہ اٹھ کر تیار ہونے لگی۔

☆☆☆

''رہ لیتی دس پندرہ دن اور، ایک ہفتے سے کیا بنتا ہے۔'' اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ارشمان نے طنز سے کہا۔

''میں آل ریڈی بہت شرمندہ ہوں، آپ سے معافی مانگ چکی ہوں، اب آپ مجھے شرمندہ کریں گے؟'' وہ سر جھکائے بیٹھی گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تم نے میری فیلنگز کو ہرٹ کیا ہے، پھر تمہیں احساس بھی نہیں ہوا، میں خود بہت زیادہ اپ سیٹ ہو گیا تھا۔'' اس نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آئے ایم سوری، میں آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔'' اس نے جھٹ معافی مانگی، پھپھو اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھیں۔

''شکر ہے زرنش، تم واپس آئی، میں نے کئی بار ارشمان سے کہا میری بیٹی کو واپس لے آؤ، مگر یہ کہتا تھا وہ زیادہ دن رہنے کا کہہ کر گئی ہے، بس اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔'' حالانکہ اس

اس ایک ہفتے میں وہ دو بار اس کے گھر بھی آئی تھیں۔

رات کا کھانا ان تینوں نے مل کر کھایا، پھپھو ایک ایک چیز اسے اصرار کے ساتھ کھلا رہی تھیں۔

''آپ واقعی مجھ سے ناراض نہیں ہیں نا؟'' سونے سے پہلے اس نے ایک مرتبہ پھر دل کی تسلی کی خاطر پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''میں آپ کی ہر بات مانوں گی، مگر آپ پرامس کریں مجھ سے دوبارہ کبھی خفا نہیں ہوں گے۔''

''اوکے، آئے پرامس۔'' اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر ایسے دبایا تھا۔

''مگر میاں بیوی میں ناراضی ہو جاتی ہے، اس میں بھی ایک چارم ہے۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''ہرگز کوئی چارم نہیں ہے، میری جان پر بن گئی تھی اور آپ کو اس میں چارم نظر آ رہا ہے۔'' وہ روٹھے پن سے بولی۔

''رئیلی؟'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''بہت ظالم لگے تھے آپ مجھے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بات اتنی بڑی نہیں تھی، آپ نے سیریس لے لیا۔'' وہ بیڈ سے اٹھی اور وارڈروب کی جانب بڑھی۔

''ارشمان!'' اسے زور کا چکر آیا تھا۔

''زرنش!'' قریب تھا کہ وہ گر پڑتی، اس نے جلدی سے اسے شانوں سے تھاما اور بیڈ پر بٹھا دیا۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ لیٹ گئی تھی۔

''طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کو دکھا لیں۔'' اس کے پاس بیٹھا وہ ہولے ہولے اس کا سر دبا رہا تھا۔

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے انکار کیا۔

''امی کو بلاؤں؟'' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

''پھپھو کو بالکل ڈسٹرب نہ کریں، میں ٹھیک ہوں، بس ہلکا سا چکر تو آیا ہے۔'' اس نے فوراً منع کیا۔

''تم اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی، اب مجھے تم پر سختی کرنی پڑے گی۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولا، جبکہ وہ خاموش تھی۔

☆☆☆

اگلے دن ارشمان اسے ہاسپٹل لے کر گیا تھا، وہ ایکسپیکٹ کر رہی تھی، وہ یہ خبر سن کر خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

''تھینک یو زرنش! تھینک یو سو مچ۔'' اس کا رواں رواں مسکرا رہا تھا، جبکہ وہ خاموش بیٹھی تھی۔

''تم کچھ بول کیوں نہیں رہی؟'' اس نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بولوں؟'' اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''میں بہت زیادہ خوش ہوں، تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتی۔'' وہ گنگنا رہا تھا۔

پھپھو بھی یہ خبر سن کر بہت خوش تھیں، انہوں نے زرنش کی ماما کو کال کر کے مبارکباد دی تھی، ماما بھی فوراً آ گئی تھیں۔

"آپا اب آپ نے اس کا خیال رکھنا ہے، کھانے میں بہت لاپرواہ ہے۔" وہ سر جھکائے بیٹھی ان سب کی نصیحتیں سن رہی تھی۔

"ارشان تم نے واپس آفس نہیں جانا؟" امی نے پوچھا۔

"نہیں امی۔" وہ سر کھجانے لگا۔

"موڈ نہیں ہو رہا۔" ارشان مٹھائی لے آیا تھا، شام کی چائے ان سب نے بہت خوشگوار موڈ میں پی تھی، زرنش بہت خوش تھی، اس کے چہرے پر پھیلے آسودگی کے رنگ دیکھ کر ماما کو ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

اس کا ڈائیٹ چارٹ ارشان نے خود بنایا تھا، صبح اسے اپنے سامنے ناشتہ کروا کر جاتا، لنچ پر آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کر کے آتا، دوبارہ آفس چلا جاتا۔

"ارشان مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس کا کھانے کا موڈ نہ تھا۔

"تھوڑا سا کھا لو۔" اس نے پلیٹ میں اس کے لئے چاول نکالے۔

"میں سیلڈ کھا رہی ہوں، میرا موڈ نہیں ہے اور کچھ کھانے کا۔" اس کے بار بار کہنے کے باوجود بھی اس نے کھانا نہیں کھایا۔

"اچھا چلو یہ فروٹ کھا لو۔" وہ فروٹ اٹھا لایا۔

"کیا ارشان آپ بچوں کی طرح مجھے ٹریٹ کر رہے ہیں۔" اس نے بد دلی سے تھوڑا سا فروٹ کھایا۔

"سویٹ ہارٹ یہ آپ کے لئے بے حد ضروری ہے۔" اس نے سیب کی قاش اس کو پکڑائی۔

"آپ نے واپس آفس نہیں جانا؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"تو تم چاہتی ہو میں چلا جاؤں؟" اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے ایسا کب کہا؟"

"قدر کرو میری محبت کی، کبھی اگر تم سے دور ہوا تو اس وقت کو یاد کر کے رویا کرو گی۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"ارشان!" وہ زور سے چلائی، ارشان نے دیکھا اس کا رنگ زرد پڑ گیا، آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"زرنش!" وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"آر یو اوکے؟" اس نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا۔

"میں نے تو صرف مذاق کیا تھا۔" وہ پریشان ہوا۔

"آپ نے ایسا مذاق بھی کیوں کیا، یہ بات آپ کے ذہن میں آئی بھی کیوں۔" شدت جذبات سے اس کی آواز کانپنے لگی تھی۔

"آئی ایم سوری یار!" وہ واقعی شرمندہ ہو گیا۔

"میرا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا، دوبارہ ایسا نہیں کہوں گا۔" اس نے معذرت کی۔

"امی کدھر ہیں؟" اس نے ارد گرد دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مارکیٹ گئیں ہیں، آتی ہی ہوں گی۔" اس کا موڈ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"چلو آج آؤٹنگ کا پروگرام بناتے ہیں۔" ارشان نے کہا، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا خیال ہے؟" اسے پوچھنا پڑا۔

"پھپھو آ جائیں تو ان سے پوچھ کر جائیں گے۔" اس کی بات پر وہ مسکرا دیا۔

"سمجھدار ہو گئی ہو تم، یہ میری محبت کا اثر ہے۔" وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"خوش فہمی ہے آپ کی۔" اس کی بات پر وہ زور سے ہنسا تھا۔

☆☆☆

"راحت بہت دن ہوئے زرنش نہیں آئی؟" آفس سے تھک کر آتے تھے تو بیٹی کو دیکھ کر ان کی ساری تھکن اتر جایا کرتی تھی۔

"ہاں، میں نے خود منع کیا تھا، مل کر چلی جایا کرو، یہاں وہ اپنا ٹھیک سے خیال نہیں رکھتی۔" انہوں نے نپے تلے انداز میں کہا۔

"میں بہت اداس ہوں، اسے بلا لو۔" انہوں نے کہا۔

"آپ خود جا کر مل آئیں، آپ کی بہن کا بھی گھر ہے۔" انہوں نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔

"اتنی جلدی بڑی ہو گئی، پتا ہی نہیں چلا، کل تک اتنی سی تھی۔" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور خیالوں میں کھو گئے۔

"ہاں واقعی۔" وہ بھی اداس ہونے لگیں۔

"اللہ ہماری بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھے، خیر سے اب تو......" وہ کچھ جھجک کر خاموش ہو گئیں۔

"کیا ہوا اب تو؟" پاپا بے چین ہو گئے۔

"دراصل آپ، نانا بننے والے ہیں۔" انہوں نے جھجک کر بتایا۔

"ارے۔" پاپا ایک دم سیدھے ہو گئے، ان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

"ماشاء اللہ، یہ تو بہت خوشی کی بات خبر ہے، پہلے کیوں نہیں بتایا۔" زرنش کے بعد اللہ نے انہیں کوئی اور اولاد نہ دی تھی، اس طرح اس کے بعد یہ ان کے گھر میں دوسرا بچہ آ رہا تھا۔

"بس ایسے ہی، ارشان بہت اچھا ہے ماشاء اللہ، زرنش کا بہت خیال رکھتا ہے، اللہ دونوں کو سدا ساتھ سلامت رکھے۔"

"آ...... مین۔" پاپا نے اس کے لئے دل سے ڈھیروں دعائیں کی تھیں، وہ ان دونوں کی خوشیوں کا محور تھی۔

☆☆☆

"ارشان! مجھے آئسکریم کھانی ہے۔" اس نے اچانک فرمائش کی تھی۔

"ہم صرف گھومنے پھرنے آئے ہیں، باہر سے کھانا نہیں کچھ۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے، میں کوئی بیمار تھوڑی ہوں۔" وہ زچ ہوئی تھی۔

"احتیاط نہیں کرو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی اور فی الحال میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا۔" اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"ارشان سب عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں ایسے تو کسی پر پابندیاں نہیں لگتیں جیسے آپ سب مجھ پر لگا رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"وہ سب عورتیں میری بیوی کی طرح خاص نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ بچے میرے بچے کی طرح اسپیشل۔" اس نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گئی۔

"خاص تو کسی کی محبت بنا دیتی ہے ارشان، ورنہ انسان تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں، آپ کو پا کر جیسے میں، میں نہیں رہی، آپ کی محبت نے مجھے کتنا امیر، کتنا معتبر کر دیا ہے۔" اس نے گاڑی آئسکریم پارلر کے سامنے روکی اور اشارے سے ایک ویٹر کو بلایا۔

"اورنج آئسکریم ون کپ۔" اس نے کہا۔

"اوکے سر!" وہ واپس چلا گیا۔

''آپ نہیں کھائیں گے کیا؟'' اس نے پوچھا، ویٹر ٹرے میں کپ رکھ لایا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے کپ اٹھا کر اسے تھمایا، وہ مزے سے کھا رہی تھی۔

''اب چلیں؟'' اس نے اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا، ارشان واپس آفس بھی نہیں گیا تھا۔

اس نے اسے گولڈ کا بریسلٹ لے کر دیا تھا، وہ شام بہت اچھی گزری تھی، وہ دونوں ہی بہت خوش تھے۔

☆☆☆

''سونیا میرا خیال ہے تم ٹھیک نہیں کر رہی۔'' وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی آسمان پر چاند کو دیکھتے ہوئے عابدہ کی بات سن رہی تھی، مگر جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

''مجھے یقین ہے تمہیں سوائے بدنامی کے اور کچھ نہیں ملے گا اس کام سے۔'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''میری مانو تو باز آ جاؤ اس کام سے، میں تمہیں دوبارہ ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔

''میں نے زندگی میں صرف محرومیاں دیکھیں ہیں، مجھے ہمیشہ ہر جگہ دھتکارا گیا، میں تنہا رہتے رہتے تھک گئی ہوں، مجھے بھی سکون چاہیے، تم میری فکر مت کرو، میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں جو جذباتیت سے دھوکہ کھا لوں گی۔'' اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

''سونیا کسی سے اس کی خوشیاں چھیننے والے خوش نہیں رہتے۔'' وہ اسے روکنا چاہ رہی تھی۔

''ہر وقت دوسروں کی فکر کرنے والا خود خالی ہاتھ ہی رہتا ہے، خوشیوں پر ہمارا بھی تو حق ہے، پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کسی دوسرے کی خوشیوں میں آگ لگا کر ہمیں ہماری منزل مل رہی ہے۔'' اس نے کمینے پن سے بائیں آنکھ دبائی۔

''سونیا جس آشیانے کی بنیاد کسی معصوم کے آنسوؤں پر رکھی جائے، وہ خود بہت جلد ان دیکھے طوفانوں کی زد میں آ جاتا ہے۔'' وہ کہنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی، مگر سونیا کے بگڑتے تیور دیکھ کر چکی تھی۔

''تمہارا مسئلہ پتا ہے کیا ہے عابدہ!'' وہ کھڑکی میں سے ہٹ کر اپنے بستر پر آ بیٹھی۔

''تم جیسے دین کے ٹھیکے دار نہ خود خوش رہتے ہیں، نہ دوسروں کو رہنے دیتے ہیں، ہر وقت مذہب کے نام پر بلیک میلنگ۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''تمہیں کچھ بھی کہنا فضول ہے۔'' وہ لیٹ گئی اور کمبل سر تک تان لیا۔

''تو تمہیں کون کہتا ہے مجھے کچھ کہو، ان فیکٹ مجھے تمہارے ان نادر مشوروں کی ضرورت نہیں ہے، مجھے کیا کرنا ہے کیا نہیں میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' وہ بھی لیٹ گئی اور مستقبل کے سہانے سپنے بنتے بنتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی، وہ دونوں ایک ہی ہاسپٹل میں رہتی تھیں، دونوں کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

''کیا کرتے ہیں ارشان! آپ کی امپورٹنٹ میٹنگ تھی آپ اٹینڈ کر لیتے، میں ماما پھپھو کے ساتھ چیک اپ کے لئے چلی جاتی۔'' اس کا آج چیک اپ تھا اور ہمیشہ کی طرح وہ ہزار کام چھوڑ کر آ گیا تھا۔

''کچھ بھی تم سے زیادہ امپورٹنٹ نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''چائے پئیں گے؟'' وہ صوفے پر نیم دراز

ہو چکا تھا اور انگوٹھے اور انگشت شہادت سے کنپٹیوں کو دبا رہا تھا۔

''نہیں، بس تم ریڈی ہو جاؤ جلدی سے۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

''تھکے جاتے ہیں، میں سر دبا دوں؟'' وہ صوفے کی بیک سائیڈ پر کھڑی ہو گئی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور نرمی سے دبایا۔

''اتنا کام مت کیا کریں، ہمارے پاس آل ریڈی سب کچھ ہے۔'' اسے ارشان کے چہرے پر تھکن صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''محنت کروں گا تو میرا بچہ اچھی لائف گزار سکے گا۔'' اس کی بات پر جھینپتے ہوئے وہ بیڈ روم میں آ گئی۔

چیک اپ کروا کر وہ اسے گھر چھوڑ گیا تھا۔

''امی میں آفس کے کام سے دو دن کے لئے اسلام آباد جا رہا ہوں۔'' رات کھانا کھاتے ہوئے اسے اچانک یاد آیا تو وہ انہیں بتانے لگا۔

''خیر سے جاؤ بیٹا۔'' انہوں نے محبت سے اکلوتے بیٹے کو دیکھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ زرنش کو بھی ساتھ لے جاؤں۔'' اس نے ایک نظر خاموش بیٹھی زرنش پر بھی ڈالی کہ شاید وہ بھی کچھ کہے، مگر وہ خاموش تھی۔

''ارے باؤلے ہوئے ہو، اس کی حالت ہے اتنا لمبا سفر کرنے کی۔'' انہوں نے فوراً ٹوکا۔

''امی کچھ نہیں ہوگا، جانے دیں۔'' اس نے زرنش کو اشارہ کیا مگر وہ خاموش ہی رہی۔

''میں ہرگز یہ رسک لینے کی اجازت نہیں دوں گی۔'' انہوں نے صاف منع کر دیا، اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

''تم امی سے بات کرو کہ تم میرے ساتھ جانا چاہتی ہو۔'' اپنے روم میں آتے ہی وہ اس کو کہنے لگا۔

''پھپھو جان نے آپ کو انکار کر دیا ہے تو میری بات بھی نہیں مانیں گی، پھر کیا فائدہ کہنے کا۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

''یوں کہو کہ میرے ساتھ جانا نہیں چاہ رہی۔'' وہ خفا ہونے لگا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں ارشان، میں بھلا کیوں آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہوں گی، مگر پھپھو بڑی ہیں، انہوں نے منع کر دیا تو ضد کرنا اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی دوسری طرف اس کا موڈ بگڑ چکا تھا۔

''سب بہانے ہیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے لیٹ گیا، کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھ لگ گئی، مگر جلد ہی وہ دوبارہ جاگ گیا۔

''زرنش!'' کمرے میں اس کی دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں، وہ تیزی سے اٹھا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے قریب آیا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے آنسو رگڑ ڈالے۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟'' وہ پریشان ہو گیا۔

''آپ کے ساتھ جانے سے پھپھو نے منع کیا ہے، آپ خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہو گئے۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔

''مائی گاڈ! میں کب ناراض ہوا تم سے؟'' اسے تو لینے کے دینے پڑ گئے۔

''آپ مجھ سے بات کیے بغیر سو گئے آپ کا موڈ بھی آف تھا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''اووف۔'' اس نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

''میرا موڈ آف نہیں تھا، بلکہ میں اپ سیٹ

تھا، میں تمہیں ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں، کیسے رہوں گا دو دن تمہارے بغیر۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کی پشت سہلانے لگا۔

''امی نے منع کر دیا، اس لئے میں پریشان ہو گیا، اگر تم کو میری کوئی بات بری لگی ہے تو رئیلی سوری۔'' وہ واقعی شرمندہ تھا۔

''آپ نے وعدہ کیا تھا آپ مجھ سے کبھی خفا نہیں ہوں گے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے یاد ہے، میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا، فکر مت کرو۔'' اس رات وہ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

''السلام علیکم پاپا!'' ارشمان جاتے ہوئے اسے اس کی ماما کی طرف ڈراپ کر گیا تھا۔

''ارے میری گڑیا رانی!'' پاپا اسے سامنے دیکھ کر فریش ہو گئے، ساتھ لگا کر پیار کیا۔

''کیسے ہیں آپ؟ کمزور لگ رہے ہیں۔'' اس نے فکر مندی سے کہا تو وہ ہنس دیئے۔

''آپ کی ماما تو کہتی ہیں میں موٹا ہو گیا ہوں۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے راحت کو دیکھا۔

''نہیں ماما، پاپا سچ میں کمزور ہو گئے ہیں، آپ ان کا خیال رکھا کریں۔'' اس نے ماما کو ہدایت جاری کر دی۔

''ارشمان کی کال ہے۔'' انہیں بتا کر وہ اپنے روم میں آ گئی۔

''پہنچ گئے؟'' سلام کرنے کے بعد اس نے پوچھا۔

''ہاں، بس ابھی ائیر پورٹ پر اترا ہوں۔'' اس کے اردگرد کافی شور تھا۔

''اوکے اپنا خیال رکھیے گا۔'' اس نے ہدایت کرنا ضروری سمجھا وہ ہنس دیا۔

''ہاں تم بھی، کھانا وقت پر کھانا اور میڈیسن بھی لے لینا، میں پھر ہوٹل پہنچ کر کال کروں گا۔'' اس نے سیل فون رکھا اور باہر آ گئی، اپنے دو دن کے قیام میں ہر دس منٹ بعد وہ اسے کال کر رہا تھا، رات کے دو بجے کا وقت تھا، سیل پر مسلسل کال آ رہی تھی، وہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

''ہیلو۔'' اس کی نیند میں ڈوبی آواز ارشمان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''سو رہی تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''ظاہر ہے، رات کے دو بجے ہر شریف بندہ سو رہا ہوتا ہے۔'' اس نے نظریں وال کلاک پر ڈالیں۔

''اچھا۔'' اس کے جواب سے وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

''مگر عاشقوں کے جاگنے کا وقت ہوتا ہے یہ۔'' اس نے بات پکڑ لی۔

''جانے دیں صاحب شادی کا سال ہونے والا ہے، اب تھوڑے سیریس ہو جائیں۔'' اسے نیند آ رہی تھی۔

''بس ایک سال؟'' وہ ہنس دیا۔

''ہماری شادی کو پچاس سال بھی ہو گئے تو میں ایسا ہی رہوں گا۔'' وہ شریر ہوا۔

''فی الحال تو مجھے نیند آ رہی ہے ارشمان۔'' اس نے بند ہوتی انکھوں کے ساتھ کہا۔

''آئی مس یو۔'' وہ جذب کے عالم میں بولا۔

''کاش تم اس وقت میرے پاس ہوتی۔'' اس نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

''آپ کل واپس آ رہے ہیں نا؟'' اس نے استفسار کیا۔

''ہوں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''تو پھر میں اب آرام کر لوں، دراصل سارا دن ماما کے ساتھ باتیں کرتے گزرا میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی، رات بھی پھپھو کے پاس بیٹھی رہی۔'' اس نے تفصیلاً بتایا۔

''اوکے گڈ نائٹ۔'' اس نے فون بند کر کے سائیڈ پر رکھ دیا۔

''میں کتنی خوش قسمت ہوں ارشمان کہ مجھے آپ جیسا چاہنے والا شوہر ملا۔'' اپنی قسمت پر وہ خود نازاں تھی، کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

ارشمان دوپہر میں لنچ پر نہیں آیا تھا، اس نے بہت انتظار کیا، پھپھو نے کہا بھی کھانا کھا لے مگر اس کا جی ہی نہ چاہا۔

''کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہے۔'' اسے تشویش ہوئی، اس نے آفس کے نمبر پر کال کی۔

''سر میٹنگ میں بزی ہیں۔'' سیکرٹری نے بتایا۔

''انہیں بتا دیجئے گا گھر سے کال تھی۔'' اس نے فون بند کر دیا، اس کے بعد اسے مسلسل اس کے فون کا انتظار رہا، مگر رات تک اس کی کال نہ آئی۔

''ایسا تو کبھی نہیں کیا انہوں نے۔'' اس نے دن سولی پر گزارا۔

''ارشمان!'' وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا، امی کی آواز سن کر رک گیا۔

''آج دوپہر بھی گھر نہیں آئے، فون بھی نہیں کیا، زرنش بہت پریشان ہے، اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔'' اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''امی ایک ڈیلی گیشن آ گیا تھا، میں میٹنگ میں بزی ہو گیا تھا۔'' اس نے اردگرد دیکھا۔

''زرنش کہاں ہے؟'' اسے وہ کہیں نظر نہ آئی۔

''اپنے کمرے میں۔'' انہوں نے اس کے بیڈ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''اوکے میں دیکھتا ہوں۔'' وہ کمرے میں آ گیا، وہ بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی، اسے دیکھ کر ناراضی سے نظریں پھیر لیں۔

''طبیعت کیسی ہے؟'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''امی بتا رہی ہیں تم نے کھانا نہیں کھایا۔'' وہ شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے بولا۔

''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟'' اس نے سر جھٹکا۔

''آئے ایم سوری، ایکچوئیلی بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی، چھوڑ کر نہیں آ سکتا تھا۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

''ایک کال تو کر سکتے تھے نا، میں نے کتنی کالز کیں، آپ نے ایک بھی ریسیو نہیں کی۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا، ارشمان نے بغور اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔

''سچ میں بہت بزی تھا۔'' وہ خجل ہوا۔

''ہوں گے بزی، مگر اتنے بھی نہیں کہ ایک کال بھی ریسیو نہ کر سکتے، میں نے آپ کے آفس کے نمبر پر بھی کال کی تھی، میسج دیا تھا کہ گھر کال کریں۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''سیکرٹری نے مجھے نہیں بتایا۔'' وہ کمزور آواز میں بولا۔

''ارشمان آپ کو ذرا خیال نہیں آیا کہ میں کتنی پریشان ہوں گی، کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' وہ رو دی، ارشمان شرمندہ ہونے لگا۔

''پلیز زرنش بات کو طول مت دو، بتایا ہے بزی تھا، آئندہ ایسا نہیں ہو گا، امی بتا رہی ہیں تم نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا، میں کھانا لاتا ہوں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

گرم کر کے، تم فریش ہو جاؤ۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''اس مہربانی کا شکریہ، مجھے بھوک نہیں ہے اب۔'' وہ لیٹ گئی اور کمبل سر تک تان لیا۔

''زرنش، میری بات سنو۔'' اس نے کمبل ہٹانا چاہا۔

''اگر آپ نے مجھے ڈسٹرب کیا تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' وہ پریشان سا کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

وہ تکیے میں منہ دبا کر اپنی سسکیاں روک رہی تھی، ارشان نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا، اس کا اس طرح اگنور کرنا اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا، وہ بہت پریشان تھا، اپنی کیفیت وہ خود بھی نہ سمجھ پا رہا تھا، اس نے گردن گھما کر کمبل میں لپٹی زرنش کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

اس کا خیال تھا کہ ارشان اس سے معافی مانگے گا، یقین دلائے گا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا، مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا، بلکہ اب یہ اس کی روٹین ہو گئی تھی، وہ دوپہر میں گھر نہیں آتا تھا۔

''امی نیا پراجیکٹ سٹارٹ کیا ہے اس لئے بہت بزی ہو گیا ہوں، بار بار آفس سے اٹھ نہیں سکتا۔'' ان کے ٹوکنے پر اس نے بتایا۔

''بیٹا اتنا ہی کام کرو جس سے تم بھی آرام میں رہو اور تمہاری بیوی بھی خوش ہو۔'' انہوں نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''اسی کے لئے تو کر رہا ہوں یہ سب۔'' وہ بیڈ روم میں آ گیا۔

''آج بھی میٹنگ تھی؟'' وہ صوفے پر بیٹھا جوتے اتار رہا تھا جب وہ اچانک وہاں آئی۔

''مجھ سے کچھ کہا تم نے؟'' اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ظاہر ہے، آپ کے علاوہ کون ہے یہاں؟'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''کیا کہا ہے، میں نے سنا نہیں۔'' اس نے جوتے اٹھا کر رکھے تھے، فریش ہونے کے لئے واش روم کی جانب بڑھا۔

''آج آپ کو میری بات سنائی نہیں دی، کل میں نظر نہیں آؤں گی، ارشان کیا ہوتا جا رہا ہے آپ کو؟'' وہ اس کے سامنے آ رکی اور دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔

''فضول باتیں مت سوچو، سمجھدار بیویاں اپنے ہزبینڈ کے ساتھ کاپریٹ کرتی ہیں، میں نے نیا پراجیکٹ شروع کیا ہے اس کی وجہ سے بہت بزی ہو گیا ہوں۔'' اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

''آپ تو کہتے تھے میں آپ کے لئے دنیا کی ہر چیز، ہر کام سے زیادہ اہم ہوں۔'' اس نے یاد دلانا چاہا۔

''میں اب بھی ایسا ہی کہتا ہوں، تم میری مجبوری سمجھو۔'' وہ واش روم میں چلا گیا، جبکہ وہ پتھر کا بت بنی وہیں کھڑی رہی۔

☆☆☆

بڑی پھپھو کو ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا، ارشان کی امی اور ماما، پاپا فوراً کراچی چلے گئے تھے، وہ سارا دن بہت پریشان رہی تھی۔

''کہاں تھے آپ؟ یہ گھر آنے کا وقت ہے؟'' رات کے بارہ بجے تھے، جب کوٹ لاپروائی سے شانوں پر لٹکائے ست روی سے چلتا ہوا وہ بیڈ روم میں داخل ہوا۔

''بہت تھکا ہوا ہوں، پلیز بحث کا موڈ نہیں ہے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

''آپ کو پتا تھا نا میں گھر پر اکیلی ہوں، پھر بھی اتنی دیر سے آئے مجھے ڈر لگ رہا تھا۔'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''تم اب بچی نہیں ہو زرنش۔'' اس نے تنبیہہ کی۔

''آپ بہت بدل گئے ہیں ارشان۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ شکوہ کر گئی۔

''اچھا۔'' وہ ہنس دیا۔

''کیا میرے سینگ نکل آئے ہیں؟''

''کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ ایسا، مجھے اپنی توجہ، اپنی محبتوں کا عادی بنا کر یوں اگنور مت کریں، میں برداشت نہیں کر سکتی یہ سب، آپ تو مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، ہر وقت میری فکر رہتی تھی، کیا آپ بھول گئے کہ میں آپ کے بچے.....''

''فار گاڈ سیک زرنش!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

''مجھے ریسٹ کرنا ہے۔'' وہ فریش ہونے چلا گیا، اس کی باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

''یا اللہ! ارشان کو کیا ہو گیا؟'' اس کی پریشانی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا، رات اس نے آنکھوں میں کاٹی، جبکہ وہ سکون سے سوتا رہا۔

☆☆☆

اگلے دن اتوار تھا، ارشان کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں نہ تھی، وہ عجلت میں تیار ہو کر باہر آیا۔

''ارشان!'' وہ ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے قریب آ کر سرسری انداز میں پوچھا۔

''آپ کے لئے ناشتہ بنا رہی تھی، ہاتھ جل گیا۔'' اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''زرنش تم اب بڑی ہو جاؤ، کیا یہ ضروری ہے کہ تم کچن میں جاؤ اور لازمی طور پر نقصان کرو۔'' اس کی بات پر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔

''کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے آپ کی پسند کا ناشتہ بنایا ہے؟'' اسے باہر نکلتا دیکھ کر وہ پیچھے آئی۔

''ایک ضروری کام ہے۔'' وہ پورچ کی طرف بڑھا۔

''مگر آج تو سنڈے ہے، آج تو گھر پر رہیں۔'' اس نے گاڑی کا دروازہ پکڑا۔

''جلدی واپس آ جاؤں گا۔'' اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔

''آپ یہ پراجیکٹ چھوڑ دیں، مجھے صرف آپ کی ضرورت ہے، اور کچھ نہیں۔''

''ڈونٹ بی سلی زرنش!'' اس نے اس کی بات کاٹی۔

''میں اتنا زیادہ انوسٹ کر چکا ہوں کہ اب پراجیکٹ مکمل کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔'' اس کا جواب سنے بغیر اس نے گاڑی نکالی اور زن سے لے اڑا، اس کے ہاتھ میں درد اٹھا تھا، وہ اندر آ گئی۔

''قدر کرو میری محبت کی، کسی دن اگر میں بدل گیا تو اس وقت کو یاد کر کے رویا کرو گی۔'' اس کے کان میں سرگوشی ابھری۔

''مجھے نہیں پتا تھا آپ ایسے ہو جائیں گے، اتنی دوریاں کیوں آ گئیں ہمارے بیچ۔'' شادی کے بعد کا تمام وقت یاد آ کر اسے رونا آنے لگا، تمام دن وہ روتی رہی، ارشان واپس نہیں آیا۔

''ارشان کیوں کر رہے ہو ایسا؟ آپ بھول گئے کہ آپ میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، کیا اب آپ کو میری طبیعت اور صحت کی فکر بھی نہیں رہی۔'' آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے، صبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی مگر ارشان نہ آیا۔

''میں آج دو ٹوک بات کروں گی، مجھ سے

یہ سب برداشت نہیں ہو سکتا۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا اور ارشان کا انتظار کرنے لگی، رات کے ایک بجے اس نے بیڈ روم میں قدم رکھا، اس کی طرف دیکھے بغیر وہ چینج کرنے چلا گیا۔

''ایسا کب تک چلے گا؟'' وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا ہیئر برش کر رہا تھا، جب وہ اس کے پیچھے کھڑی ہوئی، شیشے میں اس کی شبیہہ ابھری۔

''کیسا؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ میرے ساتھ ٹھیک کر رہے ہیں؟'' وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کیا کر رہا ہوں میں؟'' وہ بیڈ پر جا بیٹھا۔

''یہ آپ اپنے آپ سے پوچھیں۔'' وہ اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''جو کر رہا ہوں تمہارے لئے کر رہا ہوں اور تم......''

''اسٹاپ اٹ ارشان!'' وہ زور سے چلائی۔

''میں اب آپ کے ان بہلاوؤں میں نہیں آؤں گی۔'' ایک ہی بات سنتے سنتے وہ تنگ آ چکی تھی۔

''اور بالفرض اگر میں یہ مان بھی لوں کہ آپ واقعی مصروف ہیں تو کم از کم گھر آ کر تو ٹھیک طریقے سے بات کر سکتے ہیں، آپ تو شاید اب مجھ سے بات کرنا ہی نہیں چاہتے، میں ہی آپ کے انتظار میں آدھی رات تک جاگتی رہتی ہوں، آپ تو شاید اب میری طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔'' وہ تھک چکی تھی۔

''سارا دن گھر میں فارغ بیٹھ کر پتا نہیں کیا کچھ سوچتی رہتی ہو، خود کو مصروف رکھا کرو۔'' وہ سونے کے لئے لیٹ گیا۔

''ہاں، میں پاگل ہو گئی ہوں، آپ کی تو کوئی غلطی نہیں ہے۔'' اس کے پاس سے اٹھ کر وہ اپنی جگہ پر آ گئی تھی، اس نے بھی کوئی بات نہ کی۔

☆☆☆

رات کا آخری پہر تھا، اچانک ارشان کی آنکھ کھلی تھی۔

''زرنش کہاں ہے؟'' وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

''زرنش!'' اسے آوازیں دیں، مگر وہ کہیں نہ تھی۔

''کہاں گئی؟'' وہ باہر آ گیا۔

''مائی گاڈ!'' وہ سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔

''سردی ہے یہاں، اندر چلو۔'' وہ اس کے پاس آیا۔

''اچھا ہے، مر جاؤں، آپ کی جان چھوٹے۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر کہا، چند ثانیے وہ خاموش کھڑا رہا۔

''اتنی بدگمان کیوں ہو گئی ہو مجھ سے؟'' وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''آپ اتنے دور کیوں ہو گئے ہیں؟'' وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔

''ارشان!''

''میں تمہارے پاس ہوں۔'' اپنی آواز اسے خود اجنبی لگی۔

''ہاں۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''پاس ہیں ساتھ نہیں ہیں، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہمارے درمیان ایسا وقت بھی آئے گا کہ سوچ سوچ کر بات کرنی پڑے گی، بات کرنے کو ترستی رہوں گی۔'' اس کے لہجے کا کرب وہ بہت دنوں سے محسوس کر رہا تھا۔

''شاید میں واقعی ٹھیک سے مینج نہیں کر پا رہا، مگر جلد روٹین سیٹ ہو جائے گی، پھر تم کو شکایت نہ ہو گی۔'' اس نے تسلی دی۔

''مجھے اب آپ کی باتوں پر اعتبار نہیں رہا، کچھ بھی کہہ لیں، میرے بے چین دل کو قرار نہیں ملتا۔'' اس نے ارشان کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''کل ماموں اور ممانی واپس آ رہے ہیں، تم کچھ دن میکے رہ آؤ۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''دیکھا۔'' وہ سیدھی ہو گئی اور ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''ابھی آپ کہتے ہیں، آپ بدلے نہیں، ایک وقت تھا آپ مجھ سے ناراض ہو جاتے تھے، ماما کے پاس رہنے پر، ارشان آپ اتنا تنگ آ گئے ہیں مجھ سے؟'' وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

''فضول باتیں مت کرو، مجھے تمہاری فکر ہے، اسی لئے کہہ رہا ہوں، کچھ دن ادھر ہو گی تو ماحول چینج ہونے سے موڈ پر اچھا اثر پڑے گا۔'' وہ نگاہیں چرانے لگا۔

''نہیں جانا تو مت جاؤ۔''

''ہاں میری فکر تو واقعی بہت ہے آپ کو۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔

''اسی لئے تو صبح میرا ناشتہ چھوڑ کر چلے گئے، پتا تھا میرا ہاتھ جلا ہے، پلٹ کر خبر نہیں کی، میں سارا دن بھوکی پیاسی روتی رہی کوئی فکر نہ کی، خالی خولی باتیں رہ گئی ہیں، آپ وہ پہلے والے ارشان نہیں رہے۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''ہاتھ دکھاؤ کہاں سے جلا تھا؟'' اس نے زرنش کا ہاتھ پکڑا۔

''مائی گاڈ!'' وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔'' اس کا جسم تپ رہا تھا۔

''تم کمرے میں جاؤ، میں تمہارے کھانے کے لئے کچھ لے کر آتا ہوں، پھر میڈیسن لے لینا۔'' وہ خاموشی سے کمرے میں آ گئی، ارشان کچن میں آیا اور فریج کھولا، اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا، فریج خالی تھا، تمام فروٹس بھی ختم تھے۔

''اس حالت میں اس نے سارا دن فاقہ کیا ہے۔'' وہ دودھ کا گلاس، جیم اور بریڈ ٹرے میں رکھ کر بیڈ روم میں آ گیا۔

''زرنش اٹھو یہ کھا لو۔'' وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''صبح میں کچن کا سارا سامان لے آؤں گا۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے کروٹ بدلی۔

''ضد مت کرو، تمہارے لئے اس طرح بھوکا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے اس کو شانے سے پکڑ کر ہلایا۔

''میرے لئے کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط، آپ کو اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔'' ارشان نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی اور وہاں سے اٹھ گیا، جانتا تھا اب وہ اس کی بات نہیں مانے گی۔

مجھے چھوڑ دے میرے حال پہ
تیرا کیا بھروسہ اے چارہ گر!
تیری مختصر سی نوازشیں
میرا درد اور بڑھا نہ دیں

☆☆☆

''کیسی ہے میری جان؟'' ماما سیدھی اس کے پاس آئی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ اور پاپا کیسے

ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
''کہاں ٹھیک ہو؟ مجھے تو بہت کمزور لگ رہی ہو، کھانے پینے میں تو لاپرواہی نہیں کر رہی؟ ارشمان کدھر ہے، میں اس سے بات کرتی ہوں۔'' اس کا الجھا بکھرا بے ترتیب حلیہ انہیں پریشان کر گیا تھا۔
''کوئی نہیں ماما، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کو تو ایسے ہی فکر ہوتی ہے، یہ بتائیں پھپھو کیسی ہیں اب؟'' خود کو سنبھال کر بشاشت سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔
''ہاں آپا ٹھیک ہی ہیں، تمہارے لئے بہت سارا پیار دیا ہے۔'' اس نے ان کا دھیان بٹانے کی [illegible] سے بات کی تھی اور وہ کسی حد تک اس میں کامیاب ہو بھی گئی تھی۔
''میں پھپھو کو کال کروں گی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
''میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں، آپ فریش ہو جائیں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھی۔
''ہرگز نہیں، کچن میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ویسے بھی ابھی میرا موڈ نہیں ہے۔'' انہوں نے صاف منع کر دیا، گھر میں اور کچھ تھا نہیں جو وہ اس وقت ان کے سامنے رکھتی۔

☆☆☆

''ارشمان آج آفس سے جلدی آ جائیے گا، مجھے چیک اپ کے لئے جانا ہے۔'' وہ آفس کے [illegible] اسے یاد دلایا۔
''تم ممانی کے ساتھ چلی جانا۔'' وہ کف لنکس بند کرتے ہوئے بولا۔
''مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔'' وہ لہجے کو مضبوط کر کے بولی۔
''زرنش دنیا کی ہر عورت ماں بنتی ہے، بچے پیدا کرتی ہے تم کوئی نیا اور انوکھا کام نہیں کر رہی۔'' چھن سے کچھ اس کے اندر ٹوٹا تھا۔
''جانتی ہو میری روٹین کتنی ٹف ہے، پھر بھی فضول کی ضد۔'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، یہ وہی ارشمان تھا جو کہہ رہا تھا۔
''تم اس دنیا کی سب سے خاص لڑکی اور میرا بچہ سب سے زیادہ اسپیشل ہوگا۔'' وہ حیرت سے لب نیم وا کیے اسے دیکھ رہی تھی۔
''روٹین کو کچھ نہیں ہوا ارشمان، آپ بدل گئے ہیں، میں اور میرا بچہ اب آپ کے لئے اہم نہیں رہے۔'' وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
''ہاں، نہیں اہم رہے تم دونوں میرے لئے۔'' وہ زور سے چیخا تھا۔
''ارشمان!'' اسے زور کا چکر آیا تھا، ساتھ ہی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا، قریب تھا کہ وہ گر پڑتی اس نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔
''میری غلطی کیا ہے مجھے صرف اتنا بتا دیں میں تو آپ کی ہر بات مانتی ہوں، آپ کہیں تو سانس لینا روک لوں۔'' اس کے اندر جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔
''ڈونٹ بی سلی۔'' اس نے موبائل، گاڑی کی چابی اور لیپ ٹاپ کا بیگ اٹھایا۔
''ممانی جان کے ساتھ ہاسپٹل چلی جانا، میں نہیں آ سکوں گا۔'' ایک الوداعی نگاہ اس پر ڈال کر وہ باہر نکل گیا۔
''میں کیا کروں؟ کسے بتاؤں؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
''کچھ نہ کچھ غلط ہو رہا ہے، مگر کیا؟ یہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی، یا اللہ میری مدد کر۔'' رو رو کر اس نے برا حال کر لیا تھا، اس کے موبائل پر کال آ رہی تھی، ماما کا نمبر دیکھ کر آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔

''کیسی ہو بیٹا؟'' وہ شفقت سے بولیں۔
''فائن ماما۔'' اس نے حتی المقدور آواز کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔
''ارشمان سے کہو آفس جاتے ہوئے تمہیں ادھر ڈراپ کر جائے۔'' ان کی بات سے اس کے بہت سے زخم تازہ ہونے لگے تھے، بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔
''وہ آفس چلے گئے ہیں ماما۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔
''تمہیں اکیلا کیسے چھوڑ گیا؟ چلو میں ڈرائیور کو بھیجتی ہوں، تم آ جاؤ، ناشتہ ایک ساتھ کریں گے۔'' اس نے فون رکھا اور بے دلی سے تیار ہونے لگی، ڈرائیور لینے آ گیا تھا۔
''آ جاؤ ناشتہ بس تیار ہے۔'' ماما اسے ساتھ لے کر ڈائننگ روم میں آ گئیں۔
''زرنش! ادھر میری طرف دیکھو۔'' وہ اس کی روئی ہوئی آنکھیں دیکھ کر گھبرا گئیں۔
''جی ماما!'' وہ نگاہیں چرانے لگی۔
''کیا بات ہے؟ روئی ہو؟'' ان کا پوچھنا قیامت ثابت ہوا، وہ ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔
''آخر بتاؤ تو سہی ہوا کیا؟'' اسے آہستگی سے خود سے الگ کر کے محبت سے اس کے آنسو پونچھ کر نرمی سے بولیں۔
''آج میرا چیک اپ ہونا تھا، ارشمان کہتے ہیں میری امپورٹنٹ میٹنگ ہے، میں نہیں آ سکوں گا۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ بات کر گئی۔
''بس اتنی سی بات۔'' انہوں نے پرسکون سانس لیا۔
''تم نے تو میری جان ہی نکال دی، ہم ڈرائیور کے ساتھ چلے جائیں گے بیٹا، کوئی بات نہیں، وہ بزی ہوگا۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا سو فوراً خود کو سنبھال لیا، مبادا انہیں اس کے اور ارشمان کے خراب تعلقات کا علم نہ ہو جائے۔

☆☆☆

''عابدہ میں بہت زیادہ خوش ہوں۔'' اس کی آج کافی دنوں بعد اس سے فون پر بات ہو رہی تھی۔
''حیرت ہے، کسی سے اس کی خوشیاں چھین کر لوگ کیسے خوش رہ لیتے ہیں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گئی۔
''تم جیسے گناہ، ثواب کے چکروں میں رہنے والے لوگ یوں ہی گھٹی گھٹی اجاڑ اور ویران زندگی گزارتے ہیں، غلطی میری ہے جو میں تمہیں بتا بیٹھتی ہوں۔'' اس کی ساری ایکسائٹمنٹ ختم ہو گئی تھی۔
''تمہیں پتا ہے سونیا، ضمیر کی چبھن اور خلش بہت بری چیز ہے اور الحمدللہ میں اس قسم کی تکلیف سے کبھی نہیں گزری، ہر رات اس سکون کے ساتھ سوتی ہوں کہ کسی انسان کو میں نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، ہر صبح اس احساس کے ساتھ جاگتی ہوں کہ مجھ پر کسی کا کوئی قرض نہیں ہے۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولی۔
''تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔'' اس نے کال ڈسکنکٹ کر دی۔

☆☆☆

''ڈاکٹر نے کہا ہے مجھے شدید ویک نیس ہے۔'' وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے اس پر کام کر رہا تھا جب اس نے پاس آ کر بتایا۔
''تو مت لاپرواہی کرو، خیال رکھا کرو اپنا۔'' اس نے نظریں ایک پل کے لئے بھی لیپ ٹاپ سے نہیں ہٹائیں تھیں۔

''ڈاکٹر نے یہ بھی کہا ہے کہ ٹینشن نہ لیا کروں، یہ میرے اور بے بی کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے مزید بتایا۔

''تو مت لیا کرو ٹینشن۔'' اس نے لمحہ بھر کو نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا میں خود ٹینشن لیتی ہوں؟''

''یہ تو تمہیں پتا ہو۔'' اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

ارشمان آپ تو یاد ہے آپ کہتے تھے، ہمارا بچہ ساری دنیا سے زیادہ اہم اور خاص ہو گا۔'' کاش اس کے لہجے کے کرب کو محسوس کر لیتا۔

''آف کورس میں اب بھی یہی کہہ رہا ہوں۔'' مگر اس کا سپاٹ انداز تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

''ہاں یاد آیا، میں پرسوں ایک ہفتے کے بزنس ٹور پر اسلام آباد جا رہا ہوں، تم ماموں کی طرف چلی جانا۔'' اس نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا۔

''ایک ہفتہ؟'' اس نے زیر لب کہا۔

''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ فوراً بولی۔

''تم...... تم کیسے؟ میرا مطلب ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے، میں بس آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ ضد پر اتر آئی۔

''میں تمہیں نہیں لے جا سکتا، ساتھ میں آفس کے ایمپلائز بھی ہوں گے۔'' اس نے جھٹ کہا۔

''میں اس کنڈیشن میں تمہیں نہیں لے جا سکتا۔'' اس نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

''صاف کہیں مجھے لے جانا نہیں چاہتے۔'' وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

''تم جو مرضی سمجھو۔'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

کتنا بدل گیا تھا ارشمان، کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا، اس کی اتنی فکر اور پرواہ کرنے والے کو اب اس کی کچھ ہوش ہی نہ تھا، وہ اس کی محبت کو یاد کر کے روتی رہتی، اب بھی اسے تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

وہ ایک ہفتہ اس نے سولی پر لٹک کر گزارا تھا، اپنی کیفیت کو ماما سے چھپانا مشکل ہو گیا تھا، ارشمان نا کال رسیو کرتا، نہ اس کے میسج کا جواب دیتا۔

سنو محسن ملے ہمدم تو بس اتنا اسے کہنا
بنا تیری محبت کے وہ پاگل جی نہیں سکتی

اس نے میسج لکھ کر اسے سینڈ کیا مگر کوئی جواب نہ آیا۔

''ارشمان کاش آپ کو اندازہ ہو کہ میں کس تکلیف سے گزر رہی ہوں، آپ کی بے رخی مجھے اندر ہی اندر ختم کر رہی ہے۔'' آدھی رات کا وقت تھا، مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''کہیں ارشمان کی زندگی میں کوئی اور......'' اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ سکی، اس کی روح تک کانپ گئی۔

''نہیں نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے، ارشمان تو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔'' اس نے خود کو خود ہی تسلی دی۔

''مگر پھر کیا بات ہے، وہ کیوں میرے ساتھ ایسا کر رہے ہیں؟ آئیں گے تو میں دوٹوک بات کروں گی۔'' تمام رات اس نے بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے گزاری تھی۔

''ارشمان کب آئے گا؟'' اگلی صبح ناشتے کے دوران اچانک پاپا نے پوچھا تھا۔

''ایک ہفتے کا کہہ کر گئے تھے۔'' اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''اچھا۔'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئے، زرنش نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''کام تو اتنا زیادہ نہ تھا، ایک آدھ دن میں نمٹایا جا سکتا تھا، میں نے یہ آفس پورے کا پورا اس کے حوالے کر دیا ہے، کبھی پلٹ کر پوچھا نہیں، کیونکہ مجھے یقین ہے وہ احسن طریقے سے سب کچھ سنبھال رہا ہے مگر اب......''

''مگر اب کیا؟'' راحت بیگم فوراً بولیں۔

''وہ تھوڑا لاپرواہ ہو رہا ہے، مجھے ایک سینئر ورکر نے بتایا ہے کہ سر آج کل زیادہ تر آفس سے باہر رہتے ہیں، آفس کو کم ٹائم دے رہے ہیں، ایسے تو میرا سارا سرمایہ ڈوب جائے گا راحت، مگر اب اس سے رشتہ ایسا بن گیا ہے کوئی بھی بات کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنا پڑتا۔'' اسے اندیشوں کے سپرد کر کے پاپا آفس چلے گئے تھے، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں بولائی بولائی پھر رہی تھی۔

☆☆☆

''السلام علیکم!'' ارشمان واپس آ گیا تھا، وہ ڈرائیور کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔

''وعلیکم السلام!'' ایک ہفتے بعد مل رہا تھا مگر انداز وہی سرد اور سپاٹ ذرا بھی گرمجوشی نہ تھی۔

''کیسا رہا ٹور؟'' اس نے استفسار کیا۔

''بڑی تھکا دینے والا۔'' وہ وارڈ روب میں گھسا ہوا تھا۔

''اچھا۔'' وہ اس کی پشت کو گھور کر رہ گئی۔

''مگر پاپا تو کہہ رہے تھے کہ کوئی اتنا زیادہ کام نہیں تھا، ایک آدھ دن میں نمٹا سکتے تھے، تو پھر باقی دن کہاں رہے آپ؟'' اس کی بات سے وہ سناٹے میں آ گیا۔

''کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' وہ تیزی سے مڑا۔

''وہی جو آپ سمجھ رہے ہیں۔'' اس نے بھی آج بات کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔

''جانتی ہو نا شوہر تھک کر آیا ہے، آتے ہی بحث شروع، یہ اچھی بیویوں کے طریقے نہیں ہوتے۔'' اس نے جان چھڑانا چاہا۔

''شوہر کو احساس ہے کہ بیوی نے ایک ہفتہ کس اذیت میں گزارا؟'' وہ اس کے قریب آ گئی۔

''اینڈ بائے دا وے شوہروں کو یہ تو پتا ہوتا ہے کہ اچھی بیوی کیسے بنا جاتا ہے، یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ اچھا شوہر کسے کہتے ہیں۔'' اس نے طنز کیا۔

''بہت تھکا ہوا ہوں، فضول باتوں کا جواب نہیں ہے میرے پاس۔'' وہ واپس مڑا، زرنش نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''جواب تو آپ کو دینا پڑے گا میرے سوالوں کا۔'' وہ سختی سے بولی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' اس نے زور سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اسے خود سے دور ہٹایا۔

''آہ۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل میں جا لگی۔

''اوہ، آئے ایم سوری۔'' وہ آگے بڑھا۔

''دور رہیں مجھ سے، مجھے آپ کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب آنے سے روکا۔

''ایز یو وش۔'' وہ واش روم میں گھس گیا۔

''کیا کروں؟ کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا، کیا ماما کو بتاؤں، یا پھر پھپھو کو۔'' سوچ سوچ کر دماغ شل ہو رہا تھا، وہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی کہ ارشمان کے موبائل پر کال آنے لگی، اس نے دیکھا موبائل بیڈ پر ہی پڑا تھا۔

”ہیلو! ہاں ارشمان پہنچ گئے تم گھر؟“ اس سے پہلے کہ وہ بولتی، دوسری طرف سے کوئی لڑکی بڑی بے تکلفی سے پوچھ رہی تھی۔

”یار میرا چارجر تمہارے بیگ میں رہ گیا ہے وہ شال بھی جو مال روڈ سے تم نے مجھے خرید کر دی تھی۔“ اس کے اردگرد دھماکے ہونے لگے تھے۔

”ارشمان تم بول کیوں نہیں رہے؟“ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

”اچھا تمہاری بیوی پاس ہو گی۔“ وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

”بیوی تو میں بھی ہوں تمہاری مگر......“

واش روم کا دروازہ کھلا تھا، ارشمان کی نظر اس پر پڑی، وہ گھبراہٹ میں آگے بڑھا، سیل فون زرنش کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا اور آف ہو گیا۔

”کس کی کال تھی؟“ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

”تو یہ تھا آپ کا نیا پراجیکٹ، آپ کی مصروفیت، اس پر کر رہے تھے آپ انویسٹ۔“ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، اس نے موبائل فون اٹھا کر اسے آن کیا۔

”آپ کی بیوی کی کال تھی، اس کا چارجر اور شال جو آپ نے مال روڈ سے خرید کر دی وہ آپ کے بیگ میں رہ گئی، اسے چاہیے تھی۔“ اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

”دیکھو زرنش، ہم آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ وہ اس کے قریب آیا اور اپنا ہاتھ اس کے شانوں پر رکھنا چاہا۔

”دور رہیں مجھ سے۔“ وہ زور سے چلائی۔

”اتنا سب کچھ کر کے بھی آپ آرام سے بات کرنا چاہتے ہیں، اوہ میرے خدا! میں کتنی بے وقوف ہوں، سب کچھ تو واضح تھا، پھر مجھے پہلے کیوں نا پتا چلا، میں نے آپ پر اندھا اعتبار کیا اور آپ نے مجھے اندھا سمجھ کر بے وقوف بنایا۔“ وہ خاموش کھڑا تھا۔

”میں...... میں...... آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ وہ پیچھے ہٹنے لگی۔

”دیکھو زرنش! میں......“

”مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی، چلے جائیں یہاں سے، دور ہو جائیں میری نظروں سے۔“ ارشمان اس اچانک افتاد کے لئے بالکل تیار نہیں تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

”دیکھو، تم میری اولین محبت......“

”او، شٹ اپ مسٹر ارشمان احمر، میں مر نہیں رہی تمہاری محبت کے لئے۔“ وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔

”مجھ سے بات نہ کرو۔“ اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔

”اونہہ محبت، مائی فٹ۔“ اس نے غصے سے سر جھٹکا۔

”بہت شوق تھا آپ کو افیئر چلانے کا، میں ہی پاگل تھی، بھول بیٹھی، لیکن اب......“ اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا، ارشمان کی بے وفائی نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

”مجھے پتا ہی نہ چلا کب اور کیسے یہ ہو گیا، وہ ایسے میری زندگی میں آئی کہ مجھے کچھ خبر نہ ہوئی اور جب علم ہوا تو میں...... بہت آگے نکل چکا تھا، واپسی میرے لئے ممکن نہ تھی۔“ اس نے تھک کر اعتراف جرم کیا۔

”شرم آنی چاہیے تمہیں اپنے کارنامے سناتے ہوئے، مگر نہیں، شرم آتی تو یہ سب نہ کرتے، میرا نہیں تو اپنے بچے کا خیال کر لیتے۔“ اس نے تمام ادب اور لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

”تم ایک مرتبہ میری بات سن لو۔“ وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

”میں اب کبھی بھی تمہاری بات نہیں سنوں گی، کہنے سننے کا وقت گزر گیا، میں کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں ہوں جس کے ساتھ جیسا مرضی سلوک کرو برداشت کر لے گی۔“ اس کی آواز بھرانے لگی۔

”نہ میں ان عورتوں میں سے ہوں جو مرد کی بے وفائی کے باوجود اس کے ساتھ رہنا اور سمجھوتہ کرنا عقلمندی سمجھتی ہیں، میں جا رہی ہوں یہ گھر...... ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر، میں کبھی یہاں نہیں آؤں گی۔“ وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

”دیکھو زرنش ایک دفعہ ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرو، جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔“ وہ جانتا تھا اگر یہ بات سب کو پتا چلی تو قیامت آ جائے گی۔

”میرے گھر میں آگ لگا کر، میرا سب کچھ راکھ بنا کر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی بات کرتے ہیں۔“ وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

”ہٹو میرے راستے سے۔“ اس نے اسے ہٹانا چاہا۔

”تمہیں میری بات سننا ہو گی۔“ وہ اس کو روکتے ہوئے بولا۔

”ہٹ جاؤ، مجھے جانے دو۔“ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھانے لگی۔

”ماما...... ماما...... پاپا۔“ وہ تیورا کر گری تھی، ارشمان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

☆☆☆

”آخر اچانک کیا ہو گیا؟ ہماری طرف سے تو صحیح سلامت گئی تھی۔“ ہاسپٹل میں اس وقت ارشمان کے ساتھ ماما، پاپا کھڑے تھے۔

”اچانک ہی طبیعت خراب ہوئی ہے۔“ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا، اسے زرنش سے اتنے شدید ری ایکشن کی توقع نہ تھی۔

”ڈاکٹر کیسی ہے میری بیٹی؟“ آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا پاپا تیر کی تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

”دیکھیں رضا صاحب، اس کو کوئی شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے، ہم پوری کوشش کر رہے ہیں وہ ہوش میں آ جائے مگر ایسے Patient کی Recovery اس کی will power پر lepeud کرتی ہے اور وہ ہوش میں آنا ہی نہیں چاہتی۔“ ڈاکٹر آگے بڑھ گیا تھا۔

”ارشمان مجھے سچ سچ بتاؤ اسے کیا ہوا ہے؟“ پیچھے کھڑا وہ سب سن رہا تھا، ان کی بات سے وہ بوکھلا گیا۔

”میں...... بھلا کیا کہوں گا، آپ جانتے ہیں میں تو آج ہی ایک ہفتے بعد اسلام آباد سے ابھی کچھ دیر پہلے لوٹا ہوں۔“ اس نے لہجے کو حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے؟“ وہ تیکھے پن سے بولے۔

”نہیں، بس وہ کچھ خفا تھی کہ میں اتنے دن وہاں کیوں رہا۔“ اسے لگ رہا تھا کہ یہ بات زیادہ دیر نہیں چھپے گی، ان دیکھے طوفان اسے اپنی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔

”عفت کو فون کرو، فوراً واپس آئے۔“ وہ تحکمانہ لہجے میں بولے۔

”جی!“ اس نے سعادتمندی سے سر جھکایا، ماما ہاتھ میں تسبیح پکڑے بیٹھی پڑھ رہی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دوپٹے سے آنسو پونچھ لیتیں۔

☆☆☆

''عفت اس سے پوچھو اس نے میری بیٹی کو کیا کہا ہے کہ وہ ان حالوں کو پہنچ گئی اور ہوش میں ہی نہیں آنا چاہتی۔'' پھپھو کو جیسے ہی اس کی طبیعت کی خبر ملی، پہلی فلائٹ سے واپس پہنچیں۔

''یہ کیا کہے گا؟'' وہ بھائی کی بات سے حیران ہوئیں۔

''مبارک ہو، زرنش کو ہوش آ گیا ہے۔'' نرس تیزی سے باہر آئی اور ان کو خوشخبری سنائی۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' ماما فوراً سجدے میں گر گئیں۔

''کچھ ہی دیر میں آپ لوگ اس سے مل سکیں گے۔'' وہ بتا کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا حال ہے میری گڑیا کا؟'' پاپا اس کے پاس آئے اس کے چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں، آنکھوں کے نیچے ہلکے پڑے ہوئے تھے، پاپا نے اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا۔

''اب کیسا محسوس کر رہی ہو بیٹا؟'' ماما نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ خالی خالی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے بیٹا؟'' پھپھو آگے بڑھیں۔

''میں کچھ دن کے لئے گھر سے باہر گئی تو یہ میرے پیچھے کیا ہو گیا، ارشان ادھر آؤ نا ذرا۔'' وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا، زرنش نے بازو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا، ماما پاپا نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیزی سے دیکھا تھا۔

''میں کہہ کر گئی تھی نا کہ میرے بعد زرنش کا بہت خیال رکھنا، پھر یہ سب۔'' انہوں نے تنبیہی نظروں سے بیٹے کو گھورا۔

''آئی ایم سوری امی!'' وہ آہستہ سے بولا۔

''ماما! مجھے سونا ہے۔'' [illegible] اس کی اس بات کا مفہوم سب سمجھ گئے تھے، ارشان باہر نکل گیا اس کے پیچھے ہی پاپا اور پھپھو بھی نکل گئے۔

''کیا ہوا تھا میری بیٹی کو؟ کس بات کا صدمہ لے لیا؟'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بال سنوارنے لگیں۔

''ماما!'' اس نے بازو آنکھوں سے ہٹایا۔

''جی ماما کی جان۔'' انہوں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں درد کا ایک سمندر موجزن تھا۔

''کیا بات ہے، ارشان نے کچھ کہا ہے؟'' وہ نرمی سے بولیں۔

''سب ختم ہو گیا ماما۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

''خدانخواستہ۔'' ماما کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

''مجھے سونے دیں۔'' اس نے بازو دوبارہ آنکھوں پر رکھ لیا، پھر ماما، پاپا اور پھپھو نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔

دوسری طرف ارشان بھی خاموش تھا، دونوں ہی کچھ نہ بتا رہے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟ ایسا کیا کہا ہے ارشان نے کہ زرنش کی ایسی حالت ہو گئی، تم پوچھو اس سے، مجھ سے اس کی یہ حالت نہیں دیکھی جا رہی۔'' پاپا زرنش کے متعلق بات کر رہے تھے، دونوں ہی بے حد فکر مند تھے، کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا اسے کیا ہوا ہے، ان کا چین، سکون ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اسے ہوسپٹل سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا، مگر اس کی چپ کا قفل نہ ٹوٹا، ماما اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں، ابھی بھی اس کے پاس بیٹھیں، اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

''مجھے بہت عرصے سے محسوس ہو رہا تھا

ارشان پہلے جیسے نہیں رہے پہلے ان کی روٹین بدلی، پھر طور طریقے، انداز اور اب تو......'' وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

''اب کیا بیٹا؟'' ماما جلدی سے بولیں۔

''اب تو مجھ سے بات کرنے کا اسٹائل ہی بدل گیا، بات بات پر ڈانٹتے، مجھے اگنور کرتے۔'' ہینڈل گھماتا پاپا کا ہاتھ رک گیا۔

''میں نے کتنی بار سوچا آپ سے شیئر کروں، مگر پھر سمجھ نہیں آئی تھی کیا کہوں؟ کیونکہ میرے اپنے ہاتھ کوئی سرا نہ لگ رہا تھا، مگر پرسوں، سب گتھیاں سلجھ گئیں۔'' باہر پاپا دم سادھے کھڑے تھے۔

''ارشان نے دوسری شادی کر رکھی ہے ماما۔'' ماما کو لگا ساتوں آسمان ان کے سر پر گر پڑے ہوں، پاپا گرنے لگے تھے، انہوں نے جلدی سے دیوار کو تھام لیا۔

''یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ارشان ایسا کیسے کر سکتا ہے؟'' ان کی آواز لرز رہی تھی۔

''شروع میں، میں بھی یہی سوچتی تھی کہ ارشان ایسا کیسے کر سکتے ہیں، مگر ماما مرد جب ان راہوں پر چل نکلتا ہے نا تو سب کچھ اس کے لئے ممکن ہو جاتا ہے۔'' اس کے لہجے میں کرب وہ صاف محسوس کر سکتی تھیں۔

پاپا ایک دم وہاں سے ہٹے تھے۔

''عفت!'' وہ بہن کے گھر میں آندھی طوفان کی طرح داخل ہوئے تھے۔

''عفت!'' وہ گرجدار آواز میں بولے تھے۔

''کیا بات ہے ماموں!'' ارشان سامنے سے آتا دکھائی دیا۔

''امی نماز......''

''ذلیل، کمینے۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''تو یہ تھی تمہاری شرافت، سعادتمندی، احسان فراموش لڑکے۔'' وہ غصے سے دھاڑے۔

''ماموں میری بات......''

''بند کرو اپنی بکواس۔'' وہ پھنکارے۔

''میری بیٹی کو ان حالوں تک پہنچا کر خود سکون اور مزے سے پھر رہے ہو۔'' انہوں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''کیا ہوا رضا بھائی؟'' عفت اندر سے تیزی سے نکلی تھیں۔

''یہ تو تم اس سے پوچھو، مگر میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔'' اب وہ اس کی طرف مڑے۔

''جس جائیداد پر تم عیش کر رہے ہو یہ سب کچھ میرا ہے، تمہارا باپ تمہارے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرا، میں اپنا سب کچھ تم سے ابھی اسی وقت واپس لے رہا ہوں، سڑک پر آؤ گے تو رشتوں کی اہمیت کا اندازہ ہو گا، میری بیٹی کوئی لاوارث نہیں تھی کہ تم نے یوں خاموشی سے دوسری شادی کر لی اور......''

''دوسری شادی؟'' حیران و پریشان کھڑی عفت بیگم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں رضا بھائی؟'' وہ شاکڈ تھیں۔

''اپنے صاحبزادے سے پوچھو۔'' وہ باہر نکل گئے۔

''یہ سب کیا ہے ارشان؟'' وہ اس کی طرف مڑیں۔

''امی میری بات سنیں۔'' اس نے لجاجت سے کہتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ تھامے۔

''سونیا بہت اچھی......''

''شٹ اپ ارشان!'' ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا تھا۔

''اس عمر میں مجھے بھائی کے سامنے ذلیل کروادیا، ساری عمر وہ تمہیں اس لئے پالتے رہے کہ تم ان کی بیٹی کو ٹھکرا کر...... اوہ میرے خدا۔'' وہ سر تھام کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

''زرنش کی آنکھ میں وہ ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتے، شادی کے پندرہ سال بعد بہت منتوں اور مرادوں سے پیدا ہوئی تھی، بھائی کی تو آنکھوں کا تارا ہے، وہ تمہیں ہرگز معاف نہ کریں گے، نہ ہی میں۔'' آخر میں وہ غصے سے بولیں۔

''امی پلیز ایک بار میری بات سن لیں۔'' وہ منت کرنے لگا۔

''دور ہو جاؤ میری نظروں سے اور اب تب ہی میرے سامنے آنا جب اسے طلاق دے دو۔''

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تمہیں ایسا کرنا پڑے گا، ورنہ تمام رشتے بکھر جائیں گے، ٹوٹ جائیں گے۔'' وہ رو رہی تھیں۔

''ایسا کرنے سے میں ٹوٹ جاؤں گا امی!'' اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی۔

''تمہیں شرم آنی چاہیے، تمہاری بیوی اس وقت کس حالت میں ہے، بجائے اس کا خیال رکھنے کے تم اسے ٹینشن دے رہے ہو، وہ پھول سی بچی بالکل کملا کر رہ گئی ہے۔'' انہوں نے اسے احساس دلانا چاہا، مگر اس پر فی الحال کسی بات کا اثر ہوتا دکھائی نہ دے رہا تھا۔

''امی سب ٹھیک......''

''خبردار مجھے امی کہا تو۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

''دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' چند ثانیے کھڑا وہ انہیں دیکھتا رہا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''بہت برا ہوا سونیا۔'' وہ اس کے پاس فلیٹ پہ آیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ آئینے کے سامنے بیٹھی میک اپ کر رہی تھی۔

''میری فیملی کو اس شادی کا علم ہو گیا ہے۔'' وہ بہت پریشان تھا۔

''بس اتنی سی بات۔'' وہ بے فکری سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے، ایک طوفان آیا ہوا ہے وہاں، تم سے کس نے کہا تھا آدھی رات کے وقت مجھے کال کرو۔'' وہ بہت زیادہ پریشان تھا، مگر دوسری طرف وہ خوش تھی۔

''میں تمہاری قانونی اور جائز بیوی ہوں، کب تک یوں چھپ چھپ کر تنہا زندگی گزاروں، تمہیں مجھے اپنی فیملی سے انٹروڈیوس کروانا ہو گا۔'' وہ ایک مرتبہ پھر وہی ضد کرنے لگی تھی۔

''میری فیملی تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے، زرنش تو اپنے پیرنٹس کے گھر چلی گئی ہے تو یہ موقع بہت اچھا ہے، تم مجھے اپنے گھر لے جاؤ، تمہاری امی مجھے قبول کریں گی تو باقی مراحل آسان ہو جائیں گے۔'' اس نے پلان ترتیب دیا۔

''امی تو فی الحال میری شکل بھی دیکھنے کو تیار نہیں ہیں، انہوں نے مجھے بھی گھر سے نکال دیا ہے۔'' اس کی بات پر پہلی مرتبہ سونیا کو تشویش

ہوئی تھی، وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

''تم فکر مت کرو، ماؤں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں، جلد وہ تمہیں معاف کر دیں گی۔'' اس سے زیادہ وہ خود کو تسلی دے رہی تھی، وہ آنکھیں موندے خاموش لیٹا ہوا تھا، کوئی جواب نہ دے سکا۔

☆☆☆

''بیٹا! اٹھو سوپ پی لو۔'' وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

''پاپا دل نہیں کر رہا۔'' وہ پست آواز میں بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی اور چادر درست کرنے لگی۔

''پاپا اپنی گڑیا کو اپنے ہاتھ سے سوپ پلائیں گے۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئے۔

''ایک بات کہوں پاپا؟'' وہ ان کے ہاتھ سے سوپ پی رہی تھی۔

''تم کہو پاپا کی جان۔'' وہ پدرانہ شفقت لہجے میں سموئے ہوئے بولے، بیٹی کی تکلیف انہیں دل میں محسوس ہو رہی تھی۔

''پھپھو جان آپ کی بہن ہیں، بہت دکھی اور تنہا ہیں، ان سے ناراض مت ہوں، ان کا تو اس سارے واقعے میں کوئی قصور نہیں ہے۔'' اس کی بات سن کر وہ حیرت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

''یہ سب اس کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔'' ان کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''اس نالائق نابکار کو سبق نہ سکھایا تو میرا نام رضا حسین نہیں ہے، دیکھنا کیسے تمہارے سامنے ناک رگڑے گا۔'' وہ غصے میں آ گئے تھے۔

''نہیں پاپا۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔

''مجھے اب اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنی، اس نے میرا بہت دل دکھایا ہے، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ کس کرب سے گزر رہی تھی وہ اچھی طرح جانتے تھے، سو اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

''آپ وعدہ کریں پاپا، کبھی فورس نہیں کریں گے مجھے۔'' اس نے ٹشو سے منہ صاف کیا۔

''میں تمہارے ہر فیصلے میں تمہارا ساتھ دوں گا، کبھی بھی خود کو کمزور اور تنہا مت سمجھنا۔'' اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ باہر نکل گئے تھے۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی ارشان، تم نے میرے اعتماد کا خون کیا ہے، میرے ماما اور پاپا کو ہرٹ کیا ہے، میرے بچے کو اگنور کیا ہے، ان سب زیادتیوں کے لئے میں تم کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی تھی، ماضی کی پٹاری کھولی تو بہت سے یادوں کے ناگ اسے ڈسنے لگے تھے۔

یہ تم سے کہہ دیا کس نے
کہ تم بن رہ نہیں سکتے
یہ دکھ ہم سہہ نہیں سکتے
چلو ہم مان لیتے ہیں
کہ تم بن ہم بہت روئے
کتنی راتیں نہیں سوئے
مگر افسوس ہے جاناں
کہ اب کہ تم جو لوٹو گے
ہمیں تبدیل پاؤ گے
بہت مایوس ہو گے تم
اگر تم پوچھنا چاہو
کہ ایسا کیوں کیا ہم نے
لو سن لو غور سے جاناں
پرانی اک روایت تنگ آ کر توڑ دی ہم نے
محبت چھوڑ دی ہم نے

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

''بس تم سے محبت نہیں کرتی...... مجھے اب کبھی تم سے بات نہیں کرنی۔'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ

کراس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

☆☆☆

''سونیا!'' وہ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' وہ شام کو گھر آیا تو بہت پریشان تھا۔

''کہو۔'' اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''ماموں جان نے تمام اکاؤنٹس فریز کروا دیئے ہیں، مجھ سے گاڑی واپس لے لی ہے اور اب......'' وہ قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''اب؟'' اس کے لئے ایک لمحہ بھی انتظار کرنا دشوار ہو گیا تھا۔

''اب انہوں نے یہ فلیٹ بھی خالی کرنے کو کہا ہے۔'' وہ بدقت تمام بات مکمل کر پایا۔

''تو کیا یہ سب تمہارے ماموں کا تھا؟'' اس کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا۔

''ہاں، میری پیدائش سے دو ماہ پہلے میرے فادر کا انتقال ہو گیا تھا، ماموں جان نے تب سے اب تک ہمارا خیال رکھا، میرے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے، یہ سب......''

''تو کیا تمہارا باپ کنگلا تھا؟ تمہارے ماموں اتنے امیر اور......'' وہ اس کی بات کاٹ کر کس قدر بدتمیزی سے بولی۔

''میرے ابو کو کینسر تھا، اس کے علاج میں سب کچھ بک گیا، امی ابو کی یہ لو میرج تھی، میری امی نے دوبارہ شادی نہیں کی۔'' اس نے تمام تفصیل بتائی۔

''Its meens یہ ساری سپر لگژری لائف صرف نظروں کا دھوکہ تھا۔'' اسے تو اپنا نقصان رلا رہا تھا۔

''میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ......'' اسے بات کرنا نہایت مشکل نظر آ رہا تھا۔

''ہم تمہاری جیولری بیچ دیتے ہیں، میرے پاس اس وقت اور کوئی راستہ نہیں ہے۔'' کچھ جھجکتے ہوئے اس نے آخر کہہ ہی ڈالا۔

''ہرگز نہیں، میں اپنی جیولری کسی قیمت پر نہیں دوں گی۔'' اس نے صاف جواب دے دیا۔

''میں بہت پریشان ہوں سونیا۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

''میں خود پریشان ہوں۔'' وہ دوبدو بولی۔

''تمہیں جیولری مجھ سے زیادہ عزیز ہے؟'' اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما، جسے اس نے فوراً جھٹک دیا۔

''تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا نکلے۔'' وہ غصے سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''دھوکہ؟'' اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔

''تمہاری وجہ سے میرا سارا خاندان مجھ سے دور ہو گیا، تم کہہ رہی ہو، مائی گاڈ!'' اسے سونیا کے رویے نے بری طرح ہرٹ کیا تھا۔

''بہت دکھ ہے نا تمہیں خاندان کے دور جانے کا، تو جاؤ چلے جاؤ ان کے پاس۔'' وہ زور سے چیخی۔

''کیا سمجھا تھا تمہیں اور کیا نکلی تم۔'' وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

''ہاں اب تمہیں میرے عیب ہی نظر آئیں گے، میری وجہ سے اتنی لگژری زندگی جو ہاتھوں سے نکل گئی۔'' وہ زہر خند ہوئی۔

''مجھے دولت کی ہوس نہیں ہے، محبت اہم ہے میرے لئے، مگر آج پتا چلا تم کو مجھ سے محبت

نہیں تھی، بلکہ میرے اسٹیٹس سے پیار تھا۔''

نقصان تو ہر طرف سے اس کا ہوا تھا، اس نے نفرت کا ایسا جال بچھایا کہ ارشمان اس میں پھنستا چلا گیا، کچھ ہوش ہی نہ رہا اور اپنے ہاتھوں اپنا ہنستا بستا گھر برباد کر بیٹھا۔

☆☆☆

''کس کی اجازت سے میرے گھر میں داخل ہوئے ہو؟'' وہ سب اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے، پھپھو بھی ادھر آئی ہوئی تھیں، اچانک پاپا کی نظر اس پر پڑی۔

''میں اپنی بیٹی کو دیکھنے آیا ہوں۔'' وہ ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا، بیٹی کی پیدائش کا سنتے ہی وہ اڑا چلا آیا تھا۔

''گیٹ آؤٹ فرام مائی ہاؤس۔'' وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور انگلی سے باہر کی جانب اشارہ کیا۔

''رضا ٹھہریں، باپ ہے وہ اس بچی کا۔'' ماما کھڑی ہو گئیں۔

''مر گیا ہے اس کا باپ۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولے۔

''خدا نہ کرے۔'' عفت بیگم نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''دفعہ ہو جاؤ اور دوبارہ میرے گھر میں قدم مت رکھنا۔'' زرلش سر جھکائے بیٹھی تھی، آج اتنے عرصے بعد اسے سامنے دیکھ کر بہت سے پرانے زخموں سے کھرنڈ اترنے لگا تھا۔

''میں مانتا ہوں میں نے غلطی کی ہے، مگر میری بیٹی کو......'' وہ آگے بڑھا۔

''خبردار، وہیں رک جاؤ۔'' اس کے بڑھتے قدم وہیں تھم گئے۔

''میری بیٹی تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی، پھر اس کی اولاد پر بھی تمہارا کوئی حق نہیں۔'' وہ درشتی سے بولے۔

''زرلش! پلیز ایسا مت کرو میرے ساتھ۔'' وہ اس کے قریب آیا۔

''پاپا اس شخص سے کہیں یہاں سے چلا جائے، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، مجھے اور میری بیٹی کو اس کی اب ضرورت نہیں ہے مجھے......'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بول رہی تھی۔

''مجھے طلاق چاہیے۔''

''زری!'' ماما خوفزدہ ہو کر ارشمان کی طرف دیکھنے لگی تھیں، وہ لب بھینچے کھڑا تھا، وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''سن لیا تم نے؟'' پاپا زور سے بولے، وہ خالی خالی نظروں سے ان سب کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔

''دوبارہ بھول کر بھی یہاں قدم نہ رکھنا، ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔'' اس نے ایک شکوہ کناں نظر امی پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

''میں مانتی ہوں ارشمان نے بہت زیادتی کی ہے، مگر بھائی صاحب اس طرح اپنے ہاتھوں بیٹی کا گھر مت برباد کریں۔'' عفت بیگم اٹھ کر ان کے قریب آئیں۔

''میری بیٹی کا گھر برباد ہو چکا، اس نے بہت رو لیا، میں مزید اسے رونے نہیں دوں گا، تمہارے بیٹے نے کیا سمجھا تھا اسے۔'' وہ کسی طور اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔

''میں جب سوچتا ہوں میری بیٹی نے اتنا وقت تنہا اذیت میں گزارا، میرا دل کٹنے لگتا ہے، میں تمہارے بیٹے کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''عابدہ بہت برا ہوا میرے ساتھ۔'' آج

بہت دنوں کے بعد اس نے عابدہ کو کال کی تھی۔
''کیسے؟'' وہ پوچھنے لگی۔
''جس شخص کو کروڑ پتی سمجھ کر میں نے اس کو اپنے دام الفت میں پھنسایا، اس سے شادی کر کے مجھے لگا میرے تمام دکھ ختم ہو گئے، مگر عابدہ وہ تو......'' اس کی آواز بھرا گئی۔
''وہ تو کیا سونیا؟'' وہ تیزی سے بولی۔
''وہ ٹٹ پونجیا نکلا، ماموں کی جائیداد پر عیش کر رہا تھا، جب انہیں اس کی شادی کا علم ہوا تو سب کچھ واپس لے لیا، اب ارشان ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کر رہا ہے اور ہم کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں۔'' اس نے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی۔
''خوشیاں دولت سے مشروط نہیں ہوتیں سونیا، وہ تمہاری وجہ سے جو دکھ اٹھا رہا ہے ان کا ازالہ تم اپنی محبت سے کر سکتی ہو، اس کو مایوس نہ کرنا۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح سمجھایا۔
''اونہہ محبت۔'' وہ استہزائیہ انداز سے بولی۔
''مجھے کبھی بھی ارشان سے محبت نہیں تھی، سچ بتاؤں بناء دولت کے مجھے زہر لگنے لگا ہے، مگر کیا کروں۔''
''واہ واہ واہ۔'' تالی کی آواز پر وہ چونک کر مڑی اور اپنے سامنے کھڑے ارشان کو دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔
''تو یہ تھی تمہاری محبت کی اصلیت۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔
''ارشان میں......'' اس نے موبائل کان سے ہٹایا۔
''خبردار میرا نام بھی لیا تو، دھوکے باز، ڈرامے باز عورت۔'' اس نے اس کا ہاتھ اس زور سے پکڑا کہ انگلیاں گوشت میں پیوست ہونے لگیں۔
''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' وہ خوف سے چلائی۔
''وہ تو چھوڑ ہی دوں گا۔'' وہ پتھریلے لہجے میں بولا۔
''کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟ بتاؤ۔'' اس نے اس کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔
''کیوں برباد کیا میرا ہنستا بستا گھر، میری بیوی، جو میری اولین محبت تھی مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتی، میں اپنی بیٹی کی شکل دیکھنے کو ترس گیا ہوں، صرف تمہاری وجہ سے۔'' اس نے اسے دھکا دیا وہ دیوار سے جا لگی۔
''تم نے خود مجھے پرپوز کیا تھا۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔
''ہاں!'' وہ تیز تیز سانس لے رہا تھا۔
''مجھے ادائیں کس نے دکھائیں تھیں؟'' وہ سرد لہجے میں بولا۔
''اگر تم اتنے اچھے تھے، اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتے تھے تو اگنور کرتے مجھے، یا ڈانٹ دیتے۔'' اس نے اس کی غلطی کی نشاندہی کی۔
''بہک گیا تھا میں، تمہارے بہکاوے میں آ گیا، شیطان کے بہکاوے میں آ گیا، یہ میں نے کیا کر دیا۔'' وہ انگلیاں بالوں میں پھنسائے کھڑا تھا، سونیا کی حالت خوف کے باعث غیر ہونے لگی۔
''مگر جب مرد بہکتا ہے ناں تو اس میں ہاتھ تو عورت کا بھی ہوتا ہے، اگر عورت اچھی اور شریف ہو تو مرد چاہے جتنا کرپٹ ہو عورت کے مضبوط کردار کے سامنے زیادہ عرصہ ٹھہر نہیں سکتا، مایوس ہو کر پلٹ جاتا ہے، لیکن اگر عورت تم جیسی فریبی ہو تو مرد رسوائی، بدنامی اور تباہی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے جیسے...... جیسے میں دھنس گیا ہوں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' اس نے

سونیا کی گردن دبوچ لی۔
''یہ کیا کر رہے ہو؟'' خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھ گئی۔
''چھوڑو مجھے۔'' اس کا سانس رکنے لگا۔
''مجھے مار کر جیل چلے جاؤ گے، تمہاری بیٹی...... ایک قاتل کی بیٹی کہلائے گی۔'' اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی تھی۔
''تم نے مجھے دھوکہ دیا، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' وہ دم سادھے کھڑی تھی۔
''تم نے میری بیوی کو مجھ سے دور کیا، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' وہ رفتہ رفتہ اس سے دور ہونے لگا۔
''باپ کے ہوتے ہوئے میری بیٹی باپ کے سائے سے محروم ہے، صرف تمہاری وجہ سے، اس لئے میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، دوبارہ بھی بھول کر بھی میرے سامنے مت آنا۔'' وہ گھر سے باہر نکل گیا۔
''میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔'' وہ جان بچ جانے پر شکر ادا کر رہی تھی، ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ بہت دیر تک خوف کے مارے وہیں کھڑی رہی۔

☆☆☆

اوائل فروری کی شامیں بے حد اداس گزر رہی تھیں، وہ سارا دن اپنی بیٹی کے ساتھ مصروف رہتی، ماما، پاپا نے اس کا بہت خیال رکھا تھا، وہ سنبھل گئی تھی، مگر رات کے آخری پہر میں کچھ زخم سلگنے لگتے تھے۔
''ماما موسم بدل رہا ہے، میں سوچ رہی ہوں ہادیہ کی کچھ شاپنگ کر لوں۔'' وہ ان کے پاس آئی تھی۔
''ٹھیک ہے، کل چلے جاتے ہیں۔'' انہوں نے جھٹ پروگرام ترتیب دیا۔
''ابھی نا چلیں؟'' اس نے ان کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔
''چلو تیار ہو جاؤ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''مگر ہادیہ کو کس کے پاس چھوڑیں؟'' وہ لب کچلتے ہوئے بولی۔
''عفت آپا کے پاس چھوڑ دیتے ہیں۔'' انہوں نے حل پیش کیا۔
''نہیں ماما۔'' وہ فوراً بولی۔
''ارشان تو گھر پر نہیں ہوتا، پھر کیا حرج ہے۔'' انہوں نے کہا۔
''ہاں۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
''پاپا ناراض نہ ہوں۔'' اسے اندیشے ستانے لگے۔
''تم فکر مت کرو، ان کے آفس سے آنے سے پہلے ہم واپس آ جائیں گے۔'' انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
''چلیں ٹھیک ہے۔'' اس کا دل تو نہ مان رہا تھا ہادیہ کو اس گھر میں چھوڑنے کا، جہاں سے وہ دھتکار کر نکالی گئی تھی، مگر مجبوراً ایسا کرنا پڑا، پھپھو ہادیہ کو اپنے گھر میں دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں۔

☆☆☆

دکھاں مینوں مار مکایا
سکھاں والے کال نی مائے
جندڑی میتھوں نبھدی ناہی
اک واری فیر پال نی مائے

(دکھوں نے مجھے ختم کر دیا اور سکھ بہت کم رہ گئے ہیں، زندگی مجھ سے نہیں گزاری جا رہی، اے ماں، ایک دفعہ پھر مجھے پالو)

اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے، عفت بیگم بھی جوان بیٹے کو روتا دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکیں اور آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا

لیا۔

"بس میرے بچے، تمہاری ماں ابھی زندہ ہے، میں بھائی صاحب کے قدموں میں اپنا دوپٹہ رکھوں گی، وہ تمہیں معاف کر دیں گے۔" ان کی آنکھوں میں بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔

"میں نے بہت غلط کیا زرنش کے ساتھ، وہ روتی تڑپتی رہی، مجھ سے شکوہ کرتی رہی کہ میں بدل گیا ہوں، مگر مجھ پر اس عورت نے ایسا جادو کر رکھا تھا کہ مجھے زرنش نظر ہی نہیں آتی تھی۔" وہ اونچا لمبا مرد ٹوٹ کر بکھرا تھا، اس کے آنسو ماں کے دامن میں جذب ہو رہے تھے۔

"میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ بہت برا کیا، میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں کتنا بدنصیب ہوں امی کہ میری بیٹی کو اس دنیا میں آئے ہوئے کئی مہینے گزر گئے، مگر میں ابھی تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکا۔" آج وہ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا میرے بچے۔" انہوں نے کمرے کی طرف دیکھا، ایک خیال ذہن میں آیا۔

"زرنش مجھے معاف تو کر سکتی ہے، مگر مجھ پر دوبارہ اعتبار نہیں کرے گی، امی میں مر جاؤں گا اس کے بغیر۔" اچانک ہادیہ نے گلا پھاڑ کر رونا شروع کر دیا۔

"یہ ...... یہ ...... ہادیہ ہے۔" وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا۔

"ہاں زرنش اور راحت بازار گئی ہیں اسے میرے حوالے کر کے۔" وہ اٹھ کر اندر گئیں وہ بھی ان کے پیچھے آیا۔

"میری بیٹی۔" وہ کاٹ کے قریب آیا اور اسے اٹھا لیا۔

"زرنش آ گئی تو مجھ سے خفا ہو گی۔" وہ اب بے اختیار ہو کر اس کو چوم رہا تھا۔

"اپنے بابا کو معاف کر دو بیٹا۔" اس کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو نکل کر ہادیہ کے اوپر گرا۔

"اپنی ماما سے مجھے معافی دلوا دو، میں اب تم لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ اسے لے کر بیٹھ گیا تھا، عفت اسے منع تو نہیں کر سکتیں تھیں، مگر پریشان ضرور تھیں۔

☆☆☆

"ماما جائیں آپ ہادیہ کو لے آئیں۔" گاڑی اس گھر کے سامنے رکی تو اس نے ان سے کہا۔

"او کے میں ابھی آئی۔" وہ گاڑی سے نیچے اتر گئیں، پانچ منٹ گزر گئے ان کی واپسی نہ ہوئی تو اسے تشویش ہونے لگی۔

"کہیں ارشان ہادیہ کو لے نہ گیا ہو۔" وہ جلدی سے گاڑی سے اتری اور گھر میں داخل ہو گئی۔

"ممانی پلیز اسے مجھ سے دور مت کریں، میں نہیں رہ سکتا اس کے بغیر۔" اس کی آواز زرنش کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اس کے اندیشے سچ ثابت ہوئے تھے۔

"تمہارے ماموں اور زری بہت ناراض ہیں، میں اس طرح اسے تمہارے پاس نہیں چھوڑ سکتی، لاؤ مجھے دو۔" وہ آگے بڑھیں تو وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"راحت یہ باپ ہے ہادیہ کا، اس حقیقت کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں جھٹلا سکتا۔" عفت بیگم پہلی بار بیٹے کی حمایت میں بولیں۔

"میں جھٹلا سکتی ہوں اس حقیقت کو پھپھو۔" اس کی آواز پر وہ تینوں چونکے تھے۔

"میں کسی جھوٹے فریبی اور دھوکے باز شخص کو اپنی بیٹی کا باپ نہیں مانتی، کل جب ڈاکٹر نے مجھے یہ کہا کہ ٹینشن مت لیا کرو تمہارے بچے کے لئے اچھا نہیں، تو اسی شخص نے کہا تھا کوئی انوکھا بچہ پیدا نہیں کر رہی، تو پھپھو جان یہ وہی عام سی ماں کا عام سا بچہ ہے، اس شخص سے کہیں میری بیٹی سے دور رہے۔" وہ دو قدم آگے آئی۔

"ماما اٹھائیں ہادیہ کو۔" اس نے انہیں اشارہ کیا۔

"تم کو میرے گھر میں نہیں رہنا تو نہ رہو، مگر اس کو فی الحال میں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔" اس نے ہادیہ کو سینے سے لگایا۔

"عفت آپا اسے سمجھاؤ، زری کے پاپا کو پتا چل گیا تو بات بہت بڑھ جائے گی۔" انہیں معاملے کی سنگینی کا اب احساس ہو رہا تھا۔

"ارشان! ہادیہ بھابھی بیگم کو پکڑاؤ۔" وہ بارعب لہجے میں بولیں۔

"سوری امی، ابھی ایسا نہیں کر سکتا اور پھر اس کی لڑائی ہے نا مجھ سے یہ بیٹی کو بیچ میں کیوں لا رہی ہے۔" اس نے ہادیہ کو سینے سے لگایا۔

"کون سی بیٹی؟ جیسے پیدائش سے پہلے ہی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، بڑی ہو کر باپ کے کردار کا پتا چلے گا تو تھوکے گی بھی نہیں ایسے باپ پر۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"باپ...... ہاہا۔" وہ ہنس دیا۔

"تو تم مان رہی ہو نا کہ اس کا باپ میں ہوں۔" وہ چلتا ہوا عین اس کے سامنے آن رکا۔

"جہاں تک بات کردار کی ہے تو ہاں میرا کردار شفاف ہے، ہاں میں مانتا ہوں بہک گیا تھا، مگر جب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو اسے سدھارنا چاہتا ہوں، باپ بیٹیوں کے سر کا سایہ ہوتے ہیں، ان کا فخر ہوتے ہیں، میری بیٹی کبھی مجھ پر نہیں تھوکے گی۔" اس نے ہادیہ اس کی گود میں ڈالی تھی اور واپس مڑ گیا۔

"چلیں ماما۔" اس نے رکا ہوا سانس بحال کیا۔

"اس لڑکی کو طلاق دے آیا ہے، بہت شرمندہ ہے، بہت رویا ہے، مجھ سے معافیاں مانگ رہا ہے۔" پھپھو اس کے قریب آئیں۔

"یہ اب اگر نیا بھی ہو کر آ جائے نا، تو میں اس شخص کو کبھی نہیں اپناؤں گی۔" وہ باہر کی جانب بڑھی، ماما نے نرمی سے ان کا ہاتھ دبایا اور زرنش کے پیچھے چل پڑیں۔

☆☆☆

"آج تم لوگ عفت کی طرف ہادیہ کو چھوڑ کر آئے تھے؟" رات کو سونے کے لئے لیٹے تو اچانک رضا صاحب نے راحت بیگم سے سوال کر ڈالا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟" انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" وہ تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولے۔

"زری کو ہادیہ کے لئے شاپنگ کرنی تھی، اس لئے۔" انہوں نے ڈرتے ڈرتے شوہر کی طرف دیکھا۔

"آج تو ایسا ہو گیا، دوبارہ یہ غلطی مت کرنا، میری بیٹی بہت دکھ اٹھا چکی، میں مزید نقصان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے راحت بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"مگر رضا ہم بیٹی کو کب تک گھر بیٹھا کر رکھیں گے۔" آج موقع ملا تو یہ سوال کرنے کی جسارت کر ہی ڈالی۔

"کم از کم میں اسے دوبارہ اس گھر میں نہیں

بھیجوں گا اور پھر زری بھی ایسا ہی چاہتی ہے۔'' انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

''وہ نادان ہے، ہمیں ہوش سے کام لینا چاہیے جوش سے نہیں، اگر اس کا بیٹا ہو جاتا تو بات الگ تھی، بیٹی کے ساتھ طلاق لے کر وہ کہاں جائے گی۔'' انہوں نے سمجھانا چاہا۔

''وہ میری بیٹی ہے، میں اسے مزید ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا۔'' اتنا کچھ ہو چکا تھا اس کے ساتھ، مزید نقصان وہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

''انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہوتا ہے، ہم پہلے بھی کچھ نہ کر سکے، اب ہمیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا، ہمیں صرف زرنش نہیں بلکہ ہادیہ کے متعلق بھی سوچنا ہوگا۔'' انہوں نے سوچ کا ایک نیا پہلو تھمایا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' وہ الجھے۔

''آپ ٹھنڈے دل سے اس معاملے پر غور کریں، ارشمان اس لڑکی کو طلاق دے چکا ہے، وہ بہت شرمندہ ہے، آپ سے اور زرنش سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔'' کچھ ڈرتے ہوئے انہوں نے کہہ ڈالا۔

''ہرگز نہیں، اس نے میری بیٹی پر دوسری عورت کو ترجیح دی، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ سختی سے بولے۔

''اس میں نقصان ہماری بیٹی کا ہے، وہ پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکی ہے، میں نہیں چاہتی ہمارا غصے یا جذبات میں کیا گیا فیصلہ اسے تمام عمر رلائے۔'' انہوں نے شوہر کو سمجھانا چاہا۔

''اس نے کیا سوچ کر یہ سب کیا۔'' وہ غصے میں آنے لگے۔

''آپ کی ساری باتیں ٹھیک ہیں، مگر زرنش کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ واپس چلی جائے، اولاد ماں باپ کے رشتے کو مضبوط بناتی ہے، ابھی وہ غصے میں ہے، ساتھ رہے گی تو آہستہ آہستہ دل صاف ہو جائے گا۔'' انہوں نے موقع دیکھ کر بات آگے بڑھائی۔

''کیا زرنش مان جائے گی؟'' انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''اسے منانا پڑے گا، مگر مجھے یقین ہے آپ کہیں گے تو مان جائے گی۔'' وہ ماں تھیں، ہر بات برداشت کر سکتی تھیں مگر یہ ہرگز نہیں کہ ان کی اکلوتی بیٹی طلاق لے کر زندگی بھر کے لئے دکھ جھیلنے کے لئے واپس آ جائے۔

☆☆☆

''کبھی بھی نہیں پاپا۔'' اس کی رگیں تن گئیں تھیں وہاں واپس جانے کا سن کر۔

''میں مانتا ہوں یہ بہت مشکل ہے، مگر بیٹا ہادیہ کے لئے یہ فیصلہ ٹھیک ہے، اگر تم ارشمان کو چھوڑ دیتی ہو تو تمہاری بیٹی تمام زندگی محرومی میں گزارے گی، بڑی ہو کر تم سے بدگمان ہو جائے گی کہ باپ کے ہوتے ہوئے تم نے اسے اس کے سائے سے محروم رکھا۔'' انہوں نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''اس شخص نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے،۔ میرا انسانوں سے اعتماد ختم کر دیا، میں اسے معاف نہیں کر سکتی۔'' وہ کسی طور پر واپس اس گھر میں جان کے لئے تیار نہ تھی۔

''معاف نہ کرو، بیٹی کی خاطر اسے برداشت کر لو۔'' انہوں نے بدقت تمام کہا، جانتے تھے یہ سب آسان نہیں ہے۔

''میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے، پھر میں ہادیہ کو باپ سے ملنے سے منع نہیں کروں گی۔'' اس نے بتایا۔

''ایسے وہ صرف تم سے بدگمان ہو گی اور دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے گی۔''

''پاپا یہ بہت مشکل ہے۔'' ان کی بات تو اسے ٹھیک لگی۔

''اپنی بیٹی کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پی لو۔'' انہوں نے ہاتھ اس کے سر پر رکھا، اس کے آنسو دل پر گرنے لگے، اسے احساس ہوا کہ ماما پاپا اس کی وجہ سے مسلسل اذیت میں ہیں۔

☆☆☆

ارشمان اسے لینے آیا تھا، مگر اس نے جانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ''پھپھو آئیں پھر جائے گی'' دراصل وہ اس کے ساتھ جانا نہ چاہتی تھی، پاپا کے گھر سے ارشمان کے گھر تک کا سفر اسے پل صراط لگا تھا، کتنے دعوے کر کے گئی تھی کہ واپس نہیں آئے گی، مگر وقت نے اسے مجبور کر کے ایک بار پھر اسی دہلیز پر لا کھڑا کیا تھا۔

''تم نے اس کا بہت دل دکھایا ہے بالکل ٹوٹ کر رہ گئی ہے، جس طرح اپنی بے اعتنائیوں کے زیر سے تم نے اسے بے اعتبار کیا ہے اسی طرح اب اپنی محبت اور توجہ سے اس کا اعتبار لوٹانا ہے تمہیں۔'' وہ آفس سے آیا تو عفت بیگم اسے سمجھانے لگیں۔

''آ گئی ہے زرنش؟'' وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں دوپہر میں لے آئی تھی میں۔'' انہوں نے دیکھا تھا وہ کتنا بدل گیا تھا، ہمیشہ والی شوخی اور شرارت سے بیگانہ وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا؟'' وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''ماں کا دل بہت عجیب بنایا ہے خدا نے، وہ بچے سے ناراض نہیں رہ سکتی، مگر میرے دل کو سکون تب آئے گا جب تم دونوں پہلے کی طرح ساتھ ہنسو بولو گے۔'' وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا، سامنے بیڈ پر وہ دونوں سو رہی تھیں۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' زرنش اور ہادیہ کو اپنے بیڈ روم میں دیکھ کر اسے ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

وہ چینج کر کے آ کر بیڈ پر لیٹ گیا، کروٹ بدلے وہ مسلسل ان دونوں کو دیکھ رہا تھا، اس کی نظروں کا ارتکاز تھا شاید کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی، دونوں کی نظریں ملیں وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور دوپٹہ اوڑھ لیا۔

''کیسی ہو؟'' اتنے وقت کے بعد اسے سامنے دیکھ کر دل میں سوئی ہوئی اس کی محبت پھر سے جاگ اٹھی، وہ بیڈ سے پاؤں نیچے لٹکائے اس کی طرف پشت کیے بیٹھی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت خفا ہو۔'' اس کا جی چاہا اٹھ کر باہر چلی جائے۔

''تمہیں خفا ہونا بھی چاہیے۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا۔

''میں یہاں صرف اپنے پیرنٹس کی وجہ سے آئی ہوں، کیونکہ آل ریڈی وہ میری وجہ سے بہت تکلیف اٹھا چکے ہیں، مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور صوفے پر جا بیٹھی۔

''اگر مجھے تنگ کیا تو میں واپس چلی جاؤں گی۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔

''او کے سوری۔'' وہ اٹھ کر واپس اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گیا، وہ رات دونوں نے آنکھوں میں کاٹی تھی، ایک کی آنکھوں سے پچھتاوؤں نے نیند چھین لی تھی تو دوسرے کو بے وفائی کے دکھ نے بے چین کیے رکھا تھا۔

☆☆☆

''عابدہ اس نے بہت برا کیا میرے ساتھ۔'' وہ واپس اسی ہاسٹل آ گئی تھی: عابدہ نے

اس کی تمام باتیں غور سے سنیں۔

’’اس نے نہیں، سونیا تم نے خود اپنے ساتھ برا کیا، ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تم نے لالچ کیا، سمجھوتہ کرنے کی بجائے تم ایک بار پھر اپنا گھر اجاڑ بیٹھی۔‘‘ اسے اس کی حماقت پر غصہ آرہا تھا۔

’’تم نہیں جانتی اس نے چیٹ کیا مجھے، وہ ساری دولت، ٹھاٹھ باٹھ، سب اس کے ماموں کی بدولت تھا، سب کچھ لٹا کر مجھ سے میری جیولری لینے آگیا کہ اسے سیل کر دیتے ہیں۔‘‘ وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

’’اس مشکل وقت میں تم اس کو اپنی محبت کا یقین دلاتی تو وہ کبھی تمہیں نا چھوڑتا، الٹا تم نے اسے مزید ہرٹ کر دیا، اس وقت میں جب اس کے سب اپنے اس سے تمہاری وجہ سے ناراض تھے۔‘‘ وہ مدبرانہ انداز میں بولی۔

’’بھاڑ میں جائے، عمر میں مجھ سے چھوٹا تھا میں نے سوچا قدر کرے گا، مگر وہ تو بہت چالاک نکلا۔‘‘ اسے رہ رہ کر ارشان پر غصہ آرہا تھا۔

’’تم لا علاج ہو سونیا!‘‘ وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

’’ہاں۔‘‘ اچانک کچھ یاد آنے پر عابدہ مڑی۔

’’اگلے ہفتے میری شادی ہے، میری فرم میں کام کرتا ہے فیصل، سپروائزر ہے، بہت اچھا اور نیک انسان ہے، میں پھر یہاں سے چلی جاؤں گی۔‘‘ کتنی آسودگی تھی اس کے چہرے پر سونیا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

’’بیٹا زیور پہن کر رکھا کرو، خیر سے سہاگن ہو۔‘‘ وہ پھپھو کے پاس لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی، ہادیہ پھپھو کی گود میں تھی۔

’’میں اب صرف ہادیہ کی ماں ہوں اور کچھ نہیں۔‘‘ اندر بڑھتے ارشان کے قدم وہیں رک گئے۔

’’بیٹا صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔‘‘ انہوں نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

’’میری ڈکشنری میں اسے بھولا ہی کہتے ہیں پھپھو! میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، آپ کبھی بھی مجھے مجبور مت کیجئے گا۔‘‘ ارشان اندر داخل ہوگیا تھا۔

’’السلام علیکم!‘‘ اس نے سلام کیا۔

’’وعلیکم السلام!‘‘ انہوں نے بیٹے کے تھکن زدہ چہرے کو دیکھا۔

’’آؤ بیٹھو۔‘‘ وہ بیٹھ گیا، زرنش کو کوفت ہونے لگی۔

’’ہادیہ! ادھر آؤ میرے پاس۔‘‘ اس سے پہلے کہ وہ اسے اٹھاتا زرنش نے آگے بڑھ کر پھپھو کی گود سے اسے اٹھالیا۔

’’پھپھو اس کی نیند کا ٹائم ہوگیا ہے۔‘‘ وہ اسے لے کر اندر چلی گئی، ارشان خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

’’انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، تم دل پر مت لینا۔‘‘ انہوں نے بیٹے کی ترسی ہوئی اور پیاسی نظروں کو پڑھا تھا۔

’’پتا نہیں۔‘‘ اس نے سر جھکالیا اور کارپٹ کو جوتے سے ہلکی سی ٹھوکر لگانے لگا۔

’’وہ ٹھیک کر رہی ہے، میں یہی سلوک ڈیزرو کرتا ہوں۔‘‘ ضمیر کی خلش بہت بری ہوتی ہے، اس کا ضمیر اسے ہر وقت کچوکے لگاتا رہتا تھا۔

’’تمہاری ممانی کی کال آئی تھی، وہ کہہ رہی تھیں کہ تمہارے ماموں تمہیں آفس کا چارج واپس کرنا چاہتے ہیں۔‘‘ اچانک یاد آنے پر

انہوں نے بتایا۔

’’نہیں امی!‘‘ اس نے فوراً سے پیشتر کہا۔

’’میں نے زندگی میں بہت غلطیاں کی ہیں اور سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ ماموں کی پراپرٹی کو اپنا سمجھتا رہا، میں اب جو بھی کروں گا اپنے بل بوتے پر کروں گا، تاکہ کل کو کوئی میری بیٹی کو یہ طعنہ نہ دے کہ اس کا باپ دوسروں کے ٹکڑوں پر پلتا رہا اور اس کے لئے بھی کچھ نہ کیا۔‘‘ اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

’’یہ سب وقتی آزمائش ہیں، اتنا مت گھبراؤ۔‘‘ وہ افسردگی سے بولیں۔

’’میں اپنی جاب سے مطمئن ہوں، با آسانی آپ تینوں کا خرچ اٹھا سکتا ہوں، ایک دوست کو پارٹ ٹائم جاب کے لئے بھی کہا ہے، میں اب مزید ماموں کا کوئی احسان نہیں لوں گا، آپ ممانی کو بتا دیجئے گا۔‘‘ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا تھا۔

’’سو گئی ہادیہ؟‘‘ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

’’تم سے پوچھ رہا ہوں۔‘‘ وہ اس کے قریب آیا۔

’’میں نے کہا تھا مجھ سے بات مت کیا کریں۔‘‘ اس نے رخ پھیرا۔

’’اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے؟‘‘ اس نے کوئی جواب نہ دیا، ارشان اس کے سامنے آیا۔

’’تمہاری بیٹی کا باپ ہوں۔‘‘ اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

’’بدنصیبی ہے میری۔‘‘ وہ زہر خند ہوئی۔

’’انسان ہوں، غلطی کر بیٹھا ہوں، مگر اب شرمندہ ہوں، کیا تم......‘‘

’’میرے پاس آپ کے لئے سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں ہے، یہ بات آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آرہی۔‘‘ وہ پتھریلے لہجے میں بولی۔

’’ایک بار مجھے معاف کر دو، سب کچھ بھلا دو، دیکھنا زندگی کتنی آسان ہو جائے گی۔‘‘ نا چاہتے ہوئے پھر ایک بار منت کرنے لگا تھا۔

’’یہ کہنا بہت آسان ہوتا ہے، مگر جس پر بیتی ہے وہ جانتا ہے کہ معاف کرنا کتنا مشکل ہے، میں آپ کو معاف نہیں کر سکتی۔‘‘ وہ کمرے سے باہر نکل گئی، ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ وہیں بیٹھا رہا۔

☆☆☆

اسے تیز بخار تھا، وہ آفس نہیں گیا تھا، پھپھو اسے پٹیاں کر رہی تھیں، مگر بخار کسی طور کم نہ ہو رہا تھا، آخر کار انہوں نے ڈاکٹر کو بلایا۔

’’یہ شدید قسم کے ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔‘‘ ڈاکٹر نے میڈیسن لکھ کر دی اور چلا گیا۔

’’زرنش!‘‘ وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی، پھپھو اس کے پاس آگئیں۔

’’وہ بہت اذیت میں ہے، اسے معاف کر دو۔‘‘ انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

’’پلیز پھپھو!‘‘ اس نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔

’’ایسا مت کریں۔‘‘

’’عمر بھر کی کمائی ہے وہ میری، میں اسے یوں تڑپتا نہیں دیکھ سکتی۔‘‘ وہ رو دیں، اسے شرمندگی نے آگھیرا۔

’’میں اس گھر میں واپس آگئی ہوں اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی، پلیز آپ مجھے اس طرح مجبور مت کریں۔‘‘

’’اگر اسے کچھ ہوگیا تو کیا خود کو معاف کر پاؤ گی؟ ڈاکٹر نے کہا ہے وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہے، اسے خوش رکھیں، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔‘‘ اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

’’میں اس کے لئے سوپ بنانے جارہی

ہوں، تم اس کے پاس جاؤ، ایک بار اسے معاف کر کے دیکھو تم خود بھی کتنا سکون محسوس کرو گی۔'' اسے سوچوں کے حوالے کر کے وہ کچن کی جانب چل دیں، چند ثانیے وہیں بیٹھی سوچتی رہی اور پھر بادل نخواستہ بیڈ روم کی جانب بڑھی۔

''زرنش کا شوہر بہت برا تھا ہادیہ بیٹے، بے وفا، دھوکے باز، ظالم، مگر ہادیہ کے پاپا کبھی برے نہیں بنیں گے، مجھے معاف کر دینا بیٹے، زرنش تمہیں میرے متعلق جو مرضی بتائے مگر مجھ سے نفرت نہ کرنا کبھی بھی۔'' روم کے ادھ کھلے دروازے سے اس کی آواز باہر آ رہی تھی، اس کی باتوں سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

''تمہارے پاپا بہت تنہا ہو گئے ہیں بیٹے، جلدی سے بڑی ہو جاؤ نا، پھر اپنے پاپا سے ڈھیر ساری باتیں کیا کرنا۔'' وہ واپس پلٹ گئی تھی، اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی، وہ صحن میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ارشمان واقعی بہت تنہا ہو گیا ہے۔''

سامنے سے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آ رہی تھی، اس نے منہ میں تنکا دبا رکھا تھا، وہ درخت پر بیٹھ گئی۔

''مگر اسے میں نے تو نہیں تنہا کیا، یہ سب اس کی اپنی غلطی ہے۔'' اس کے اندر جنگ چھڑ گئی تھی، چڑیا منہ میں دبا کر تنکے لاتی اور پھر درخت پر زیر تعمیر اپنے گھونسلے میں لگا دیتی۔

زرنش بغور اسے دیکھنے لگی اور پھر یہ اس کا معمول بن گیا، روزانہ وہ آ کر چڑیا کو اپنا گھونسلہ بناتے ہوئے دیکھتی، وہ بہت محنت سے اس کو تیار کر رہی تھی اور پھر جب گھونسلہ تیار ہو گیا تو نا جانے کہاں سے ایک چڑا آیا اور اس گھونسلے کا مالک بن بیٹھا۔

''اونہہ! مردانہ فطرت۔'' زرنش نے سر کو جھٹکا، موسم کچھ تیور بدل رہا تھا وہ اٹھ کر اندر آ گئی۔

☆☆☆

''راحت!'' وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے، جب رضا صاحب نے انہیں مخاطب کیا۔

''جی!''

''زرنش کیسی ہے؟ اس کی خبر رکھا کرو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر......!!''

''مگر کیا؟'' وہ بے چین ہو اٹھے۔

''ارشمان کی طبیعت کافی خراب ہے، تیز بخار اور گھبراہٹ، عفت کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے بتایا۔

''اچھا!'' انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

''عفت بتا رہی تھی کہ اس نے ارشمان کو بزنس سنبھالنے کے لئے کہا ہے تو اس نے انکار کر دیا ہے، کہتا ہے اب اسے اپنی بیٹی کے لئے خود محنت کرنی ہے تاکہ وہ سر اٹھا کر جی سکے۔''

''ہوش ٹھکانے آ گئے صاحبزادے کے۔'' انہوں نے طنز سے کہا۔

''معاف کر دیں اسے، شرمندہ اور دکھی ہے۔'' انہوں نے ہزار بار کی کہی بات ایک مرتبہ پھر کہہ ڈالی۔

''کبھی بھی معاف نہیں کروں گا، اس کے شرمندہ ہونے سے میری بیٹی کا نقصان پورا نہیں ہوتا، وہ اگر اس کے پاس ہے تو صرف اس لئے کہ میں اسے مزید دکھوں سے بچانا چاہتا ہوں، ورنہ ارشمان کی میں کبھی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' راحت بیگم چپ ہو گئیں تھیں، جانتی تھیں وہ ان کی بات نہیں مانیں گے۔

☆☆☆

رات کا آخری پہر تھا، زرنش کی آنکھ پیاس کی شدت سے کھلی تھی، اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، پانی پی کر مڑی تو چونک گئی۔

''ارشمان آپ رو رہے ہیں۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی تھی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔

''زرنش! پلیز مجھے معاف کر دو، جانتا ہوں میرا گناہ بہت بڑا ہے، مگر میں تم سے دور رہ کر جی نہیں سکتا، سانس لینا مشکل ہو گیا ہے۔'' آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''تم سے دور ہو کر ایک پل بھی سکون سے نہیں گزرا، ایک لمحے کے لئے بھی تم میرے ذہن سے نہیں نکلی تھی، تم میری اولین اور آخری محبت ہو، میں آج بھی کہتا ہوں، بیچ میں جو آیا وہ صرف نظر کا دھوکہ تھا۔'' زرنش نے اپنا جھکا ہو سر اوپر اٹھایا، اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے، اس نے اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

''ہاں میں جان گئی ہوں، مرد کی محبت کیسی ہوتی ہے۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

''بالکل پنچھی کی طرح، جو درخت کے کٹنے پر فوراً اڑ جاتا ہے، نئے جہانوں کی تلاش میں، مگر آپ کو پتا ہے عورت کی محبت کیسی ہوتی ہے؟ وہ مچھلی کے جیسے محبت کرتی ہے، جو جل کے سوکھنے پر نئے جل کی تلاش میں نہیں نکلتی، بلکہ وہ اپنا سر پٹک پٹک کر اور تڑپ تڑپ کر وہیں مر جاتی ہے اور میں بھی آپ کی محبت کا جل سوکھنے پر وہیں تڑپ تڑپ کر مر چکی ہوں، اب نا جانے یہ لاش کب تک کندھوں پر اٹھائے پھروں۔'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔

''مانتا ہوں تم کو بہت ہرٹ کیا ہے، مگر اس دوری کے سوا جو چاہے سزا دے دو۔'' اس نے زرنش کے آنسو انگلی کی پوروں پر چن لئے۔

''بہت برا کیا آپ نے، میری محبت کسی اور پر نچھاور کرتے رہے، کتنا رلایا مجھے، مگر پھر بھی میں آپ سے نفرت نہیں کر پائی۔'' ارشمان کے بنجر دل کی زمین اس کی باتوں سے سیراب ہونے لگی تھی، اس کے اندر دہکتے الاؤ پر کسی نے پانی چھڑک دیا تھا، اس کے صدیوں کے بے چین دل کو قرار آ گیا تھا۔

''میں عمر بھر کے لئے تمہارا مقروض ہو گیا ہوں زرنش۔'' اس کا ہاتھ تھام کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

اس رات بہت زور کی آندھی آئی تھی، درخت جڑوں سے اکھڑ رہے تھے، ان کے صحن میں لگے درخت کی بھی بڑی بڑی ٹہنیاں ٹوٹ کر گری تھیں، صبح اس نے بیڈ روم کی کھڑکی کھولی تو ایک انوکھا منظر دیکھنے کو ملا۔

چڑیا کا گھونسلہ آندھی کے زور سے ٹوٹ گیا تھا، اسے بے حد دکھ ہوا، مگر اس وقت اسے خوشگوار حیرت نے گھیر لیا جب اس نے اسی چڑیا کو تنکا منہ میں دبا کر آ کر درخت پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' ارشمان بھی جاگ گیا تھا۔

''آندھی کے زور سے اگر آشیانے ٹوٹ جائیں تو چڑیاں اسے پھر سے تعمیر کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔'' زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے قدم کچن کی طرف بڑھا دیئے کیونکہ اسے آج بہت دنوں بعد ارشمان کی پسند کا ناشتہ تیار کرنا تھا۔

☆☆☆

غزالہ جلیل راؤ

''میں آپ کو سب بتا دوں گی سب کچھ، کیونکہ میں نے گزرے دنوں میں یہ محسوس کیا ہے کہ آپ اس دنیا کے بے رحم باسیوں سے کافی مختلف ہیں، کم از کم اتنا تو کریں گے کہ اپنی یادوں میں مجھے اچھی صورت میں محفوظ رکھیں گے۔'' اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور موتیوں کی صورت آنسو گالوں پر رقص کرتے بہنے لگے، اس نے نگاہیں اٹھا کر عشارم یوسف کو دیکھا اس کے دل کی دنیا میں ہلچل مچ گئی، اس نے لبوں کو بھینچ لیا۔

''کیا ہے آپ کے دل میں کہ آپ ذکر کرنے سے پہلے ہی رونے لگیں ہیں، مجھے کچھ بتایئے تو پلیز، میں سب کچھ سنوں گا، پوری توجہ کے ساتھ، ہوسکتا ہے میں آپ کا غم بانٹنے اور اس بوجھ کو کم کرنے میں آپ کی مدد کر سکوں، یعنی آپ کے کسی کام آسکوں۔''

وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی، جیسے بارش میں دھوپ نکل آئے، اب وہ سامنے حد نظر تک محیط نیلے آسمان اور اس پر تیرتے سفید

ناولٹ

بادلوں کو دیکھ رہی تھی، اپنی بات کہاں سے شروع کرے، ماضی کے حالات کی سیدھی سی ڈور اس کے ہاتھ ہی نہ آ رہی تھی، کٹی پتنگ کی طرح ادھر سے ادھر ہوا میں اڑ رہی تھی۔

''ہما سے فون پر میری بات ہوئی تھی اس نے مجھے بتایا تھا آپ نے یہ نوکری بطور احتجاج کی ہے ورنہ درحقیقت آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی، سچ ہی ہے آپ کو تو پینٹنگ مہنگے داموں بک کر آپ کی تنہا زندگی کا بار اٹھانے کے لئے کافی ہے، آپ کو اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے ناولز کی رائلٹی بھی اچھی خاصی مل جاتی ہے اور ہما صاحبہ نے سچ ہی کہا تھا آپ کو ان دونوں کی کمائی کی قطعی ضرورت نہیں، آپ اپنے والد کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی تنہا مالک ہیں۔

وہ شاید اس کے لئے آسانی پیدا کر رہا تھا کہ وہ بات کو شروع کر سکے۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

''ہوں تو ہما سے رابطے میں رہے ہیں، خیر اس نے سب کچھ آپ کو بتا دیا ہو گا پھر میرے پاس تو کہنے کو کچھ باقی بچا ہی نہیں، پھر اب اور کیا سننا چاہتے ہیں مجھ سے؟''

''یقین کریں اس نے اتنی ہی بات بتائی تھی اس کے علاوہ کچھ نہیں، اگر کچھ اور بتاتی تو وہ بھی بتا دیتا۔''

''ہوں۔'' اس نے سر کو اثبات میں ہلایا۔

''یہ جو باتیں ہما نے آپ کو بتائی ہیں، یہ تو میرا مسئلہ ہی نہیں ہیں عشارم یوسف۔'' وہ بڑی اداسی سے بولی۔

آمدنی کم ہو یا زیادہ سانسوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے گھٹن تو تب ہوتی ہے جب آپ کی عزت نفس، آپ کے کردار آپ کی نیک نفسی کو نشانہ بنایا جائے ہر آدمی کے آگے اپنی مجبوریوں، ناکامیوں اور زخموں کا رونا نہیں رویا جاتا، آپ میں کوئی ایسی بات ضرور ہے کہ میں نے اپنے دل کے زخم کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں، میری زندگی میں لوگوں کا مشاہدہ کرتے اور انہیں پڑھنے کا موقع بہت کم آیا ہے، لیکن میں نے تھوڑے وقت میں کم لوگوں کو اندر تک جان کر ڈھیر سارا تجربہ حاصل کر لیا ہے، آپ جانے کون ہیں؟ کس خاندان سے تعلق ہے، دنیا کے بارے میں آپ کے تجربات اور مشاہدات کا حاصل کیا ہے آپ کی گھریلو اور خاندانی زندگی کیسی ہے، اس بارے میں نہ میں جانتی ہوں اور نہ ہی جاننا چاہوں گی لیکن یہ ضرور پوچھوں گی کہ کبھی آپ نے بظاہر روشن خیالی اور شخصی آزادی کی روشنیوں سے منور دیگر درحقیقت جبر، ظلم اور گھٹن کے اندھیروں میں گھرے گھرانوں کو دیکھا ہے ان ہی میں سے ایک گھر میرا بھی ہے بلکہ تھا نمائش بناوٹ اور دکھاوا جن کا خاصا رہا ہے

میرے بابا ویل ایجوکیٹیڈ تھے اور پرانے اور فرسودہ نظام کے خلاف، باوجود کوشش کے وہ اس نظام کو نہ بدل سکے، آکسفورڈ حاصل کی ڈگری گھر کے اندر کام نہ آ سکی، وہ عورتوں کے حقوق، شخصی آزادی اور روشن خیالی کے سب بڑے حامی تھے، لیکن گھر کے اندر پھیلی زمانہ جاہلیت کی فضا کو کم نہ کر سکے، وہ گھر کی خواتین کو بھی وہ ہی تحفظ دینا چاہتے تھے مگر بے سود، سو خاموشی ان کی زندگی کا حصہ بن گئی، کھلی آنکھوں سب دیکھتے رہے لیکن کچھ کہنے کا یارا نہ تھا یا ماننے والا کوئی نہ تھا، ان کی ایک نہ چلنے دی گئی۔

تایا میٹرک پاس اور وہی جاگیردارانہ سوچ کے مالک تھے، ہر چیز کا حل ڈنڈا اور سختی تھی، یہاں تک تایا گھر کی عورتوں کو ڈاکٹر کے پاس نہ جانے دیتے، میری ماں زچگی کے کیس میں کسی پیچیدگی کا شکار ہو کر آنے والے بچے کے ساتھ اس لئے مر گئی کہ ہمارے خاندان کی عورتیں ہاسپٹل نہیں جاتی تھیں، بابا نے بہت کوشش کی لیکن تایا جان نے قطعی انکار کر دیا، کہ یمنیٰ بھی گھر پہ پیدا ہوئی تھی تو دوسرے بچے کی پیدائش میں کیا مضائقہ ہے، زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے، پھر یہ بھاگ دوڑ کیوں؟ سارا خاندان ہی بابا کے خلاف تھا، تو سب کو متحد ہونے کا موقع مل گیا تھا، اماں بی بتاتی ہیں آپ حیران نہ ہوں، اماں بی ہمارے ہاں اس وقت سے ہیں جب میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی، اماں بی بتاتی ہیں جب میری ماں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھیں تو میرے بابا سخت پریشان تھے، وہ بار بار کہتے رہے کہ میں اپنی بیوی کو ابھی اور اسی وقت اس ملک میں تو کیا ملک سے باہر بھی لے جا سکتا ہوں لیکن میں مزید خاندان کے خلاف نہیں جا سکتا اور نہ ہی میں اپنی خوشیاں قربان کرنے کا حوصلہ خود میں پاتا

ہوں، اس کے باوجود میں مجبور ہوں خاندان کی برسوں پرانی روایات نہیں توڑ سکتا اور خاندان کی ناک اور برسوں پرانی فرسودہ روایات ماں کو نگل گئی، ماں چلی گئی اور میں اماں بی گود میں، اماں بی نے تو میرے بابا کو بھی گودوں کھلایا تھا، انہیں ہر حوالے سے مجھ سے محبت تھی، اپنی اس ایک خامی کے ہوتے ہوئے بھی میرے بابا عظیم انسان تھے، آپ خود فیصلہ کر لیں میری ماں کے مرنے پر ایک دن بھی انہوں نے دوسری عورت کی خواہش کا اظہار نہ کیا کہ وہ شادی کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے لوگوں کے سامنے بلند و بانگ دعوے نہیں کیے، لیکن میں جانتی ہوں وہ عمر میری ماں کی محبت کے حصار سے نہ نکل سکے، وہ اپنے بزنس میں مصروف رہے یا میرے وجود میں، لیکن ماں کی موت نے ایک تبدیلی ان میں پیدا کر دی انہوں نے میرے لئے ان پابندیوں کو نرم کر دیا جن کی بناء پر مجھ سے پہلی نسل کی لڑکیاں تعلیم کے زیور سے محروم رہ گئی تھیں، شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ان کے ہاں میرے سوا کوئی اولاد نہیں تھی، وہ اپنے خواب میری ذات کے توسط سے پورا کرنا چاہ رہے تھے، انہوں نے مجھے شہر کے سب سے اچھے اسکول میں داخل کرایا، اس قدم پر ان کے خلاف بڑی لے دے ہوئی پورے خاندان کے نشانے پر تھے، خوب لتاڑا گیا اور رگیدا، کچھ دن تو وہ اس محاذ پہ میرے حق میں بولتے رہے، لیکن حالات میں بہتری کو کوئی امید نظر نہ آئی تو انہوں نے کنارہ کشی میں ہی عافیت جانی اور خاندان سے ایک حد تک کٹ کر رہ گئے، وہ مجھے لے کر دوسرے شہر جا بسے، اچھا برا میں سمجھتی تھی، غیر اخلاقی حدود تک جانے کی اجازت میرا ضمیر نہیں دیتا تھا۔

ابھی میں میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوئی تھی کہ ایک سہ پہر گاڑیوں کا ایک قافلہ ہمارے گھر کے باہر آن رکا، ایک ایک کر کے مہمان داخل ہوئے جن میں آگے آگے میرے تایا تھے اور پیچھے خاندان کے باقی سرکردہ افراد۔

''سجاد احمد کہاں ہے لڑکی؟'' تایا نے رعونت کے ساتھ مجھے گھورا میں نے خود کو مزید دوپٹے میں چھپا لیا۔

''ابھی سجاد میاں آفس سے نہیں لوٹے، آپ تشریف رکھیں۔'' اماں بی نے انہیں کہا۔

میں خوف سے زرد پڑ چکی تھی اور کانپنے لگی، وہ تو اچھا ہوا تایا ڈرائنگ روم کی طرف چلے گئے، ورنہ میرا وہاں کھڑے رہنا ہی مشکل ہو جاتا۔

بابا کو فون کر کے بلایا گیا، ان کی اس اچانک آمد پر بابا بھی بوکھلا گئے تھے، خیر وہ ان سے ملے اور یہ نشست کئی گھنٹوں پر مشتمل رہی، اماں بی اور ہم لوگ پریشان تھے، تب ملازم نے آ کر بتایا کہ کوئی گرما گرم بحث چھڑی ہوئی ہے اور کوئی صاحب کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا، بی بی کا نام بار بار لے رہے ہیں سب، میں چونکی اماں بی نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''یا اللہ خیر، فیض میاں جانے کیا مطالبہ لے کر آئے ہیں، میں تو ان کے تیور دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی۔''

اور پھر چند لوگ رجسٹر اٹھائے اندر آئے اور فارم پر ایک دو جگہ دستخط کرنے کو کہا اور میں نے اماں بی کی طرف دیکھا، میرے وجود پر کپکپی طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو۔

''ہمت سے کام لو یمنیٰ بیٹا گھبراؤ نہیں، سجاد میاں کے پاس سے ہی آئے ہیں، انہیں معلوم ہو گا سب، کر دو دستخط۔'' اماں بی نے حوصلہ بڑھایا۔

اماں بی تو ان پڑھ تھیں، مگر اس وقت میری

بھی یہ ہی کیفیت تھی، لیکن اس کے باوجود میں نے دستخط نہیں کیے اور صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

''میرے بابا کو ایک بار اندر بھیج دیجیے پلیز۔''

''وہ اس وقت نہیں آسکتے جب تک ان فارموں پر دستخط نہیں ہو جاتے۔'' اس شخص نے غرا کر کہا، میں نہیں جانتی وہ کون تھا۔

''کچھ بھی ہو میں نہیں مان سکتی یہ بات۔'' میں نے ایکدم ضدی لہجے میں کہا، نجانے یہ ضد یکدم ہی میرے اندر کہاں سے عود کر آئی تھی۔

''بی بی ان کا اندر آنا ان فارموں پر دستخط سے مشروط ہے اور وہ اس وقت گولیوں کے دہانے پر ہیں، تمہاری نہ ان کو لمحوں میں زندگی سے آزاد کر سکتی ہے اور یہ کام تب بھی ہو کر رہے گا، بہتر ہے باپ کی زندگی کی خاطر دستخط کر دو، ورنہ ساری کاروائی کی ذمے دار تم خود ہوگی۔''

''کیا ہوگا میرے بابا کو، کیوں یرغمال بنا رکھا ہے؟''

''سب پتہ چل جائے گا پہلے یہ کام کرو۔''

تب ہی ایک ملازم نے آکر اماں بی کے کان میں کچھ کہا اور وہ تھر تھر کانپنے لگیں اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

''دیمیشی بیٹا وہی کرو جو یہ لوگ چاہتے ہیں۔''

ان کی آنکھوں اور لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ میں نے دستخط کر دیئے اور دستخط کرتے ہوئے سرسری نگاہ کاغذوں پر پڑی تھی، اسی سے مجھے اندازہ ہوا تھا، میں کسی کی منکوحہ بن گئی ہوں مگر کس کی؟ یہ بات اماں نے بتائی مجھے چپ کراتے ہوئے، اپنی تقدیر کے اس اچانک فیصلے پر میں بے تحاشا رو رہی تھی۔

''اس میں رونے کی کیا بات ہے بیٹا تم...... تم اچھے نصیبوں والی ہو، ارسلان میاں تمہارے تایا زاد ہیں، اپنے باپ کے تنہا وارث ہیں، بیٹی تم تایا کے گھر میں راج کرو گی راج۔''

اور تب مجھے وہ لمحے یاد آ گئے جب میں پچھلے سال ارسلان عالم کو پھپھو کی بیٹی کی شادی میں سب لڑکیوں کے ساتھ مل کر دیکھا تھا، میں پندرہ سولہ برس کی بچی ہی سہی لیکن اچھے برے کا ادراک تو رکھتی تھی، میرے دل میں نفرت کا آتش فشاں اٹھا اور بے بسی کے عالم میں وہیں دب کر رہ گیا، وہ مجھ سے پورے دس برس بڑا تھا اور حال ہی میں جرمنی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹا تھا، مگر میں جانتی تھی کہ جرمنی میں رہ کر بھی اس نے تعلیم کم حاصل کی ہوگی اور بے راہ روی کا شکار زیادہ رہا ہوگا، اب بابا گھریلو معاملات میں مجھ سے مشورہ لینے لگے تھے، کبھی کبھی کسی اور حوالے سے بھی تفصیلی گفتگو کر لیتے تھے، تایا کے جانے کے بعد وہ آئے تو ان کا رنگ زردی مائل ہو رہا تھا اور ہونٹ سفید، روئی کے گالوں جیسے، وہ بار بار اپنے سینے کو مسل رہے تھے، میں ان کی طرف دوڑی اور سینے سے لگ کر رونے لگی۔

''میری معصوم بچی مت روؤ۔'' وہ مجھے خود سے لگائے پژمردہ سی آواز میں بولے۔

''تم نے دستخط کیوں کیے بیٹا؟'' لڑکھڑاتی زبان سے بولے۔

''مجھے اپنی نہیں آپ کی زندگی عزیز تھی بابا، پہلے میں نے کہا تھا آپ کو بلائیں مگر جب اماں بی نے مجھے صورت حال سے آگاہ کیا کہ آپ کی کنپٹی پر پستول رکھا ہے تو میں نے بنا سوچے سمجھے دستخط کر دیئے۔''

''کیا کرتے وہ بس مارتے ہی نا، تو مار دیتے، سانسوں کی ڈور ٹوٹ جاتی بس، لیکن اب تم شکاریوں کے جال میں پھنس گئی ہو......'' دوسرا جملہ انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''اللہ نہ کرے کہ ایسا ہوتا، مگر پھر تو وہ آزاد ہو جاتے، مالک بن جاتے، پھر بیٹیا کیا کرتی، ابھی تو آپ سر پہ ہیں اور ہمیشہ آپ کا سایہ بیٹی کے سر پر رکھے۔'' اماں بی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''اماں بی!'' بابا نے تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے کہا۔

''بابا جانی کیا ہو رہا ہے آپ کو؟'' میں ایکدم ان سے الگ ہو کر بولی، تو وہ دھیرے سے مسکرائے۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے، کچھ بھی تو نہیں، بس تم میرے پاس بیٹھو آؤ۔'' وہ مجھے لے کر صوفے پر بیٹھ گئے، کچھ دیر ہو پہلے ہونے والے واقع کے بعد میں بالکل سہم کر رہ گئی تھی۔

''مجھے معاف کر دینا بیٹا، میں ایسا ہرگز نہ کرتا اگر تم۔''

''یہ ضروری تھا بابا جانی آپ کی زندگی کے لئے، میری تو کل کائنات ہی آپ ہیں، آپ کے بنا کچھ نہیں میں۔'' میں رو دی۔

''میں جانتا ہوں تم خوش نہیں ہو، میں نے ایسا نہیں سوچا تھا اور ان کو ٹالنے کے ہزار عذر تراشے، لیکن وہ مان کر نہیں دیئے اور پھر تم نے بھی دستخط کر دیئے اور اس کے بعد وہ فوری رخصتی چاہتے تھے کہ ڈیٹ دوں، میں نے انکار کر دیا، نجانے کیوں وہ میری بات مان گئے ورنہ ان سے اچھے کی امید رکھنا فضول ہے، اگر وہ چاہتے تو زبردستی رخصتی بھی کر سکتے تھے، بھائی سے کوئی توقع کی جا سکتی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں ارسلان اچھا نوجوان نہیں ہے، لیکن یہ سب...... ہمارے خاندان میں آج تک بیٹی غیروں میں نہیں بیاہی گئی اور بھائی کو یہ ہی ڈر تھا کہ تمہیں غیروں میں بیاہ دوں گا اور ایسا ہی ہوتا، میں یہ روایت بھی توڑ دیتا، مگر ایسا نہ ہو سکا وقت سے پہلے ہی زنجیریں ڈال دی گئیں، خاندان کے سب لڑکے کم و بیش ایسے ہی ہیں، لیکن ارسلان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور میرے بھائی کا بیٹا ہے، جو قسمت نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، لیکن بیٹا اچھے انسان ہر ماحول میں اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں اور جینے کے لئے اچھے اور مناسب بہانے ڈھونڈ لیتے ہیں۔'' وہ سب ان الفاظ میں کہہ گئے، درحقیقت وہ خود کو تسلی دے رہے تھے کہ میں پریشان نہ ہوں، اپنی طرف سے میرے حوصلے بڑھا رہے تھے، جو کچھ بھی ہوا تھا ان کی مرضی کے خلاف ہوا تھا، لیکن میں جانتی تھی وہ اندر سے ٹوٹ گئے ہیں اور پھر اس روز ان کو دل کا پہلا دورہ پڑا، میں نے کہا نا کہ وہ مجھ سے زیادہ خود کو تسلی دے رہے تھے لیکن پھر خود حوصلہ ہار گئے، بابا نے منع کر دیا تھا کہ بابا جان کو اطلاع نہ دوں اور میں بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ لوگ آئیں، ان کے دیئے ہوئے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دل کے دورے کا شکار ہوئے تھے۔

دو دن بابا جانی ایمرجنسی میں رہے اور یہ دو دن میرے لئے قیامت کے برابر تھے، دو دن بعد بابا گھر آ گئے اللہ نے ان کو نئی زندگی دی تھی، میں نے ہر طرح سے ان کا خیال رکھا، وہ جلد ہی صحت یاب ہو گئے، زندگی اپنے معمول پر لوٹ آئی مگر دلوں میں لگے گھاؤ اندر ہی اندر رسنے لگے تھے۔

میرا تعلیمی سلسلہ جاری تھا، وقت کی رفتار کے ساتھ تعلیمی مدارج طے کرتی رہی، بی اے میں نے اتنے امتیازی نمبروں سے پاس کیا کہ انہوں نے مجھے یونیورسٹی میں داخلہ دلوا دیا اور خود بھی میری خاطر نئے شہر میں جا بسے، ان بیتوں سالوں

میں ارسلان کیا کیا کرتا رہا، اس کی خبر بابا کو اس شہر میں آکر ہوئی جو اس کی گمراہیوں اور عیاشیوں کا چشم دید گواہ تھا، بابا کی فیملی کے پرانے دوست نے جو کچھ بابا کو بتایا وہ انہیں فکروں میں غلطاں کر دینے کو کافی تھا، ارسلان نے اپنے گھر والوں سے چھپ کر یہاں شادی کر رکھی تھی اس کے دو بچے بھی تھے اس کی خبر جس دن انہیں ملی اسی روز انہیں دل کا دوسرا دورہ پڑا، انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن مجھے بھی خبر ہوگئی، یونیورسٹی میں پڑھنے والی میری ایک کلاس فیلو نے جو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ میں کس خاندان میں ہوں، کلاس میں فخریہ اپنے بہنوئی کا ذکر کیا اور ارسلان عالم کا نام لیا تو میں چونک گئی، کریدنے پر معلوم ہوا یہ شادی اس نے فارن سے واپس آتے ہی کر لی تھی اور اس کی بیٹی بیٹا بھی چھ اور آٹھ سال کے ہیں، دوسرے دن ارسلان کی سالی شادی کی البم لے کر آئی اور ارسلان کے ساتھ اس کی بیوی اور اس کے بچوں کی تصویریں بابا نے مجھ سے صرف یہ خبر ہی نہیں اپنے دل کی بیماری بھی چھپالی تھی، شاید وہ اس دن ارسلان عالم ان سے ملنے آیا تھا، میں اپنے کمرے میں تھی اچانک ان کے کمروں سے آتی آوازوں نے مجھے کچھ کا احساس دلایا، میں تپ گئی، وہ ان سے الجھ رہا تھا۔

''میں نے بھی آپ کی بیٹی سے نکاح اپنی مرضی سے نہیں کیا، یہ آپ کے بھائی صاحب کی خواہش تھی، یہ میں ہی ہوں جو اسے قبول کرلوں گا، ورنہ کو ایجوکیشن میں پڑھنے والی ایک آپ کی بیٹی کے خاندان میں کتنے چرچے ہیں، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''ارسلان، تم حد سے بڑھ رہے ہو۔''

''میں آپ کے احترام کو پیش نظر رکھ کے بات کررہا ہوں، اس شہر میں میرے بھی کافی ملنے والے ہیں، وہ سب اچھی طرح پہچانتے اور جانتے ہیں، انہیں سب معلوم ہیں آپ کی بیٹی کے لچھن، وہ یونیورسٹی کے سینکڑوں لڑکوں سے فلرٹ کر چکی ہے اپنے بے پناہ حسن کے بل بوتے پر۔''

''ارسلان بند کرو یہ بکواس۔'' وہ شیر کی طرح دھاڑے تھے، کہ پورا گھر ان کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔

''یہ بکواس نہیں، حقیقت ہے، جو آپ سے برداشت نہیں ہوا، میں نے بس ایک شادی کی ہے ناں اور چار شادیاں تو مرد کا شرعی وقانونی حق ہیں، میری بیوی کیا لے رہی ہے آپ کا، اس محل نما گھر میں بہو بن کر تو آپ ہی کی بیٹی رہے گی ناں، جیسے بیوی کہنا میں اپنی توہین سمجھتا ہوں، جا رہا ہوں میں اسے بتا دیجئے گا، یونیورسٹی میں رہتے ہوئے وہ یہ نہ بھولے کہ وہ میری منکوحہ ہے۔''

اچانک وہ تیزی کے ساتھ باہر نکلا تو مجھ سے ٹکرا گیا لیکن رکا نہیں، میں اندر آئی تو بابا دل کو تھامے صوفے پر پڑے تھے اور ان کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔

''بابا...... بابا۔'' ان کی حالت دیکھ کر میں اپنا غم بھول گئی۔

ہم فوراً انہیں ہسپتال لے گئے، ڈاکٹروں نے بتایا کہ اب ایک اور دورہ ان کی جان لے سکتا ہے، یہ سن کر میری جان نکل گئی، یہ میرا آخری تعلیمی سال تھا، مگر میں بابا سے زیادہ کس چیز کو اہم سمجھتی، سو میں ان کے ساتھ چپک کر رہ گئی، کیونکہ وہ ہی تو واحد سہارا تھے میرا، یہ تو میری خوش نصیبی تھی کہ اللہ نے ان کو زندگی دے دی تھی۔

کبھی کبھار یونیورسٹی چلی جاتی نوٹس لے آتی، کچھ لیکچر اٹینڈ کرتی، امتحان بھی اسی

افراتفری میں دیا اور رزلٹ بھی نہ آیا تھا کہ ہزار احتیاطی تدابیر کے باوجود بابا دنیا چھوڑ گئے، جانے سے پہلے انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا، جو وہ پوری نہ کر سکے تھے۔

''بیٹا میں نے خلع کے کاغذات تیار کر لئے تھے لیکن زندگی نے مہلت نہیں دی، مجھے خاندان میں باغی قرار دیا گیا ہے نا تو میں باغی بن کر دکھاتا مجھے اپنی بیٹی کی خوشیوں اور زندگی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں، بیٹا ہو سکے تو ارسلان سے خلع لے لینا اور اپنا خیال رکھنا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے کرب سے میری طرف دیکھا اور مجھے دیکھتے دیکھتے ہی ان کی روح پرواز کرگئی۔

پھر کیا ہوا ہوگا یہ آپ بھی جان گئے ہوں گے، سب کو مجھ سے زیادہ بابا کی جائیداد کی فکر تھی، لیکن بابا کے دوست بیرسٹر اقبال آفندی نے بتایا کہ انہوں نے اپنی ساری جائیداد میرے نام کر دی تھی تو وہ پیرپٹخ کر رہ گئے۔

میں اپنے آبائی گھر میں لوٹ آئی تھی، اس سانحے نے میری سوچوں کو درہم برہم اور میرے وجود کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، مجھے آئے دو چار روز ہی ہوئے تھے کہ ایک شام میرے ددھیالی رشتہ داروں کا ایک وفد میرے گھر میں مستقل طور پر رہائش کے لئے آ گئے، جن کی رہنمائی میرے تایا کر رہے تھے۔

''یہ سب لوگ تمہارے ساتھ رہیں گے، گھر کی بہو کو یوں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تم ہی یہاں رہنے پر بضد ہو، ورنہ بہتر تھا کہ ادھر ہی رہتیں اب۔'' وہ حکم سنا کر چلے گئے۔

یہ لوگ میرے مہمان یا ہمدرد نہیں، گھر میں داخل ہونے کے لئے ایک شخص کو کئی عدالتوں میں پیش ہونا پڑتا، میرے خالو اجمل مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو انہیں باہر سے ہی لوٹا دیا گیا کہ ہم لوگ آپ کو پہچانتے ہی نہیں ہیں۔

سعد اور ہما آئے تو اس کے دوسرے روز تایا کا فون آن دھمکا۔

''کون تھا یہ لڑکا کیوں آیا تھا یہاں، یہ یونیورسٹی ہے جہاں تم آزاد میل جول رکھتی تھیں، ان لڑکوں سے، یہ عالم احمد کا گھر ہے اور تم میری بہو ہو آئندہ میں ایسا کچھ نہ سنوں۔''

ارسلان نے میرے لتے لئے۔

''اب یہ شکار پھانسا ہے، ہر روز نیا لڑکا تاکنے کی عادی جو ہو گئی تھیں، گھر میں چین کیسے ملے گا، لڑکی کو بہانے کے لئے ساتھ لے آیا تھا تاکہ تم تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، آئندہ گھر میں کوئی داخل نہ ہو اور تم بھی کہیں نہیں جا سکتیں، بہت گزار لی آزاد پرندے کی سی زندگی جہاں چاہا منہ اٹھا کر چل دیں، مگر اب نہیں، میری بیوی ہو اور تمہیں میرے حکم پر چلنا ہوگا، ورنہ جینا دوبھر کر دوں گا تمہارا، طلاق دے دوں گا تمہیں اور جانتی ہو ہمارے خاندان میں آج تک کسی عورت کو طلاق نہیں ہوئی اور طلاق صرف بدکردار، بدچلن عورت کو ہوتی ہے۔''

بابا کے بغیر رہنا ہی دنیا کا مشکل ترین کام تھا، کجا یہ سختی اور بے جا پابندیاں آپ خود سوچیئے عشا رم میری کیا حالت ہوگی، میں نے کسی طرح وہ دن گزارے ہوں گے، اپنا ہی گھر میرے لئے قید خانہ بن گیا، سیل تک مجھ سے چھین لیا گیا اور تب میں نے اماں بی کے ذریعے اپنے شناختی کارڈ کی کاپی اور ایک کاغذ پر اپنے دستخط کر کے بیرسٹر اقبال آفندی کو بھیج دیئے کہ ارسلان سے خلع کے لئے میری مدد کریں، اماں بی جیسے تیسے ان تک پہنچ گئیں اور ان کو سارے حالات سے آگاہ کر دیا، انہوں نے کہا کہ یمنٰی بیٹی کو کہنا اپنے فیصلے پر ڈٹی رہیں میں نوٹس بھجوا دیتا ہوں اور جب

معاملہ عدالت تک پہنچ گیا تو حالات میں کچھ بہتری آجائے گی اور ساتھ ہی میں بیٹی کو حبس بے جا میں رکھنے کا کیس بھی کر دوں گا آپ بے فکر ہو کر جایئے جلدی خلع کا نوٹس پہنچ جائے گا۔

اماں بی سے پوچھ گچھ کی گئی کہ وہ کہاں گئی تھیں، انہوں نے بروقت معقول بنالیا ورنہ بہت مشکل ہو جاتی ان کے لئے بھی۔

''میاں جوڑوں کا درد رہتا ہے مجھے، اب اس درد میں شدت اختیار کر گئی دوائی بھی ختم ہوگئی تھی تو سوچا ڈاکٹر کو چیک کرالوں، مگر سارا دن ہسپتال میں دھکے کھا کر واپس آ گئی، ڈاکٹر نہیں آیا، غریب لوگوں کی بھی کوئی زندگی ہے۔'' اماں بی نے کچھ اس انداز میں کہا کہ کسی کو شک نہ گزرا اور میں نے شکر کا کلمہ ادا کیا۔

اور وہ روز قیامت کا تھا جب تایا ہاتھ میں خلع کا نوٹس تھامے پورے گھر میں چیختے پھر رہے تھے۔

''یہ اس تعلیم کا نتیجہ ہے جو سجاد نے بیٹی کو دلائی، شعور و آگہی دی، آزادی کا رزلٹ ہمیشہ غلط ہی نکلتا ہے لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کر کے آئی ہے نجانے کون کون سے گر سیکھ کر آئی ہے، تم بھول گئی ہو تمہارا واسطہ کس شخص سے پڑا ہے، تمہاری یہ ہمت کہ تم میرے بیٹے کو عدالت میں گھسیٹو، کورٹ میں میرا نام، میرے خاندان کی عزت اچھالو، اس کی اجازت تمہیں نہیں مل سکے گی تمہیں، ہاں اس گناہ کی سزا ضرور ملے گی، میں چاہتا تھا کہ سجاد کی برسی کے بعد تمہاری رخصتی ہوتی لیکن اب ایسا ممکن نہیں، جتنی ڈھیل دوں گا اپنے ہی سر میں خاک ڈالوں گا۔'' انہوں نے نوٹس کے پرزے پرزے کر کے میرے سامنے اڑا دیئے اور میری آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں، مگر میں نے اس نمکین پانی کو اندر ہی کہیں اتار لیا، کیونکہ ان جیسے بے حس لوگوں کے سامنے رونے سے کوئی فائدہ نہیں تھا، اپنا ہی گھر میرے لئے قید خانہ بن گیا، بابا کی برسی کا انتظار بھی نہ کیا اور شادی کی تاریخ طے کر دی، نہ کوئی ہمدم نہ کوئی ہم راز، نہ سننے والا، نہ کہنے والا، اماں بی کا کمزور وجود بس مجھے جھوٹی تسلیاں دینے کے لئے تھا، وہ جان لٹاتی تھیں مجھ پر، لیکن وہ محض ایک ملازمہ تھیں، جنہیں تایا ایک اشارے پہ گھر سے باہر پھنکوا سکتے تھے اور میں اس دم غنیمت کو کھونا نہیں چاہتی تھی، لہٰذا انہیں کسی قسم کے احتجاج کی اجازت ہی نہیں دی میں نے، تایا نے یہ تو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ بیرسٹر اقبال آفندی تک یہ رسائی کیسے ہو سکی، وہ تو بس مجھے قید کرنا چاہتے تھے اور اس کا انتظام کر ڈالا تھا انہوں نے۔

بابا کے برسوں کے وفادار بھی پل میں مجھ سے بدل گئے تھے، شاید ان کے ذہنوں پر بھی تایا کی دہشت طاری تھی، کئی دن تک حویلی میں جشن کا سا رہا، میں رخصت ہو کر ان کے گھر آئی، شادی کی شب رقص و سرور کا پروگرام تھا، وہ کمرے میں داخل ہوا تو مدہوش تھا، صبح وہ جانے کب ہوش میں آیا اور کب بیدار ہوا، مجھے بھاری زیورات اور بیش قیمت عروسی جوڑے میں وسیع و عریض لان میں بنے اسٹیج پر لا کر بٹھایا گیا، میرا حسن میرے تن پر سجے زیورات میرا عالیشان گھر اس سب کے سب موضوع گفتگو تھے، کسی کے پاس فرصت تھی نہ اتنا شعور کہ میرے دل کے زخموں کو گنتا، اس بھری محفل میں، میں کتنی تنہا تھی، میری خالاؤں اور ماموؤں کو جان بوجھ کر مدعو نہیں کیا گیا تھا، ان کا قصور صرف یہ تھا ان کے خیال میں وہ کسی طور پر اس خاندان کے ہم پلہ نہ تھے۔

اندر باہر دعوت ولیمہ کے نام پر انواع و اقسام کے کھانوں کی قطار در قطار میزیں سجی تھیں، رنگ و بو کا طوفان سا آیا ہوا تھا، اس شور شرابے اور ہلے گلے میں حیرانی، سراسیمگی اور خوف کی لہر اس وقت پھیلی جب پولیس سے بھری ایک گاڑی سے ایک پولیس آفیسر نے اتر کر ارسلان کو ہتھکڑی پہنا دی، شاید ایسا نہ بھی ہوتا لیکن ارسلان عالم کے قریب آنے تک تایا، ارسلان اور سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ وہ تایا کے مہمانوں میں سے ہیں، اس کے خلاف اغواء اور قتل کا کیس تھا۔

خبر ایک پل میں ایک کونے سے گردش کرتی دوسرے کونے تک پہنچ گئی، یہاں تک کہ مجھے خبر ہوگئی کچھ نا خوشگوار دھڑکنوں نے سینے میں شور مچایا اور تھم گئیں۔

ارسلان عالم کو پولیس لے گئی۔

جس لڑکی کے اغواء اور قتل کے مقدمے میں ارسلان کو ملزم کی حیثیت سے لے جایا گیا تھا، وہ بے شک ایک غریب آدمی کی بیٹی تھی، ایسی کئی بیٹیاں اس جیسے لیٹروں کے ہاتھوں روزانہ لٹتی اور مرتی رہتی ہیں، لیکن یہاں صورت حال یہ تھی کہ تایا کہ کسی دشمن نے پولیس کو بھاری رشوت دے کر تایا کی بے عزتی کا سامان کیا تھا، ویسے کی دعوت کی ساری رونق خاک میں مل گئی، تائی نے جذبات میں آ کر بھری محفل میں میرے بدن سے زیور نوچ کر دور پھینک دیا۔

''منحوس، بدبخت، تیری نحوست نے میرے بیٹے کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں، بدچلن دور ہو جا میری نظروں کے سامنے سے، دفع ہو جا۔'' نہ صرف زیور نوچے بلکہ میرا منہ پے در پے تھپڑوں سے لال کر دیا، مجھے دھکے دیئے۔ چند خواتین نے آگے بڑھ کر مجھے ان سے بچایا اور کمرے میں بھیج دیا جو گھر خوشیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، غموں کی تاریکی میں ڈوب گیا، میرے پاس رونے کے لئے آنسو بھی نہیں تھے۔

دوسرے دن ایک اور حادثہ ہو گیا، شاید مکافات عمل کا آغاز ہو گیا تھا، ارسلان کی بیوی دونوں بچوں کے ساتھ وہاں آ گئی، اس نے آتے ہی وہ ہنگامہ کھڑا کیا کہ در و دیوار لرز کر رہ گئے، اس نے قانونی کاروائی کی دھمکی دی، ارسلان نے تایا کو بتائے بغیر اپنے نام لگی ساری اراضی اسے لکھ دی تھی، وہ بھی خاصے مالدار گھرانے سے تھی، بس ذرا نئے زمانے کے لوگ تھے۔

ماں باپ کی موجودگی یا غیر موجودگی ان کے لئے مسئلہ نہیں تھی، سو انہوں نے بیٹی ارسلان کو دے دی تھی، اب انہیں خبر ہوئی تو لاؤ لشکر کے ساتھ چڑھ دوڑے، تایا نے زندگی بھر زمینوں کے چکروں میں بھی عدالتی کاروائیوں سے دو دو ہاتھ نہیں کیے تھے، یہاں تو ہر طرف سے عزت کا دیوالیہ نکل رہا تھا، انہوں نے چپ چاپ اسے قبول کر لیا اور مجھے واپس میرے گھر بھجوا دیا، میں دلہن بن کر جاتے ہوئے بھی ایک لاش تھی، جو نہیں بتا سکتی تھی کہ اسے کہاں دفن ہونا ہے اور آتے ہوئے بھی ایک خاموش موت۔

پھر ارسلان ضمانت پر رہا ہو کے گھر آ گیا، اس کی بیوی کا تقاضا تھا کہ وہ ایک وقت میں دو بیویاں نہیں رکھ سکتا، اسے آزاد کر دے یا مجھے، اور ارسلان نے مجھے طلاق دے دی، کیونکہ اسے طلاق دے کر تایا اپنی سونا اگلتی ہوئی زمین سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے، میں دلہن بنی رخصت ہوئی اور پھر مطلقہ بن گئی۔

بدچلن تو مشہور کیا ہی تھا اب مجھے اعلیٰ الاعلان بدکردار بھی گردانا گیا، جسے ان کا شریف اور باکردار بیٹا گوارا نہیں کر سکتا تھا، پے در پے

ان صدمات اور پھر میری کردار کشی کی ہم نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا، ظلم حد سے بڑھ جائے تو مظلوم میں مقابلے اور جینے کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے، میرے ساتھ بھی یہ ہی ہوا، میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ میں ایک کھلونا بے جان مورت نہیں، ایک جیتا جاگتا وجود ہوں، مجھ میں طاقت ہے، علم ہے سوچ ہے اور فیصلے کی قوت ہے اور اب میں کسی کے فیصلے کی قید میں بھی نہیں ہوں، میں نے جاب کے لئے اپلائی کر دیا، خالو نے میری مدد کی، وہ ہی مجھے لے آئے، میرے سارے ننھیالی عزیزوں نے مجھے محبت دی، تسلی دی، مجھے سنبھالا دیا، جینے کا حوصلہ بخشا اور نئی زندگی کی راہیں روشن کرنے میں میری مدد کی۔

عشارم یوسف یہ جو میں اتنی بہادر سی، خود اعتماد سی آپ کے سامنے ہوں یہ بہادری مجھے حالات کی ستم کاریوں نے بخشی ہے، اس نے طلاق نامے میں لکھا تھا کہ شادی کی پہلی شب اس نے یہ جان کر کہ اس کی بیوی عفت مآب با عصمت لڑکی نہیں ہے، اسے طلاق دے دی ہے، آپ ہی سوچیئے عشارم کیا کیا اس الزام کے بعد کوئی لڑکی سہولت سے جی سکتی ہے، خوش رہ سکتی ہے، یہ میری آنکھوں کے آنسو جو بن بلائے مہمان کی طرح آ جاتے ہیں، یہ اسی زخم کا ماتم ہیں، مجھے یہاں آئے دو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں، اب وہ پھر میرے پیچھے لگا ہے، مجھ سے معافی کا طلب گار ہے، میں اسے کیسے معاف کر دوں؟ کیا آپ کے پاس اتنا بڑا دل ہے آپ میری جگہ ہوتے تو اسے معاف کر دیتے، پھر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اسے مجھ سے غرض نہیں، صرف میری جائیداد کی فکر ہے، وہ باپ بیٹا بے حد چالاک ہیں، دولت کی ہوس نے ان سے انسانیت چھین لی ہے، اس وقت اپنی زمین بچانے کے لئے انہوں نے مجھے طلاق دے دی تھی، اب میری دولت ہتھیانے کے لئے وہ کسی بھی قیمت پر مجھے دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور طلاق کے خلاف فتویٰ تک لینے کی کوشش کر چکے ہیں، وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں، اس جائیداد کی خاطر میرا خون تک کر سکتے ہیں، لیکن میرا مقصد اپنے آپ کو بچانا ہے ان سے، میں زندگی کے دن تنہا گزار سکتی ہوں لیکن ان بھیڑیے نما انسانوں کے ساتھ نہیں، میں تو سب کچھ ان کے نام کرنے کو تیار ہوں مگر خالو جان اور ماموں جان مجھے ایسا کرنے سے روکتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اپنے جائز حقوق سے اپنے آپ کو محروم کرنے والا خدا کے نزدیک ظالم ہے۔

''یہ ہیں میرے مسائل، یہ تھی میری داستان، اب کہیے آپ مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہیں، میرے وجود سے بھاری میرے اوپر لگے الزامات کا بوجھ اٹھا لیں گے آپ؟ اگر ایسا کر سکیں تو......تو......'' وہ پھر رونے لگی، اس نے سر جھکا کر عشارم یوسف کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر کسی ہمدردی یا محبت کا شائبہ تک نہ تھا، وہ بڑا گھبرایا ہوا اور پریشان نظر آ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کے تاثرات تھے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا، منہ پھیر کر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے یمنیٰ سجاد احمد کی داستان غم کے اختتام پر افسوس کا ایک حرف بھی نہیں کہا۔

''اوہ اٹ از ٹو لیٹ، ہمیں واپس چلنا چاہیے؟'' اس نے کتنی غیر متعلق بات کی تھی۔

وہ آگے بڑا تو وہ بھی چل دی، اس نے خود ہی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، یمنیٰ بھی گاڑی میں آ بیٹھی، پریشانی اب بھی اس کے چہرے پر لکھی تھی، وہ گاڑی چلانے لگا، اس کی نظریں اب بھی راستے پر تھیں اور وہ بات کرنے

کے موڈ میں ہرگز نہ تھا، یمنیٰ نے بھی کوئی بات نہ کی، اب وہ بھی پشیمان تھی، اس نے قصہ غم سنایا بھی تو کسے، ایک بے حس انسان کو، جو اس کا کچھ بھی نہیں، دو گھنٹے سفر میں لگے، اس کے گھر کے گیٹ پر اسے اتارتے ہوئے اس نے خدا حافظ بھی نہ کہا اور گاڑی اڑا کر لے گیا۔

☆☆☆

وہ ششدر سی گھر کے گیٹ پر کھڑی تھی، اتنے خوش باش نظر آنے والے بندے کو ایک دم کیا ہو گیا تھا، آخر کیا؟

وہ عجیب سی کشمکش کا شکار اندر آئی، تھکن اس کے رگ و پے میں اتر چکی تھی، شاید کی ستم ظریفوں سے، وہ بستر پر ڈھے سی گئی، اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی، اس کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی، اگلے دن وہ کالج بھی نہیں گئی بلکہ اس نے ایک ہفتہ کی چھٹی لے لی، رات کو اسے خیال آیا کہ وہ عشارم کا پتہ تو کرے اس نے اس کا نمبر ملایا تو آف تھا، اسے حیرت ہوئی، نمبر کیوں آف ہوا، پھر کسی خیال کے تحت اس نے عشارم یوسف کے ہوٹل کال کی۔

یمنیٰ کم از کم اس سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس ساری کارگزاری کا مقصد کیا تھا اس کا، مگر اسے حیرت کے شدید جھٹکے لگے یہ سن کر کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر جا چکا تھا۔

وہ سخت ڈپریشن کا شکار تھی، عجیب بے کلی، بے زاری، ہر چیز سے دل اکتایا ہوا تھا، کچھ بھی کرنے کو دل آمادہ نہ تھا، نہ ہی قلم کاغذ سے، گزرے دو سالوں میں اس کے اندر چھپے طوفانوں نے اسے بکھیر دیا ہوتا اگر وہ خود کو ان دونوں شوق میں الجھا نہ دیتی، اسے لکھنے کا بچپن سے ہی شوق تھا اس کا ننھا سا ذہن لفظوں کا تانا بانا بنتا رہتا اور وہ ایک لفظ سے کہانی بناتی چلی جاتی، وہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھتی اور پھینک دیتی، اس طرح وہ اپنا شوق پورا کرتی، کہیں بھیجنے یا کسی میگزین میں پرنٹ کروانے کا اسے کبھی خیال ہی نہیں آیا۔

لیکن جب زندگی تلخ حقیقتیں قیامت بن کر ٹوٹیں تو اس نے قلم کا سہارا لیا اور اپنی سوچوں کو، زندگی کی الجھنوں کو صفحہ قرطاس پر بکھیرنا شروع کر دیا، اس نے اپنی زندگی کی کہانی کو لفظوں کی تسبیح میں پرو دیا، پھر اس کے تخلیقی ذہن نے اپنی کہانیوں کرداروں پر نظمیں لکھنا شروع کر دیں۔

اور پھر اپنے ناول کے لئے اس نے پہلی ٹائٹل غزل لکھی۔

اور ایک مقابلے میں، مسودہ بھیج دیا، نہ صرف اس کا نام پہلا انعام حاصل کر گیا بلکہ اس کا نام پورے ملک میں مشہور ہو گیا، اس کی ایک پہچان بن گئی، پھر اسی ادارے نے اس کا ناول شائع کیا اور اس کے کئی ایڈیشن بھی آئے، اس کی ٹائٹل غزل بہت پسند کی گئی، اس سے ایسے ہی دوسرے ناول کی فرمائش کی گئی، اس نے دوسرا ناول لکھنا شروع کر دیا، اس کی تحریر کی سب سے زیادہ جو چیز پڑھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی وہ موسموں کی منظر کشی اور دل کش ڈائیلاگ تھے، اس کے لفظوں سے محبت چھلکتی تھی۔

پبلشرز نے اس سے رابطے بڑھا دیئے اور کچھ کی تو خواہش تھی وہ صرف ان کے لئے ہی لکھے اور رائیلٹی کا فیصلہ اس پہ چھوڑ دیا، لیکن اس نے کی ایسی آفر پہ توجہ نہ دی کیونکہ اسے پیسے کی کمی تو تھی ہی نہیں، اگر کمی ہے تو محبت کی، ایک مخلص ہمدرد محبت کرنے والے شخص کی، بہت کم عرصے میں اس نے شہرت پائی تھی، یقیناً عشارم یوسف بھی اس شہرت کے حوالے سے اس تک پہنچا تھا اور آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی، اس بے نام بے

قراری اور کوفت سے بچنے کے کو آخر کار اس نے عشارم کا ناول پڑھنے کا فیصلہ کرلیا۔

صبح نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد اس نے پڑھنے کی ابتداء کی، ناشتے کے لئے اس نے اماں کو منع کر دیا تھا صرف ایک کپ چائے ہی لی تھی اور جب اماں بی اسے کھانے کے لئے بلانے آئیں تو وہ اسی میں مگن تھی۔

''بیٹا یہ بعد میں پڑھ لینا پہلے کھانا کھالو۔''

''اماں بی سارا تسلسل ٹوٹ جائے گا ابھی نہیں۔''

''ارے اتنا موٹا دستہ یہ تو مہینہ بھر بھی پڑھتی رہو تو ختم نہ ہو اور تم کہہ رہی ہو بعد میں کھالوں گی، موئے اس کے پیچھے بھوکی پیاسی رہو گی، کیوں دماغ کھپا رہی ہو، ان لفظوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، آنکھوں کا ضیاع الگ، دیکھو کتنی پیلی پیلی ہلدی جیسی رنگت ہو رہی ہے، چہرہ دیکھا ہے اپنا؟ اور یہ سر کے بال موئے چڑیا کا گھونسلہ بن گئے ہیں۔''

''سب کچھ ابھی یاد آ رہا ہے آپ کو؟''

''کچھ بھی کہو، لیکن یہ سب رکھو اور اٹھ کر کھانا پھر آرام کرنا اور شام کو سر میں مالش کروا کے شاور لے لینا اور میری مانو تو ایک چکر پارلر کا لگا آؤ، کچھ صورت نکل آئے گی، سوکھے گلاب جیسے چہرے پہ ذرا تازگی آ جائے گی، اگر فرصت مل جائے تو آئینہ بھی دیکھ لیا کرو۔''

''اچھا ٹھیک ہے، جیسا آپ کہیں گی کروں گی، بس جلدی سے کھانا دیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تو وہ اس کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے بولیں۔

''یہ ہوئی نہ بات، پھر کیوں ضد کرتی ہو۔'' وہ مسکراتی ہوئیں کمرے میں چلی گئیں اور وہ مسودہ ایک طرف رکھ کر ان کے پیچھے چل دی۔

کھانے کے بعد چند لمحوں کے جبری توقف کے بعد وہ پھر پڑھنے میں مصروف ہو گئی، عشارم یوسف واقعی ہی ادیب تھا، معاشرے کا عکاس ادیب۔

لگتا تھا معاشرتی دکھ اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھے تھے جو اس نے اس ناول میں سمونے کی کامیاب کوشش کی تھی، ان ساری محرومیوں کا ذکر کیا تھا جو طاقت کے نشے میں چور لوگ بے بس مجبور لاچار اور کمزور لوگوں کے مقدر میں لکھ دیتے ہیں اور اس وقت زمین پر وہ کاتب تقدیر کے فیصلے لکھتے ہیں۔

کہانی ایک نوجوان کے گرد گھوم رہی تھی، جس کا سفر مثبت انداز سے شروع ہو کر منفی انداز پر آن پہنچا تھا، جو برائی کی دلدل میں گر جانے کو تھا، اندھیرے اس کو نگلنے کو تیار تھے اور اس کے پاس ان اندھیروں سے بچنے کے لئے روشن راستے نہیں تھے، دشواریوں سے بچ نکلنے کا سامان ہی نہیں تھا، ایسے نوجوان اس ملک کے چپے چپے میں موجود تھے، اعلیٰ و ارفع خیالات و سوچ کے ساتھ میدان عمل میں اترنے والے اور پھر کچھ نہ پانے کی مایوسی میں جینے کی اصل راہ کھو بیٹھنے والے، اس نے اپنے مرکزی کردار کے حوالے سے، معاشرتی سدھار کے لئے تجاویز کھل کر پیش کی تھیں، وہ سب کچھ کہہ ڈالا تھا جو محرومیوں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے کافی تھا، پھر اس نے وسط سے آگے جا کر ایک راہبر کو سامنے لا کھڑا کیا تھا، جس کے پاس جرأت تھی، طاقت تھی، حوصلے تھے جو اس جنگ کے سپہ سالار کا کردار ادا کر سکتا تھا اور اس نے ایسا کر دیا، محرومیاں، خوشیوں میں بدل گئیں، لوگ حقوق و فرائض کی مکمل پہچان کے ساتھ جینے لگے اور دکھوں کے اندھیرے ترقی کے آفتاب سے روشن سویروں میں بدل گئے۔

اس نے تمام لکھنے والوں کی طرح اپنی تباہی اور بربادی کے موڑ پر ختم نہیں کیا تھا، امید نو تک لایا تھا، جدوجہد کرنے والوں کے راستے کو جگنوؤں منور کر دیا تھا، ہر طرف روشنی رقص کرتی نظر آ رہی تھی اور ان کے وسائل کا ٹھوس اور قابل عمل حل ڈھونڈا تھا اس نے، اس سفر پہ پھول، خوشبو، چاند ستارے اور جگنو منتظر تھے، پل بھر کو یمنیٰ بھول گئی کہ عشارم یوسف حسن ایک بے فکر لاپرواہ امیر زادہ ہے، اس داستان کے ایک ایک حرف سے اسے تلخ تجربوں کی بو آئی تھی، اسے لگا یہ کہانی اس نے خون دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھی ہے، کہانی پڑھتے ہوئے ہیرو کے روپ میں وہی اس کے سامنے آیا، کبھی بوسیدہ لباس میں، کبھی پپڑی زدہ ہونٹوں کے ساتھ کبھی فاقہ زدہ وجود کی صورت، کبھی باغی نوجوان کے روپ میں کبھی معاشرتی جبر کے خلاف بولتا اور پھر عزم و ہمت کے پیکر رہنما کی شکل میں معاشرتی ناہمواری کے خلاف جنگ کرتا، فتح سے روشناس ہوتی سچائی کو پا کے خوش ہوتا۔

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا یہ کہانی کسی امیر زادے نے لکھی ہے، ایسی کہانی وہ ہی شخص لکھ سکتا ہے جو خود تلخ تجربات سے گزرا ہو، اس کا ذہن اس میں الجھ گیا تھا، یہ کہانی عشارم حسن یوسف کی ہے۔

وہ سوچوں سے ہاتھ چھڑاتی ہوئی اٹھی، ناول پڑھنے کے بعد وہ ساری دنیا کو بھول گئی تھی، اس نے اسی وقت قلم اٹھایا پہلی سوچ اور خیال کے ساتھ فلیپ لکھ ڈالا اور نظم بھی لکھ لی۔

جب چاروں طرف اذان کی آواز گونجنے لگی تو وہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی، کئی بار پڑھنے کے بعد وہ خاصی خوش و مطمئن تھی، پھر ایک دم سے لہر سی دل میں اٹھی اور وجود میں سرائیت کر گئی۔

''یہ سب شاید بے مقصد ہے، جسے اس کی ضرورت تھی، وہ تو شاید اب نہیں آئے گا، کیونکہ اسے یہاں آنے کی ضرورت نہیں رہی اب۔''

پھر اس نے اپنی سوچ کو خود ہی مسترد کر دیا، اسے کم از کم اپنا ناول واپس لینے ضرور آنا تھا، وہ سب رکھ کر اٹھ گئی، وضو کیا اور فجر کی نماز ادا کی، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اس کی آنکھوں سے بارش کے قطرے گرنے لگے جو اس کی ہتھیلیوں میں جذب ہونے لگے، دل کے آسمان پر بادل بڑھتے جا رہے تھے اور بارش میں تیزی آتی جا رہی تھی، اس نے آنکھیں ہاتھ کی پشت سے رگڑیں اور جائے نماز تہہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور آ کر لیٹ گئی، پلکیں موند کر وہ خاموشی سے کلمہ پڑھنے لگی اور پڑھتے پڑھتے جانے کب سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو دن کافی نکل آیا تھا، فریش ہونے کے بعد جوس کا گلاس پیا اور کام کے بارے میں سوچنے لگی، سب سے پہلے تو اس نے فلیپ، نظم اور عشارم کا ناول محفوظ جگہ پہ رکھے، ایک دن اور ایک رات کی مسلسل مصروفیت نے اسے تھکا دیا تھا، دو دن اس نے بھرپور آرام سے گزارے لیکن اس کا ذہن عشارم کے لئے ہی الجھا رہا۔

''کیا عشارم یوسف حسن ایک خوبصورت سا خواب تھا، کیا مجھے اسے بھلا دینا چاہیے۔'' اس کی دھڑکنیں منتشر ہو گئیں اور اس پل اسے لگا اس کا دل انگلیوں میں دھڑکنے لگا ہے، اس نے آنکھوں میں اتری گھٹا کو بارش نہیں بننے دیا، دکھ اور اذیت کے ساتھ اس نے لبوں کو کچل ڈالا۔

☆☆☆

اگلے روز ہما اس کے گھر جلوہ افروز تھی، اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

''کیا بات ہے، یہ چہرے پر زردیاں کیوں پھیلی ہیں اور آنکھیں دیکھو کتنی ویران ہو رہی ہیں، یمنیٰ سجاد احمد ایسی تو نہ تھی تم۔'' اس نے زبان کو دانتوں تلے دبا لیا۔

''کچھ نہیں ہوا، یوں ہی محسوس ہو رہا ہے تمہیں، آج کتنے دنوں بعد دیکھا ہے نا تم نے تو زیادہ فیل ہو رہا ہے۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارے صاحب بہادر کیسے ہیں؟ کافی دنوں سے چکر نہیں لگایا تم دونوں کی لڑائی تو نہیں ہو گئی پھر سے؟''

''اسی طرح سے تم مجھے اپنی طرف سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہو، بہتر ہوگا کہ تم خود ہی سب بتا دو، ورنہ پتہ تو میں لگا ہی لوں گی۔''

''ہوں تو سی آئی ڈی کب سے کرنے لگی ہو؟'' یمنیٰ نے زخمی سی مسکراہٹ سے پوچھا، آج کتنے دنوں بعد اس کے لبوں پر ہنسی آئی تھی۔

''یمنیٰ سجاد احمد، ابھی تم اتنی گہری نہیں ہوئی ہو کہ کوئی بھی بات چھپا سکو مجھ سے، آج نہیں تو کل، کتنے دن تک کسی بھی راز کو اندر رکھو گی اور نہ ہی تمہاری کسی وضاحت سے مطمئن ہوئی ہوں۔''

''جانتی ہوں میں، تم تمہیں بہلانا اتنا آسان نہیں۔''

''یہ بتاؤ عشارم کیسا ہے؟'' یہ کہہ کر ہما اسرار نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا، اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا نینوں کے کٹوروں میں اوس کے قطرے نمودار ہوئے اور اگلے ہی لمحے دل کی دھرتی میں جذب ہو گئے، جیسے خشک دھرتی پر کچھ برسا ہی نہیں تھا۔

''پتہ نہیں۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''کیوں؟'' یمنیٰ خاموشی سے رہی، نگاہیں اِدھر اُدھر گھمانے لگی۔

''کچھ پوچھا ہے تم سے؟''

''مجھے نہیں پتا، کتنے دن سے ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی خیر خبر ہے۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم، مجھے یقین نہیں آ رہا تمہاری بات پر۔''

''مجھے خود بھی یقین نہیں آیا ابھی تک، کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، وہ ایسا کر بھی سکتا ہے، ایسا نہیں لگتا تھا وہ مگر۔''

''کوئی خاص وجہ۔'' ہما کی سوچیں عجیب سی ہو گئی تھیں اور دل کسی انہونی کے خیال سے دھڑکنے لگا۔

''جگنو نے مختصر وقت کے لئے راستے کے اندھیروں میں روشنی منور کی تھی، پھر اسے پلٹنا ہی تھا۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''لیکن وہ جگنوؤں کا قافلہ لے کر تمہارے دل کی دہلیز پر آیا تھا اور قافلے پلٹتے وقت بہت دیر لگتی ہے، اس وقت دلوں میں شدتیں کسی اور انداز میں بڑھ جاتی ہیں۔''

''شاید۔'' اس نے انگلیوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔

''وہ شادی کے لئے بضد تھا، لیکن میں اپنی داستان سنا کر اس کا فیصلہ سننا چاہتی تھی، اس مقصد کے لئے ایک بار تو میں نے ملنے سے ہی انکار کر دیا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ راستہ بدل لے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی تھی، میں نے رابطے ختم کر لئے، تو وہ اماں بی کے پاس آیا اور اس نے ان سے وعدہ لیا کہ مجھے ملنے کے لئے مجبور کریں گی اور ایسا ہی ہوا میں اس سے ملنے کے لئے راضی ہو گئی اور میں نے اسے سب کچھ بتا دیا اور

نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔''

اس کے ساتھ ہونے والی حیران کن واردات سن کر اسے دیکھتی رہ گئی، لیکن اس نے مایوس ہونے کے بجائے بہت یقین و بھروسے کے ساتھ کہا۔

''وہ آئے گا، ضرور آئے گا، جذبے وجود میں آ جائیں تو فنا نہیں ہوتے، مس یمنیٰ سجاد احمد، یہ آپ پکی سیاہی سے لکھ لیں، اس کا تمہارا ساتھ لکھا جا چکا ہے، کچی پنسل سے نہیں ربڑ سے مٹا دیا جائے، تم دل چھوڑ نہ کرو سب ٹھیک ہوگا انشاء اللہ۔'' ہما اس کے ساتھ شام تک رہی اور پھر کھانے کے بعد چلی گئی، یمنیٰ کافی حد تک بہل گئی تھی، مگر اس کے بعد وہی اداسیاں اس کے گرد بکھر گئی تھیں اور ان کا حصار اس کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں پہ چہرہ ٹکائے گہری سوچوں میں گم خالی آسمان کو دیکھے جا رہی تھی، آسمان کی چھوٹی چھوٹی کالی سرمئی اور سفید بدلیوں سے بھری ہوئی تھی، ہلکی ہلکی ٹھنڈی خوشگوار ہوا کے جھونکے ان بدلیوں کو اڑائے لئے جا رہے تھے، آنکھوں میں سرخ ڈورے اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ ساری رات سو نہیں سکی ہے۔

''یمنیٰ بیٹا کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' اسے یوں خود سے بیگانہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا، ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا، وہ اسی طرح خیالوں میں گم رہی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو، اماں بی نے دوبارہ پکارا۔

''یمنیٰ بیٹی ٹھیک تو ہو؟'' انہوں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا، تو وہ ایکدم چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''آں...... ہاں...... اماں بی۔''

''بیٹیا۔'' وہ رو دیں۔

''کیا ہوا اماں بی؟''

''تم ٹھیک دکھائی نہیں دے رہی ہو، کتنے دنوں سے یوں ہی گم صم سی ہو، تمہیں دیکھ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، پوچھنا تو کئی دنوں سے چاہ رہی تھی مگر تمہارے خیال سے خاموش رہی، کہ کتنے دن دل میں بات رکھو گی، آخر کہہ دو گی، لیکن تم۔'' اس نے خاموش نگاہوں سے اماں بی کے چہرے کی طرف دیکھا جو تفکرات سے زرد پڑ گیا تھا۔

''جس روز تم عشارم سے مل کر آئی ہو، اسی روز سے یوں گم صم مرجھا کر رہ گئی ہو، کیا کہا اس نے ایسا کہ تمہارے شگفتہ لفظ ویران لہجے میں تبدیل ہو کر رہ گئے ہیں، کچھ بتاؤ گی تو ہی اس سے بات کروں گی اور ویسے بھی کئی نوں سے اس نے چکر بھی نہیں لگایا۔''

''اماں بی اب وہ کبھی چکر نہیں لگائے گا کبھی نہیں، اس کا راستہ دیکھنا چھوڑ دیں نہ ہی اس کے لئے انتظار کے دیپ جلائیں۔''

''کیا کہہ رہی ہو تم۔'' وہ ورطہ حیرت میں ڈوب گئیں۔

''جو سچ ہے وہ ہی کہہ رہی ہوں اور سچ کا پھول کسی موسم میں نہیں مرجھاتا۔''

''کیا کہا تم نے اسے ایسا کہ سارے بندھن توڑ گیا وہ۔''

''جو حقیقت تھی وہ ہی بتائی ہے اماں بی، اب اس کی مرضی وہ مطلقہ عورت کے ساتھ چلے یا نہ چلے، کسی پہ زور زبردستی تو نہیں ہماری۔''

''ایسا مت بولو بٹیا، دل خون کے آنسو رو رہا ہے، اگر اس نے ایسا ہی کرنا تھا تو تم سے ملنے کے لئے بے چین کیوں تھا، میری منت سماجت کر کے تم سے ملنے کا وعدہ لیا تھا اور اب، لگتا تو

نہیں تھا ایسا۔"

"کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے اماں بی، اس وقت تک وہ میرے حالات سے واقف نہیں تھا اور جب سب جان لیا تو اسے پلٹنا ہی تھا، موجیں ساحل سے ٹکرا کر ہمیشہ پلٹتی ہیں۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا، وہ خود کو بہت مضبوط ظاہر کر رہی تھی مگر ایسا نہیں تھا، وہ کچی مٹی کے کھلونے کی طرح ٹوٹ کر رہ گئی تھی اور اس کی آہ وبکا اماں بی کے سینے میں اتر گئی تھی۔

"اس نے مجھے ماں کہا تھا اور ماں سے دھوکہ کرنے والے کبھی خوش......"

"خاموش ہو جائیں اماں بی۔" وہ ایکدم چلائی تھی۔

اماں بی نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا، وہ زندگی میں پہلی بار اتنی اونچی آواز میں ان سے بولی تھی اور بولی بھی تو کس کے لئے۔

"اماں بی، اماں بی اسے بد دعا مت دیں پلیز اماں بی، میں اس سے محبت کرتی ہوں، شدید محبت، اس کے بنا زندہ رہنا بہت مشکل ہے اماں بی، شاید میں جی نہ پاؤں۔" وہ بلک پڑی۔

"میری جان، میری چندا، میں تجھ پہ قربان، میں تو، میں تو......" انہوں نے اسے اپنی کمزور بازوؤں میں بھینچ لیا اور ان کے سینے سے لگ کر سیلاب کے سارے بند ٹوٹ پڑے، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، اماں بی بھی خود پر اختیار نہ رکھ سکیں اور اس کے ساتھ رونے لگیں۔

"اماں بی مجھے یہاں سے کہیں دور لے جائیں، مجھے یہاں نہیں رہنا اماں بی، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ایسا نہ کہو میری چندا ایسا مت بولو۔" وہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے صاف کرتے ہوئے بولیں، وہ خود اس مقام پر بے بس ہو گئی تھیں، کیا کر سکتی تھیں اس کے لئے سوائے دعا کے، ان کے کپکپاتے لبوں سے ایک ہی فریاد نکلی تھی۔

"بس کرو میری جان اور کتنا روؤ گی، بیمار پڑ جاؤ گی رو رو کر، وہ آئے گا میٹھی بیٹی وہ ایک دن دہلیز پر لوٹ آئے گا، تمہارے اندھیرے راستے میں چراغ روشن کر دے گا، اللہ کبھی مایوس نہیں کرے گا تمہیں کبھی نہیں، اگر اس نے تمہارے دل میں اس کی محبت کا بیج بویا ہے تو اس بیج کو تناور درخت بھی وہ ہی بنائے گا، اس کی رحمتوں سے نا امید مت ہو، مایوسی گناہ ہے کفر ہے، مایوس ہونے کا مطلب ہے کہ ہمارا یقین ختم ہو جاتا ہے، کسی بھی حال میں ایسا نہیں سوچنا چاہیے انسان کو۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں، اس کے حوصلے بندھا رہی تھیں اور اس کی آنکھوں میں جگنوؤں کے دیپ جلانے کی کوشش میں تھیں اور اس کے ہاتھ میں امید کی ڈور تھما رہی تھیں۔

"میری مانو تو کچھ دنوں کے لئے ہما کی طرف جاؤ یا پھر اسے یہاں بلا لو اس طرح تمہارا دل بہل جائے گا اور کسی حد تک فریش ہو جاؤ گی۔" انہوں نے اسے ایک نئی راہ دکھائی۔

"کیا تم نے ہما کو یہ سب بتایا؟" کسی خیال کے آنے پر انہوں نے اس سے پوچھا۔

"جی اماں بی، کیوں چھپاتی؟ اور کب تک چھپاتی، ایک جھوٹ کے لئے کئی بار جھوٹ بولتی، لیکن جھوٹ کے بادل زیادہ دیر ساتھ نہیں چلتے ایک نہ ایک دن چھٹ جانا ہی ہوتا ہے انہیں۔"

"پھر اس نے کیا کہا؟"

"آپ کی طرح پر امید ہے کہ وہ آئے گا ضرور آئے گا۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" انہوں نے ایک بار پھر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا اور ان کے دل سے ایک ہی فریاد نکل رہی تھی عشارم کے لوٹ آنے کی۔

☆☆☆

کون سی ایسی جگہ تھی جہاں وہ اس کی تلاش میں ماری ماری نہ پھری، لیکن وہ اسے نہ ملنا تھا اور نہ ہی ملا، پھر اس کی محبت اسے رب کے قریب لے گئی، وہ جو کبھی کسی وقت کی نماز ادا کر لیتی تھی اور کبھی نہیں، مگر اب وہ باقاعدگی کے ساتھ پانچوں نمازیں اور تہجد ادا کرنے لگی، اس کے علاوہ قرآن پاک کی تلاوت تسبیحات کرنا اس کا معمول بن گیا اور فارغ وقت میں درود شریف پڑھتی رہتی، دن بہ دن اس کی عبادات کا دورانیہ طویل ہوتا جا رہا تھا، وہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی تو کتنی دیر خالی ہتھیلیوں کو دیکھتی رہتی، اس کے لب خاموش ہوتے اور دھڑکنیں اس کی رفاقت، اس کے لوٹ آنے کی دعا کرتیں، اب وہ زبان سے اس کا ذکر نہیں کرتی تھی لیکن دل اسی کا تمنائی تھا، اسی کی خواہش کرتا تھا۔

کتنا نادان تھا اس کا دل اور کتنی پاگل تھی وہ، دل اس کے ساتھ کا متمنی تھا جو ہرجائی تھا، جس نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی تھی، دل اس کی محبت میں پور پور آج بھی ڈوبا ہوا تھا، اس کے ذہن و دماغ کو تو کسی حد تک سکون مل گیا تھا لیکن اسے دل سے نکالنے یا بھلانے میں کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔

ہما اس کے پاس رہنے کے لئے آئی لیکن اب اس کے پاس کسی سے بات کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا تھا، لیکن اس کے باوجود ہما کا دل مطمئن تھا وہ ایک صحیح راستے پہ چل پڑی ہے۔

دو دن بعد وہ اپنے گھر چلی گئی، بدقسمتی سے اس کا ٹرانسفر دوسرے شہر میں ہو گیا تو وہ اس سے دور چلی گئی، ایک فون کا ذریعہ تھا دل بہلانے کے لئے مگر میٹھی فون پر آتی ہی نہ تھی۔

سعد حسن کبھی کبھار آ جاتا لیکن اس کی لاتعلقی دیکھ کر آنا ہی چھوڑ گیا، اماں بی کبھی اس کے لئے خوش ہو جاتیں اور کبھی اداس، وہ اس کی شدت سے منتظر تھیں جس دن عشارم یوسف ان کے دروازے پہ دستک دیتا، موسم کافی تبدیل ہو چکا تھا، لیکن بدلی تھی تو صرف وہ ہی نہ بدلی، اس کے دل کا موسم ایک ہی تھا، دل کے مکیں کا باسی ایک ہی رہا۔

وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی، خوشگوار سرمت ہوائیں چل رہی تھیں، اسے وہ شدت سے یاد آ رہا تھا، جو ایک جھلک دکھلا کر پھر سے غائب ہو گیا تھا، جیسے اس نے کوئی خواب دیکھا تھا جو آنکھ کھلنے پر ٹوٹ گیا، مگر اس کا سحر ابھی تک طاری تھا اس پر، وہ پلکیں موندے اسے سوچ رہی تھی کہ اماں بی کی آواز پر آنکھیں کھول کر ان کو دیکھا۔

"یہ ٹی سی ایس آیا ہے تمہارے نام، جلدی سے دیکھو کیا ہے کس نے بھیجا ہے؟ میرے دل کو ہول پڑ رہے ہیں۔" انہوں نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں اماں بی میں دیکھتی ہوں۔" پریشان تو وہ بھی ہو گئی تھی لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا، اس نے ان کے ہاتھ سے سفید بند لفافہ لیا تو اوپر عشارم یوسف کا نام دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔

"کس نے بھیجا ہے بٹیا؟"

"عشارم کا لیٹر ہے، پڑھ کر بتاتی ہوں کیا لکھا ہے۔" اس کی دھڑکنیں بہت عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگی تھیں۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے، خیر کی خبر ہو۔" انہوں نے دعا کرتے ہوئے کہا، وہ اٹھی اور مرے مرے قدموں سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''یقیناً معذرت نامہ ہو گا تعلق توڑنے کا اطلاع ہو گی، یا اپنی صفائی میں کچھ کہا ہو گا، خاصا بھاری لفافہ ہے، اپنی صفائی میں دلیلیں دی ہوں گی۔'' اس نے لفافہ کھولے بنا ہی مضمون بھانپنے کی کوشش کی، وہ بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی، اس نے عشارم یوسف کا نام ایک بار پھر گہری نظروں سے دیکھا اور بے ساختہ ہی لبوں سے لگا لیا، اس نے آنکھیں بند کرلیں اور اس کے لمس کی خوشبو کو اپنے اندر اتارنے لگی، پلکوں سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے، اس نے کپکپاتی انگلیوں سے لفافہ چاک کیا، کاغذات کا ایک پلندا سا نکالتے ہوئے اس کی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔

''کاش میں تمہیں جان کہہ کر پکار سکتا، شاید مجھے یہ کہنے کا کوئی حق نہیں۔'' اس نے منتشر ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس جملے کو بار بار پڑھا، اسے اپنے اندر زندگی دوڑتی محسوس ہوئی پھر اس کی نظریں عشارم کی تحریر کا طواف کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا اپنی کہانی کہاں سے شروع کروں، کن لفظوں میں بیان کروں، لیکن اتنا یقین رکھنا جو بھی کہوں گا سچ کہوں گا ایک لفظ جھوٹ نہیں، تو آغاز میں تمہاری بات سے ہی کرتا ہوں، یمنٰی تم نے اپنی داستان میں معاشی پہلو کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی، مگر میرے تعارف میں معاشی حالت کا ذکر سر فہرست ہے، ورنہ میری بات ادھوری رہ جائے گی، میں جن حالات میں پیدا ہوا میرے والدین کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے، ان کے وسائل کم مسائل زیادہ تھے، بقول امی کے نیک بخت ثابت ہوا تھا، ابا میری پیدائش کے بعد ایک ادارے میں کلرک بھرتی ہو گئے، ابا کے لگتے کی اماں کی آنکھوں نے میرے حوالے سے سپنے دیکھنا شروع کر دیئے، لیکن ایسا نہ ہو سکا، ابا کی تنخواہ میں تو گھر کی دال روٹی ہی چل رہی تھی کہ میری دو بہنیں میرا حصہ بانٹنے کو آ گئیں، ابا کی تنخواہ کم اور اخراجات میں تیزی کیساتھ اضافہ ہو رہا تھا، میرے والدین بے شک غریب تھے لیکن دونوں ہی وضع دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کی زندگی ناکامیوں کی بھرمار کے باوجود عزم و ہمت سے بھرپور تھی، میں تین سال کا تھا کہ ابتدائی تعلیم حاصل کر چکا تھا، امی نے خرچے سے پیسے بچا بچا کر میرے داخلے کے لئے فنڈ اور فیس جمع کی تھی، امی مجھے اسکول لے گئیں اور میڈم نے کچھ سوالات کیے جن کے جواب فر فر دے دیئے میں نے، وہ میری ذہانت اور قابلیت کی قائل ہو گئیں، میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد یہ ہی دیکھا تھا کہ میرے پاس کھیلنے کو کوئی کھلونا نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ایسی ضد کی، میری تفریح اور میرا کھیل سب کچھ میری کتابیں تھیں، میری زندگی کھیل سے نہیں علم و عمل سے عبارت ہے، بہت چھوٹی عمر میں یہ بات سمجھ آ گئی تھی کہ میں منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والا بچہ نہیں، میری زندگی محنت و مشقت کی منتظر ہے مجھے محنت کرنا ہے اور آگے بڑھ کر اپنی منزل حاصل کرنی ہے، میں جوان بھی ہو گیا لیکن میرے ابا کی ترقی نہ ہوئی، میں نے بھی ایک دو ٹیوشن لے لئے، اس محنت و مشقت نے مجھے کاغذ قلم اور لفظوں سے کھیلنے کے مواقع بخشے اور میں تعلیمی میدان کی منزلیں طے کرتا آگے بڑھتا چلا گیا، میں نے بچوں کے لئے متعدد کہانیاں لکھیں جو پسند بھی بے حد کی گئیں، ماس کمیونیکیشن میں ایم اے کرنے کے بعد اور ابا کا ہاتھ بٹانے اور اپنا فرض ادا کرنے اور جرنلزم میں عملی تجربہ حاصل کرنے کے خیال سے ایک اخبار کے آفس میں اپنی خدمات پیش کرنے گیا اور میری قابلیت کو

مدنظر رکھتے ہوئے رکھ لیا گیا، لیکن میرے لکھے ایک فیچر نے اخبار والوں کے لئے مسائل کھڑے کر دیئے اور انہوں نے مجھے نکال دیا، محنت کے بدلے کسی معاوضے کے بجائے چند گالیاں، متعدد سخت الفاظ اور صحافت کے لئے نا اہلی کا ٹائٹل لے کر میں لوٹ آیا، پھر اس شوق سے آنکھیں چرالیں میں نے، آئے دن انٹرویو کے لئے تیار ہو کر ماں بہنوں کی دعاؤں کے حصار میں نکلتا مگر ناکامی میرے ساتھ ہوتی اور پھر کسی انٹرویو کے لئے جانا ایک سنگین مذاق لگنے لگا، بہنوں کو مزید پڑھنے سے روک دیا گیا اور میری چھوٹی معصوم بہن اسکول میں جاب اور ٹیوشن پڑھا کر میرے لئے کپڑے جوتے خرید کر اپنا فرض سمجھنے لگیں کہ ان کے اکلوتے بھائی کو ہر تیسرے دن کسی نہ کسی نئی عدالت کے روبرو پیش ہونا ہوتا تھا اور نک سک سے تیار ہو کر جانا اس بے چارے کی عزت نفس کا سوال تھا، اپنی ڈگریوں کے زعم میں کلرکی، سیلز مینی یا کوئی ایسی نوکری نہیں کر سکا، میرے خوابوں میں ایک خوابناک آفس تھا اور ایک کامیاب انسان، لیکن میرے خوابوں کی تعبیر مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں تھی، حتی کہ میری پیار کرنے والی ماں بھی مجھے کاہل اور ہڈ حرام کہہ کر پکارنے لگی، باپ نے میری تعلیم کو میری ناکامی کی وجہ قرار دیا کہ اس تعلیم کی وجہ سے نہ آفسر لگ سکا اور نہ ہی کلرک بھرتی ہونا پسند کیا، انہوں بارہا مجھے اپنے دفتر میں کلرک کی سیٹ پر بھرتی ہونے کا مشورہ دیا لیکن میں، میرا دل و ذہن قبول نہیں کر سکا، اگر کلرک ہی بھرتی ہونا تھا تو اتنی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، دن رات محنت اس لئے تو نہیں کی تھی کہ ایک اور دو کے چکر سے ہی نہ نکل سکوں، اتفاق سے ایک بار ایک صاحب سے ملاقات ہو گی، تعارفی مرحلے طے ہوئے اور میری تعلیمی قابلیت کو حسین الفاظ میں سراہا اور مجھے ایک اچھی نوکری کی پیش کش کی، وہ کسی کنسٹریکشن کمپنی کے مالک تھے، اپنا کارڈ دے کر صبح اپنے آفس آنے کی تاکید کی، میں خوشی خوشی گھر لوٹا امی، بہنوں اور ابا کو یہ خبر سنائی ان سب کے مرجھائے چہرے اچھی خبر سے کھل اٹھے، اگلی صبح آس کی ڈور سے بندھا ان کے آفس پہنچا تو مجھے ایک آراستہ و پیراستہ آفس پہنچا دیا گیا، مجھے لگا میری محنت، ایمانداری اور فرض شناسی کا انعام مل گیا ہے، ریوالنگ چیئر پر بیٹھا اپنی بلند بختی کا اندازہ کر رہا تھا کہ مجھے یاد آیا میں اپنے اصلی کاغذات کی فائل باس کے آفس میں بھول آیا ہوں لینے کے لئے گیا ابھی ہینڈل پر ہاتھ ہی رکھا تھا کہ اندر سے آتی آوازوں نے قدم جکڑ لئے، باس کے کامیابی سے ہمکنار قہقہے میری سماعتوں میں گونج رہے تھے، بندہ کافی ذہین اور عقل مند ہے، اگر بندہ کام کا نکل آیا تو اس برانچ کا سارا انتظام اسے ہینڈ اور کر دوں گا۔''

''عقل کے ناخن لو یار، اتنی جلدی کیسے، اس راز میں شریک کر لو گے کہ اس کمپنی کے پس پردہ مقاصد کچھ اور ہیں، صرف نام کی کنسٹریکشن کمپنی ہے، ابھی اس نے کچھ نہیں دیکھا پیسے کی چمک، دولت کی کشش، اس سے ساری حب الوطنی چھین لے گی، تم جانتے ہو ناں، یہ غریب ویل ایجوکیٹڈ نوجوان سرکش شیروں کی طرح ہوتے ہیں، انہیں سدھار کر سرکش شیر بنانا خاصا محنت طلب کام ہے، مگر تم فکر نہ کرو اسے صرف افسر بننے کی خواہش ہے آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کے بعد وہ سب بھول جائے گا کہ وہ کیا کر رہا ہے اس سے کیا کرایا جا رہا ہے ہماری تنظیم کو ذہین و فطین افراد کی اشد ضرورت ہے اور میں نے اسے بے حد ذہین پایا ہے۔''

''ان مختلف آوازوں نے سب راز افشاں کر دیئے کہ وہ غلط دھندہ کرتے ہیں، مجبور و بے بس لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نوٹوں کی جھلک اور پر آسائش زندگی کی خواہش سب کچھ کرا دیتی ہے انسان سے، بہت سارے نوجوان ان لوگوں کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں لیکن مجھ میں ابھی ایمانداری باقی تھی، میرا ضمیر زندہ تھا، میں اپنے ضروری کاغذات قربان کرتا ہوا وہاں سے نکلا کیونکہ وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت تھی، یہ میرے ماں باپ کی دعائیں تھیں یا میری قسمت اچھی کہ اتنی جلدی سب کچھ جان لیا تھا، اگر میں ان کی سازشوں میں گھر جاتا تو کیا ہوتا؟ یا تو میں اپنی ضمیر کی آواز کے خلاف کام کر رہا ہوتا، یا ان لوگوں کی گولی کا نشانہ بن جاتا اور میرے ماں باپ کو ایک دن میری لاش پر آنسو بہانے پڑتے، اس تگ و دو اس بے مقصد سفر کی ساری تھکان میرے رگ و پے میں اتر گئی، امی نے بھی ہر انٹرویو پر بے حساب دعائیں مانگنا اور امیدیں باندھنا چھوڑ دیا، میں نے ان فضول کاموں پر پیسے ضائع کرنے چھوڑ دیئے جو سفر لاحاصل تھا پھر اس رستے پر چل کر کیا کرتا؟ پھر میں نے اپنی سوچوں تجربے اور مشاہدے کو صفحہ قرطاس پہ بکھیر دیا، لفظوں کے موتی قلم کی نوک پر بیٹھ کر کاغذ کی لائنوں پر سفر کرنے لگے اور میں دن رات اس میں لگا رہتا، اس طرح سے میرے اندر کا غبار، بڑھتی ہوئی حبس کم ہوتی محسوس ہوئی اور جب ناول مکمل ہوا تو میرے جیسے فراغت کے مارے دوستوں نے اکیسویں صدی کا بہترین ناول قرار دیا، ہم نے اسے شائع کرانے کے عظیم و الیشان منصوبے بنائے لیکن ایک بار پھر مایوسی میرے رستے پہ میرے ساتھ گامزن تھی، پھر کسی نے کہا کہ مقصد نام کمانا ہے تو کسی کو بیچ دیتے ہیں اور پھر ہم اس خزانے کو لے کر ناشر کے پاس گئے، کسی نے اس کے عوض پیسے دینا تو درکنار اسے مفت لے کر جملہ حقوق اپنے نام لے کر چھاپنے کی بھی ہامی نہ بھری، ان کا کہنا تھا انہیں اپنا ادارہ چلانا ہے، روزی روٹی کمانی ہے اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہے اس میں جو سچائی کا زہر ہے وہ ان کی روزی پر لات مار دے گا اور چھوٹے چھوٹے بچے بھوک پیاس سے مر جائیں گے، ایک بار پھر میری سچائی میرے راستے کی رکاوٹ بن گئی، سو میں نے اسے بے بس، بے روزگاری کے جزدان میں لپیٹ کر اپنی خواہشات اور آرزوؤں کا کفن پہنا کر دفنا دیا، پھر میرا قلم نہ چل سکا، کیا لکھتا جھوٹ؟ میں کبھی جھوٹ لکھ ہی نہیں سکتا اور سچ کو چھپانا میرے اختیار میں نہیں تھا، بہتر یہی تھا میں لکھنا چھوڑ دوں، پھر میں نے اپنا قلم توڑ دیا، اس جج کی طرح جو مجرم کو پھانسی کی سزا سنا کر اپنا قلم توڑ دیتا ہے۔''

''آوارہ گردی کے علاوہ کوئی دوسرا کام میرے پاس نہیں تھا، امی مجھ سے متنفر ہو گئیں، میری بہنیں کھانا سامنے لا کر رکھتیں اور امی مجھے گھور کر دیکھتیں اور کہتیں۔''

''شہزادہ دن بھر گلیوں کی خاک چھان کر گھر یوں آتا ہے جیسے دن بھر بہت کام کر کے آیا ہو، مٹر گشت کرنے کے سوا تم کچھ نہ کرنا۔'' وہ منہ پھیر کر جانا کبھی نہ بھولتیں، یہ ان کا احتجاج تھا کہ میں جلد از جلد کسی محکمے میں کلرک بھرتی ہو جاؤں، ان کا بس چلتا تو سکیل پانچ میں بھی بھرتی کرا دیتیں مجھے، میں خاموش رہتا لیکن میری سوچوں میں اضافہ ہوتا ہو گیا، اسی دوران میں ایک شخص میری تلاش میں میرے گھر تک آ پہنچا اس کی دستک پر میں باہر نکلا تو اس نے گرم جوشی سے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور ہاتھ پر دباؤ ڈالا، میں کچھ عجیب سا

لگا کہ ایک اجنبی شخص کے انداز میں، اتنی گرم جوشی کیوں؟

''مجھے ارسلان عالم کہتے ہیں۔''

''جی فرمایئے کیا کام ہے؟''

''بہت سے کام ہیں کیا آپ مجھے اندر آنے کو نہ کہیں گے؟''

میرا گھر بہت چھوٹا سا تھا اور ڈرائنگ روم نام کی کوئی جگہ بھی نہیں تھی، ایک تو اجنبی اور دوسرا اتنے ویل ڈریسڈ نفیس بندے کو کہاں بٹھاتا، میری ہچکچاہٹ کو وہ سمجھ گیا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنی گاڑی میں بٹھایا اور ایک ریسورنٹ میں لے گیا، میرے اندر تجسس تھا آخر یہ کون ہے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ پہلے اس نے میری ادھوری امنگوں کا اور پھر اپنی ناکام تمنا کا ذکر کیا، میں نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی وہ میرے بارے کیسے اتنا کچھ جانتا ہے، بس میں جلدی سے یہ جان لینا چاہتا تھا وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے، میرے در پہ اپنی کس خواہش کی تکمیل کا خالی کشکول لئے آیا ہے۔

اس نے مجھے بتایا کہ تم اس کی چچا زاد ہو، تمہاری اور اس کی شادی دھوم دھام سے ہوئی، وہ تم سے محبت کرتا تھا ایک دن اس نے تمہیں ایک اجنبی کے ساتھ ناقابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا طیش میں آ کر طلاق دے دی، تم اس کے گھر سے چلی آئیں اور تمہارا دنیا میں کوئی نہیں، تمہاری بدکرداری کے باوجود اسے تم سے شدید محبت اور ہمدردی ہے، اپنے چچا اور اپنے خاندان کی عزت کا پاس ہے، تم اپنی مرضی کی آزادانہ زندگی گزار رہی ہو، تمہارے پاس جواز ہے کہ طلاق دینے کے بعد وہ تمہارا حق دار نہیں رہا، لیکن صرف وہ ہی کیا پورا خاندان تمہارے لئے متفکر ہے چونکہ تم ایک بھونرا صفت لڑکی ہو، میرے لئے تم پر ڈورے ڈالنا مشکل نہیں، تمہیں اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر اس منزل تک لے آؤں کہ تم مجھ سے شادی کر لو، پھر میں تمہیں طلاق دے دوں تا کہ وہ شرعی رکاوٹ دور ہو جائے اور وہ تمہیں پھر سے اپنا تحفظ مہیا کر سکے، اس کام کے لئے اس نے مجھے بھاری معاوضے کی آفر کی، میری ملازمت کے لئے سفارش کا بھی کہا اور ایڈوانس میں ایک لاکھ روپیہ بھی، اس رقم سے میں اپنا ناول تو چھپوا ہی سکتا تھا، میں گھر آ گیا اس کی آفر پر غور کرتا رہا، کبھی دل مان جاتا اور کبھی نہیں اور پھر اس سارے عمل کو اپنے لئے مناسب قرار دیتے ہوئے کسی ضدی بچے کی طرح دھرتی پر ایڑیاں رگڑتے اپنے ضمیر کو تھپکی دے کر سلا دیا، یہ کام کسی کی بھلائی، کسی کی زندگی کا سوال تھا، یہ نہ انسانیت دشمنی تھی نہ تخریب کاری نہ اس سے وطن کی دفاع اور سالمیت کو خطرہ تھا، میں نے فیصلہ کر لیا اور اپنے اس فیصلے سے ارسلان عالم کو آگاہ کر دیا، وہ بے حد خوش تھا اس نے مجھے اسی وقت گاڑی کی چابی دی، ایک خوبصورت فلیٹ میرے نام سے کرائے پر لے لیا، مجھے کئی عمدہ ڈریسز، جوتے، رسٹ واچ، موبائل اور دیگر ضروریات خرید دیں جن کی موجودگی مجھے رئیس زادہ ثابت کر سکے اور معقول رقم بھی میرے ہاتھ میں تھما دی، اس نے مجھے تمہارے بائیو ڈیٹا سے آگاہ کر دیا اور تمہاری تصویر بھی مجھے دی اور میں آ گیا۔

''دیمثی یقین کرو، زندگی کی تلخیاں جو گھٹی کا پہلا قطرہ بن کر میرے منہ میں ٹپکی تھیں کبھی مجھے رومان کی مہلت ہی نہ دی۔''

''کچھ رومانٹک ناول کے ڈائیلاگ رٹے اور دو چار دن کی پریکٹس سے اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور کچھ دن بعد تم سے ملاقات بھی ہو گئی، تمہاری تصویر میں نے پیشہ ورانہ حیثیت سے دیکھی تھی لیکن تمہیں دیکھ کر جانے کیوں، میں

کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔''

''تم، تم تو وہ ہستی تھیں جو میرے اندر بس رہی تھی، شہر ذات بن کر جانے کب سے میرے ساتھ تھیں، تمہاری ذات کے رکھ رکھاؤ، تمہارے وقار تمہاری گفتگو نے مجھے بارہا جھنجھوڑا، یہ لڑکی ایسی نہیں ہو سکتیں، جھوٹ ہے سب بالکل جھوٹ، مگر میں اپنے خیالات کی نفی کر کے اپنے مقصد میں کامیابی ہر حال میں چاہتا تھا، میں نے تمہاری شاعری، تمہارا ناول تو درکنار، تمہارا نام تک نہ سنا تھا، لیکن میں نے سب ارسلان کی زبانی سنا اور سنجیدگی کے ساتھ کہہ دیا اور کچھ اس انداز میں اپنے ناول کی ٹائٹل نظم اور فلیپ بنانے اور فلیپ لکھنے کا کہا کہ تمہیں میری بات پر یقین آ گیا اور اپنا ناول تمہارے حوالے کر دیا اور اس رات فون پر تمہیں شادی کی پیشکش بے تکے انداز میں بے وقت تمہارے سامنے رکھنے کے بعد احساس ہوا تھا کہ میں کچھ جلدی کر گیا ہوں، حقیقت میں جلد از جلد اس جھوٹ اور فریب سے نجات چاہتا تھا یا میں تمہاری ذات کے حصار سے نکلنا چاہتا تھا، جھوٹ بول کر تمہیں حاصل کرنا اور پھر کسی کو لوٹا دینا تھا تمہیں اور سچ بتا دیتا تو تم ایک پل میری بات سننا گوارا نہ کرتیں اور دھتکار کر آگے بڑھ جاتیں، یہ جان کر کہ میں ایک غریب گھر کا بے روزگار نوجوان ہوں جس کے پاس عیاشی کرنے کے کچھ نہیں تھا، بہر حال میں خود سے جنگ لڑتا ارسلان عالم کو سچا اور تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا اور میں بہت جلد تمہیں اس موڑ پر لے آیا کہ تم شادی کی ہامی بھر لو، مگر تم نے نہایت سادگی و سچائی اور پوری ایمانداری کے ساتھ اپنی زندگی کی کتاب میرے سامنے رکھ دی اور اس کتاب کا ایک ایک ورق پلٹ کر دکھا دیا مجھے، ان صفحوں پر زندگی کی تصویریں اپنی تمام تر بدصورتیوں اور تلخیوں کے ساتھ روز اول کی طرح موجود تھیں اور پھر میں اپنی نظروں میں اتنا گرا کہ تم سے نظریں ملانے یا بات کرنے کی ہمت بھی میرے اندر نہ رہی۔''

''ہوٹل آ کر اسی روز اپنا بوریا بستر باندھا اور اپنے وجود کی غلاظت سمیٹے اپنے شہر آ گیا، اپنے آپ کو خوب لعنت ملاجت کی اور جب خود کو کھوجا تو معلوم ہوا کہ میں تو تمہاری محبت میں پور پور ڈوبا ہوا ہوں، سچ کہوں میں تم سے محبت کرنے لگا تھا، تم نے اپنی سچی محبت کے سکے میرے دل کے خالی کشکول میں ڈال دیئے تھے، لیکن اپنے جھوٹ اور تمہارے سچ نے مجھے سوکھے پتوں کی طرح بکھیر کر رکھ دیا، میرا وجود کانچ کے کھلونے کی طرح کرچی کرچی ہو گیا، اپنے وجود کے ریزے سمیٹنے میں کئی دن لگے مجھے، پھر میں نے ارسلان عالم سے رابطہ کیا اور اسے کہا کہ یہ کام ہونا ناممکن ہے، اس کے بعد تمہیں دل سے نکالنا چاہا لیکن ایسا نہ کر سکا، بھلانے کی کوشش کی تو اس میں بھی ناکام ہو گیا، میری سوچیں تم سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہو جاتیں، میرے دھیان کے رستوں میں تم ہی تم تھیں، میرے تصورات میں تمہارا چہرہ ابھرتا میں مضبوطی سے آنکھیں بند کر لیتا مگر تم میرے دل میں کھلی کھلانے لگتیں، تمہاری آوازیں میری سماعتوں کو پھاڑنے لگتیں تو میں کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر چلانے لگتا، یمنٰی مجھے اتنی شدت سے مت یاد آؤ، آنکھیں کھولتا تو تم سامنے کھڑی نظر آتیں، میں تمہاری طرف لپکتا اور تم وہاں موجود نہیں ہوتیں اور تمہیں نہ پا کر اور تڑپ جاتا میں، میری بے چینیاں میری بے تابیاں عروج پر تھیں، کسی پل کسی ساعت مجھے چین نہ آتا، میں ایک بار تمہیں دیکھنا چاہتا تھا، تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن خود میں حوصلہ نہ پاتا، مجھے

کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا، ہر طرف اندھیرے ہی اندھیرے پھیلے ہوئے تھے، اس کیفیت میں اپنے رب کے قریب ہو گیا۔''

''میں یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک چکا ہوں، بہت سوچ سمجھ کے بعد قلم کا سہارا لے رہا ہوں، جانتا ہوں میں کچھ بھی نہیں ہوں اور میری اس نیچ حرکت سے آگاہ ہو کر تم میری طرف ایک نظر ڈالنا بھی پسند نہیں کرو گی، اگر میں چاہتا تو اسی روپ میں تم سے شادی کر لیتا اور بعد میں اپنی حقیقت سے پردہ اٹھاتا کہ تمہارے سنگ نئی زندگی کا سفر شروع کر سکتا تھا، لوگ جنگ اور محبت میں سب جائز سمجھتے ہیں، مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا، میں جو کچھ بھی ہوں سب تمہیں بتا دیا ہے، میں اس بے درد معاشرے کا کمزور سا انسان ہوں، جو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، میں جانتا ہوں تم بہت حساس ہو تمہاری سوچیں ندی کے پانی کی طرح بہت صاف شفاف اور اجلی ہیں، تمہارے حساس کی سفید چادر پہ یہ جرم بہت بڑا بھیانک اور خوفناک داغ نظر آ رہا ہو گا، لیکن یمنٰی میں کیا، میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کچھ کرتا جو میں کرنے جا رہا تھا، مگر ذرا سوچو تو، میرے ضمیر کو ابھی موت نہیں آئی اس نے ابھی بے حسی کا کفن نہیں اوڑھا، میں لوٹ بھی آیا ہوں، میری جرأت ہی مجھے لوٹا لائی ہے، میں نے خود تمہاری عدالت میں ملزم کی صورت پیش بھی کر دیا ہے کہ تم میرا احتساب کر سکو، اگر تم مجھے بے گناہ قرار دے بھی دو تو بھی میں یہ فرمائش نہیں کر سکتا کہ مجھے عمر بھر کے لئے تمہارا ساتھ چاہیے، لیکن میں اتنا بتانا اپنا حق ضرور سمجھتا ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں گا تم میری زندگی میں حیات پرور خیال بن کر شامل رہو گی، ایک التجاء ہے تم سے، آخری التجاء، ایک بار مجھ سے مل لو میں تم سے محبت کرتا ہوں شدید محبت تم میری سانسوں میری دھڑکنوں میں بس رہی ہو، میں تمہیں اپنی ہمسفر تو نہیں بنا سکتا لیکن اپنے دل سے بھی نہیں نکال سکتا، اگر تم اتوار کی شام سات بجے مجھے اپنی مخصوص جگہ پر ملیں تو میں سمجھوں گا کہ تم نے میری التجاء مان لی ہے، دوسری صورت میں کبھی تمہاری راہ میں آنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔''

عشارم یوسف حسن

الفاظ اپنا وجود سمیٹ چکے تھے لیکن وہ ابھی تک ان کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی، چونک کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو لمحے جو ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے پھر ماضی کی پگڈنڈیوں پر قدم رکھ چکے تھے، قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہوئے اسے یاد دلانے لگے تھے کہ آنے والا دن اتوار ہے، وہ باہر آئی تو اماں بی جاء نماز پر بیٹھیں ہاتھ میں تسبیح لئے کچھ پڑھ رہی تھیں۔

''اماں بی...... اماں بی۔'' وہ خوشی سے چہک رہی تھی۔

''کیا ہوا یمنٰی بیٹا، خیر تو ہے؟'' انہوں نے ہول کر دل پر ہاتھ رکھا۔

''جی ہاں اماں بی سب خیر ہے بلکہ خوش خبری ہے آپ کے لئے۔''

''کیا کہا خوش خبری؟ عرصہ ہو گیا ان کانوں نے خوشی کی خبر نہیں سنی۔''

''اماں عشارم یوسف حسن کا لیٹر آیا ہے، وہ کل ملنے آ رہا ہے۔''

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' اماں بی نے ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سوہنے کا شکر ادا کیا جس نے ان بے کس لوگوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دی تھی، اماں بی نے بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر اطمینان اور سکون دیکھا۔

''اماں بی کل شام میں میرا مہمان آرہا ہے، آپ کھانے پر وہ سارے اہتمام کر لیجئے گا جو کسی بھی خاص الخاص مہمان کے لئے کیے جاتے ہیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹا، عشارم بیٹا آئے تو سہی میں کیوں نہ اس کا سواگت کروں۔'' وہ اٹھ کر کمرے میں آگئی، وقت تو شاید ٹھہر گیا تھا، گزرنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، وہ ایک ایک پل انگلیوں کے پوروں پر گننے لگی، لیکن لگتا تھا وقت کے پر کسی نے کاٹ دیئے ہوں، جو بہت سست رفتاری سے پرواز کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس کا زرد چہرہ تازہ گلاب کی طرح کھل گیا، آنکھوں کے دیپ جل اٹھے اور پپڑی زدہ ہونٹ لمحوں میں شنگرفی لبوں کی طرح مسکرانے لگے، گال ایکدم سے یوں سرخ ہو گئے جیسے حیا کی ساری سرخی ان گالوں میں سمٹ آئی ہو، اندھیرے راستے پر ایکدم سے جگنو سفر کرنے لگے تھے، سات سروں کا سرگم سماعتوں میں گونجنے لگا، وہ اپنے آپ ہی مسکرادی، ہنستے ہوئے اس کا چہرہ دودھیا چاندنی کی طرح دمک رہا تھا جو اس کے شفاف جذبوں کی گواہی پیش کر رہا تھا، جب چاروں طرف عشاء کی آواز گونجنے لگی تو وہ اٹھی وضو کیا اور خدا کے حضور سجدہ شکر بجالائی۔

☆☆☆

رات اس کے خیالوں اور تصور سے باتیں کرتے گزر گئی، صبح سو کر اٹھی تو خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی، لیکن شام تک کا انتظار، کل سے انتظار کی سولی پر لٹک رہی تھی، انتظار بہت اذیت ناک ہوتا ہے اس کا ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط لگتا ہے کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا، مگر جب کٹھن انتظار کے بعد محبوب کی صورت سامنے دکھائی دیتی ہے تو سارے جاں گسل لمحے کبوتر کی طرح آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کرتے دکھائی دیتے ہیں، جیسے جیسے شام قریب آ رہی تھی دل غبارے کی طرح خوشی و مسرت سے پھول رہا تھا، بہت سادگی سے تیار ہوئی اور وقت سے بہت پہلے گھر سے نکل آئی لیکن گھر سے نکلنے سے پہلے وہ اماں بی کو یاد کرانا نہ بھولی۔

''اماں بی، میں عشارم سے ملنے جا رہی ہوں اور کچھ دیر بعد اسے اپنے ساتھ لے کر آؤں گی آپ کھانا تیار رکھیئے گا۔''

''سب کچھ تیار ملے گا بس تم عشارم کو لے کر جلدی آنا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے کہا، وہ مسکراتی ہوئی چلی آئی۔

ویٹر نے بڑی اپنائیت سے اسے خوش آمدید کہا اور اتنے دن ہوٹل نہ آنے کا پوچھا وہ ہال میں داخل ہوگئی اور یہ دیکھ کر وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی، اترے چہرے اور سوچوں میں گم، سر جھکائے وہ اس میز پر بیٹھا تھا۔

''عشارم؟'' وہ دوڑنے کے انداز میں تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب جا پہنچی، وہ اپنے خیالات سے چونکا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اترے ہوئے چہرے کے ساتھ دیکھتا رہ گیا۔

وہ خاموش رہا اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا اس کا یمشٰی کو احساس بھی نہیں ہوا وہ اپنی کہے گئی۔

''کل تمہارا خط ملا اور یہ اتفاق ہے کہ میں کل جا نہ سکی ورنہ تو ہما کے ساتھ چلی جاتی، پھر شاید ہم کبھی نہ مل سکتے۔'' اس نے بھرپور اپنائیت کے اظہار میں اسے تم سے مخاطب کیا۔

''کھڑے کیوں ہو بیٹھو، بے شک ہمیں یہاں سے ابھی جانا ہے مگر ہوٹل کو دو کپ چائے کی قیمت کا ایڈوانٹیج تو ملنا چاہیے نا۔'' وہ اب بھی خاموش رہا، تکلف میں لپٹا لپٹایا بولا۔

''آپ میرا مسودہ نہیں لائیں؟'' وہ بے حد اداس، سنجیدہ اور دل گرفتہ تھا۔

''کیوں ٹائٹل نظم نہیں بنوانا تم نے اور فلیپ بھی نہیں لکھوانا؟ ابھی تو میں اسے پڑھ رہی ہوں لوٹا دوں گی۔'' ویٹر کے آنے پر یمشٰی خاموش ہو گئی، چائے کے ساتھ ہلکے پھلکے لوازمات بھی تھے، اس نے چائے بنا کر عشارم کے آگے رکھی سینڈوچ کی پلیٹ آگے کی۔

''شکریہ۔'' اس نے بدستور سوچوں میں گم رہتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا، باقی کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اس تمام وقت میں اس نے پہلی بار یمشٰی کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں کی چمک جانے کہاں غائب تھی۔

''کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا؟''

''یہ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا مجھے، ایڈریس دیتے جاؤ جواب لکھ دوں گی۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا، مختلف سوچوں کے ساتھ چائے پی گئی۔

''اب اجازت دیجئے، واپس جاؤں گا۔'' وہ کتنا بجھا بجھا سا تھا، ایکدم ہارے ہوئے انسان کی طرح جس کا خزانہ اس سے چھین لیا گیا ہو اور وہ زندگی سے قطعاً ناامید اور مایوس ہو۔

''میں بھی چلوں گی۔'' بل ادا کر کے ساتھ نکل آئی، اس کے ٹھہرے ٹھہرے تھکے تھکے قدموں کو دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

''کیسے جاؤ گے تم، کہو تو میں ڈراپ کر دوں؟'' وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا، شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، اس لئے تھوڑی سی رفاقت کی چاہ میں اس کی آفر پہ انکار نہیں کر سکا تھا، مگر کچھ کہہ نہ سکا، گاڑی رکی تو وہ حیران تھا، یہ یمشٰی کا گھر تھا۔

''یہ...... یہ آپ مجھے کہاں لے آئی ہیں؟''

''اپنے گھر اور کہاں، آؤ نا۔'' اس نے نیچے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

''اماں بی میرے مہمان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''جی۔''

''عشارم یوسف تم تکلف کرتے کچھ اچھے نہیں لگ رہے چلو اترو۔'' وہ خاموشی سے نیچے اتر آیا اور اس کی تقلید میں چلنے لگا۔

''اماں بی ادھر آیئے، آ گیا آپ کا مہمان۔'' عشارم حیران ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''ابھی آئی چندا۔'' اماں بی نے وہیں سے جواب دیا، اب پھر اس نے سعد اور ہما کو عشارم کی آمد کا بتایا، لاؤنج کے وسط میں کھڑے عشارم کا دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔

''بیٹا ماں کے گھر آیا ہے اسے مہمان تھوڑی کہتے ہیں۔'' اماں بی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے گلے سے لگا لیا، تو وہ خوش دلی سے مسکرادی، کچھ ہی دیر میں سعد اور ہما بھی پہنچ گئے، وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، انہوں نے ابھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ یمشٰی انہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا چکی ہے، پھر ان چاروں نے کھانا کھایا اور وہ یمشٰی کے رویے کے بارے میں سوچتا رہا، سعد اور ہما کی نوک جھونک یمشٰی کی خوش گفتاری اور اماں بی کی شفقت میں اس نے بھی خوش نظر آنے کی اداکاری کر لی، وہ کافی دیر بیٹھے اسے کمپنی دیتے رہے، رات کو ان دونوں کو رخصت کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ گھر کے گیٹ پر کھڑی تھی۔

''اس شہر میں میری استطاعت کے مطابق کوئی ریسورنٹ کس سمت ہو گا؟''۔ اس نے دھیرے سے بہت کھوکھلے لہجے میں پوچھا۔

وہ اسے دیکھتی رہی، یہ جملہ شاید اس نے

اپنی کوتاہیوں اور جرائم کے اعتراف میں کہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے عشارم تم نے ابھی تک اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھا، میں نے تو آتے ہی گیسٹ روم میں تمہارا بستر لگوا دیا تھا اور تم، تم جانے کی بات کر رہے ہو، میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا تم فیصلہ نہیں کر سکے، ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی کو سہارا دینے کا، اسے اپنانے کا، کیا وہ تمہیں اپنے قابل نہیں لگتی؟"

عشارم حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا اور اس کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا، اس کے سارے سوالوں کا جواب یمنیٰ کی آنکھوں میں تھا، اس کا اعتماد قدرے لوٹ آیا۔

"مگر یمنیٰ آپ...... تم جانتی ہو، میرے پاس تمہارے استقبال کے لئے کچھ بھی نہیں، اس چھوٹے سے گھر کا ایک مکمل کمرہ بھی نہیں۔" اس نے دانتوں کو کاٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان سب کی ضرورت بھی نہیں عشارم، ہم مل کر ایک نئے راستے پر سفر کا آغاز کریں گے، مجھے کسی پیسے والے شخص کا ساتھ نہیں چاہیے بس ایک محبت کرنے والے مخلص شخص کے ساتھ رہنے کا تصور ہی زندگی دے رہا ہے، جس کے ساتھ میرا ذہن، میری سوچیں میل کھاتی ہیں اور جو میرے دل کی دھڑکن بن گیا ہے، مجھے ایسے شخص کا ساتھ چاہیے جو میرا ہو صرف میرا، بٹے ہوئے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا سوہان روح ہے، جو ہوا اسے بھول جاؤ، یاد رکھیں گے تو بہت مشکل ہو گا کہ ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں، ہم جو ایک دوسرے سے ناآشنا تھے، اجنبی تھے، ہمیں ازراہ اتفاق ملانے کے لئے اس رب ایزدی کو کچھ نہ کچھ حالات تو ترتیب دینا ہی تھے، یہ حالات نہ ہوتے تو شاید ہم ایک دوسرے کی پہچان ہی نہ پاتے۔" اس نے آگے بڑھ کر یمنیٰ کا ہاتھ تھام لیا۔

"یمنیٰ کیا تم مجھے معاف کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو خود میں، کیا تم نے سچ مچ میری ساری خطاؤں کو معاف کر دیا، تم اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

"اب بھی سے کیا مراد ہے، تم کیا سمجھتے ہو اتنی کم ظرف ہوں ساری حقیقت جان کر متنفر رہوں گی تم سے، میں اب بھی اپنی تمام تر شدتوں اور پوری ایمانداری کے ساتھ تم سے محبت کرتی ہوں، شدید محبت۔" اس سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھی تو وہ بھی اس کی تقلید میں چل دیا، وہ ایک کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔

عشارم اندر داخل ہوا تو کمرے کے وسط میں رکھے ناول کا سرورق اس کا منتظر تھا۔

"یہ کیا ہے یمنیٰ؟"

"تمہارا ناول پڑھنے کے بعد وہ سب کچھ بھول کر اس تازہ تخلیق کو دیکھنے لگا۔"

"بالکل وہ ہی، میری سوچوں کی عکاسی، میرے خیالات کی تشریح، ویسی کی ویسی جیسی میں چاہتا تھا، ایگزیکٹلی وہی، ونڈرفل یمنیٰ، تم تو سچ مچ ایک بہترین شاعرہ ہو۔" اس نے یمنیٰ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا، تو یمنیٰ کی دھڑکنیں منتشر ہو گئیں۔

"اور تم ایک بہترین ادیب۔" اس نے عشارم کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"لیکن پھر بھی تم مجھ پر سبقت رکھتی ہو، بہترین شاعرہ اور مشہور و معروف ناول نگار اور میں تو ایک بڑا ہی کمزور انسان ہوں۔" اس کا سر پھر جھک گیا، وہ اب بھی نادم تھا، اس نے یمنیٰ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"نہیں عشارم اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے والے کمزور نہیں بلکہ من کے بہت سچے کھرے ہوتے ہیں اور سچ بولنا ہر انسان کا کام نہیں ہوتا، تم بہت اچھے سچے جذبوں کے مالک ہو اور مالک کا احسان ہے مجھ پر، جس کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے، جس نے میری زندگی کا راستہ تم جیسے انسان کی طرف موڑ دیا، ایک اچھے محبت کرنے والے مخلص ساتھی کا ساتھ ملنا کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا، وہ ساری اذیتیں اگر صرف اسی لئے تھیں تو کچھ بھی نہیں تھیں، بہت ہی کم، میں تنہائیوں کے سفر پر چلتے چلتے تھک چکی ہوں، مجھے سہارا چاہیے، کسی کا ہاتھ چاہیے، ایک ایسا شانہ چاہیے جس پر سر رکھ کر اپنی ساری تھکان اتار لو، اگر دولت تمہارے پاس ہوتی تو تم مجھ تک آتے، نہیں کبھی نہیں آتے۔" یمنیٰ نے اس کی سوچوں کو پڑھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے چہرے پر لکھی تحریر کا یہ ہی مطلب ہے عشارم، میری بات غور سے سنو۔" وہ خاموش بیٹھا رہا تو یمنیٰ نے اسے سمجھانا شروع کیا۔

"اگر میں سب چھوڑ بھی دوں تو ہم اپنے مقاصد کو کیسے پورا کریں گے بات صرف میرے جانے کی نہیں ہمیں تو ایک خواب پورا کرنا ہے نا، ایک مشن کو کامیاب بناتے ہوئے آگے اپنی منزل کی طرف بڑھنا ہے، اس ناول کو ہی لے لیں اسے شائع کرائیں تو کافی خرچہ آ جائے گا، اسی طرح اور سب، میں چاہتی ہوں کہ کوئی بزنس شروع کیا جائے اس کے لئے ہمیں باقاعدہ کوئی لائحہ عمل بنانا ہو گا۔"

"بزنس کیسا بزنس۔" وہ خیالوں کی دنیا سے چونک کر بولا۔

"جو بھی باآسانی کر سکو، ہم اس کی بنیاد رکھیں گے، تم اس کے اونر ہو گے اور میرا وعدہ ہے جب تم ایک کامیاب سرمایہ دار بن جاؤ گے تو میرا سرمایہ واپس کر دینا، پھر تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا، تمہارے والدین اس قرضہ حسن کو تو ضرور قبول کر لیں گے، انہیں اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔"

عشارم حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا، پھر اس کے سامنے آئندہ کی زندگی کی کتاب کی واضح صورت آگئی اور اس کا ورق ورق پلٹا جانے لگا، یہ لڑکی جو ستون کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی اس کی ناکام حسرتوں اور ادھوری خواہشات کی کتاب حیات کی تفسیر دل کش اور خوبصورت عنوان بن کے اس کی نامکمل زندگی کو مکمل کرنے چلی آئی تھی۔

''مگر میری بھی ایک شرط ہوگی؟''

''تمہاری بھی شرط، کہو۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''پوری ہوگی؟''

''یقین رکھو مجھ پر۔'' اس نے سنجیدہ مگر نرم اور میٹھے لہجے میں کہا۔

''بدلے میں صرف محبت، تمہاری خالص محبت چاہیے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں آخری سانس تک میری محبت میں کبھی کمی نہیں آئے گی بلکہ دن بہ دن اضافہ ہی ہوگا۔''

''سچ عشارم۔''

''ہاں۔'' اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سوچ عشارم۔''

''تو مجھ ناچیز اور احمق شخص کو پوری اجازت ہے کہ یہ جب چاہے تمہاری زندگی کی خوبصورت کتاب کا سرورق بن جائے۔'' اس عرصے پہلی بار اس کے لبوں پر شوخی اور شرارت تھی، اس نے پیار بھری خفگی سے اس کی طرف دیکھا درحقیقت اس کی آنکھوں کے آئینے میں رضامندی کے عکس دکھائی دے رہے تھے۔

''میں ہمیشہ کے لئے لوٹ آیا ہوں یمنیٰ اب کبھی تمہیں چھوڑ کر جاؤں گا اور نہ ہی جدائی کے جاں گسل لمحے درمیان میں آنے دوں گا، یقین رکھو میرا بہاریں ہر وقت ہمارے آنگن میں رقصاں رہیں گی اور ہمارا گھر جنت کا گہوارہ ہوگا، خزاں کا موسم بیت گیا بہار آگئی ہے اور یہ بہار کبھی خزاں میں تبدیل نہیں ہوگی، یہ عشارم یوسف حسن کا تم سے وعدہ ہے، جو اپنی جان تو دے سکتا ہے مگر وعدہ نہیں توڑ سکتا۔''

''ہاں بہار آگئی ہے عشارم، میرے آنگن میں خوشیاں اور مسرتیں رقص کر رہی ہیں۔'' اس کے لبوں پر بڑی پیاری دل فریب ہنسی بکھری ہوئی تھی۔

عشارم نے دو قدم آگے بڑھ کر یمنیٰ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور یمنیٰ کو لگا واقعی ہی بہار آگئی ہو۔

وقت نے ایسا پلٹا کھایا تھا کہ تمام دکھ سکھ میں بدل گئے اور آسمان و زمین محبت کی بارش میں نہا گئے۔

عشارم کی محبتیں اس نے دامن میں بھر لی تھیں، اس کے لبوں سے دعا نکلی۔

''میرے مالک میں نے تم سے مانگا تو اپنی رحمتوں کی بارش مجھ پر برسا دی، وہ تو ہی ہے جو رات کو اجالے میں اور اجالے کو رات میں بدل دیتا ہے، تو نے میرے دل کی ساری تاریکیاں روشنیوں میں تبدیل کر دی اور میرے اندھیرے راستوں کو منور کر دیا، جیسے میرے لئے آسانیاں پیدا کی ہیں اسی طرح سب کے نصیب چمکا دے آمین۔''

مانگنا ہے تو صرف اللہ سے مانگو وہ جو ساری دنیا کی سپر پاور ہے، وہ ہی دیتا ہے، وہ ہی نوازتا ہے۔

☆☆☆

ایمان علی

ہم نہ ہوتے تو کسی اور کے چرچے ہوتے
خلقت شہر تو کہنے کو فسانے مانگے

شازیہ چوہدری نے اپنے ناول تیرے نام کی شہرت میں لکھا تھا ''زمانہ بڑا بھلکو ہوا کرتا ہے'' مطلب اسے کہنے کو ہر روز نئی داستان چاہیے ہوتی ہے، جب نئی ملتی ہے پرانی پر مٹی ڈال دی جاتی ہے، مگر کیا کیا جائے کہ زمانہ تو شاید حقیقتاً بھلکو ثابت ہوا تھا مگر گھر والے بڑے ذہین طالبات کی طرح اک اک پل ازبر کیے ہوئے تھے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، اگر دو دن سکون کے گزر گئے تو تیسرے دن اوقات یاد دلانا نہ بھولتے تھے، اونہہ، یہ مت سوچیئے گھر والوں میں کوئی سوتیلی ماں یا بہنیں بھائی ہیں اک دم سگی والی ماں اور سگے والے ماں باپ بہن بھائی ہیں، مگر ہائے رے قسمت اک غلطی نادانی عمر میں کی گئی غلطی ساری زندگی کو اذیتوں میں جھونک گئی، غلطی بھی کوئی عام خاص نہیں ہے وہی اک گھسا پٹا موضوع جسے سب محبت کہتے ہیں، مگر خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں میں جان بوجھ کر محبت نہیں کی، میں ناولوں، رسالوں کی شیدائی اگر جان بوجھ کر وقت گزاری کے لئے کی ہوتی تو پھر اقراء معیز احمد کے ہیرو جیسا ہیرو ڈھونڈتی ''اسامہ ملک'' کوئی نبیلہ عزیز کے ہیرو جیسا ''دل آور شاہ'' یا نگہت عبداللہ کے ہیرو جیسا ''شاہ سکندر حیات''

''مگر محبت نجانے کب کیوں کیسے ہوگئی تھی مجھے خود بھی علم نہیں ہے، وہ کوئی بہت خوبصورت ہینڈسم بندہ نہیں تھا کوئی امیر کبیر بھی نہیں تھا، ہاں البتہ وہ بہت ذہین تھا پڑھائی کا شیدائی ٹائپ بندہ لوفر لفنگا بھی نہیں تھا اک سلجھا ہوا باکردار بہت

اچھا انسان تھا، بس میرا نصیب برا کہ محبت ہوئی اور پھر اس محبت نے وہ وہ دن دیکھائے کہ الامان، مگر محبت ہے کہ کہتی ہے اک بار پھر اسی موڑ پہ جاؤں تو اسی انسان سے محبت کروں میں پھر محبت کا انتخاب کروں اور میں پھر سید کرار حسین شاہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر چاہوں، مگر یہ دنیا یہ زمانہ کب سمجھتا ہے، مجھے بھی نہیں سمجھ پایا، اک محبت کے بدلے دکھوں، اذیتوں، طعنوں اور شک کے سوا کچھ نہیں ملا، اب تو زندگی سے تھک ہار کر بیٹھ گئی ہوں کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی سوائے موت کے، مگر موت تو حرام ہوتی ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا دو تین دن کی بھوک پیاس ویسے ہی سب گڈمڈ کر دیا ہے سر بھاری ہو رہا ہے اور دماغ کام کرنا چھوڑ رہا ہے۔"

"یار سب باتیں ٹھیک ہیں مگر تیرے بھوکے پیاسے رہنے سے کیا کسی کو فرق پڑے گا؟ کیا وہ سب ٹھیک ہو جائیں گے؟ کھانے سے کیسی ناراضگی؟ پلیز کچھ کھالو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے، نہ ہی میرا دل چاہ رہا ہے۔" وہ بھی ضد کی پکی تھی، حرا کب سے سمجھا سمجھا کر منتیں کر کر تھک گئی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی، اس قید خانے میں رہتے اک حرا ہی تو تھی جس سے وہ سب شیئر کر لیتی تھی، دکھ کہہ کر خود کو ہلکا کر لیتی تھی ورنہ کون تھا یہاں۔

"حرا پلیز میں بچی نہیں ہوں، چھبیس سال کی ہو گئی ہوں، مجھے سب پتہ ہے، مگر اب حقیقتاً میری برداشت جواب دے گئی ہے، میں تھک گئی ہوں۔" بے بسی اس کے انگ انگ سے واضح تھی۔

"میں جانتی ہوں سب شانزے، کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے مگر یار امید حوصلہ ان کو ساتھ رکھو، مت بھولو اندھیری رات کے بعد چمکتا سویرا ضرور پڑتا ہے۔"

"ہاہاہاہا چمکتا سویرا؟ ان آٹھ نو سالوں میں اک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ مجھے چمکتا سویرا لگا ہو، مانا میں نے غلطی کی میں محبت کر بیٹھی مگر میں کیسے سمجھاؤں کیسے یقین دلاؤں میں، محبت جان بوجھ کر نہیں کی تھی بس ہو گئی تھی، میں نے بس محبت کی تھی مگر مجھے ہر پل اذیت اور طعنوں اور شک میں جلایا گیا ہے، دنیا والے کہتے رہتے مجھے پرواہ نہیں تھی میرے اپنوں نے مجھے بے موت مار دیا ہے۔" وہ چیخی تھی، تڑپی تھی، اس کی تڑپ پہ حرا کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں تھیں۔

"ہر بات پہ روک ٹوک ہر کام پہ پابندی، یہاں نہیں جانا، یہ مت کرنا، اسے مت کرو، ویسے مت کرو، یہ سارے فیصلے میرے لئے ہی کیوں؟ پڑھائی میری چھوڑا دی، فون میرا لے لیا، ہر پابندی میرے واسطے کیوں؟ کیوں آخر کیوں؟"

"کیوں؟ تمہیں خود پتہ ہے اس کا جواب، حرا ذرا تم ہی یاد دہی کروا دو اس کیوں کی اور فون تو ویسے بھی تمہارے پاس کئی اور ہونگے، ہمیں کون سا بتا کر ہی رکھتی ہو، نجانے کتنے یار بنا رکھے ہیں جن کو چھپ چھپ کر فون کرتی رہتی ہو اندر گھس کے۔" زہر اس کی سماعتوں میں انڈیلتی زرینہ بیگم آگے بڑھ گئیں تھیں اور وہ ایسے بیٹھی رہ گئی تھی جیسے آری سے اسے دو حصوں میں کاٹ دیا گیا ہو، اس نے دکھ سے حرا کو دیکھا تھا جو بے بس سی چپ بیٹھی تھی۔

"پلیز شانزے سنبھالو خود کو، حوصلہ رکھو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یار۔"

"نہیں حرا پلیز تم جاؤ اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دو پلیز۔" اس نے دونوں ہاتھ حرا کے سامنے جوڑے تھے۔

"اگر تم نے کچھ الٹا سیدھا کیا تو؟" حرا نے

شکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں میں کچھ نہیں کروں گی، وعدہ ہے، تم جاؤ، میں بس کرار شاہ کا ماتم کروں گی۔" اس کے جاتے ہی وہ دیوار سے سر مار مار کر رونے لگی تھی اللہ سے شکوے کرنے لگی تھی۔

"کیوں کرار شاہ کیوں آئے تھے آپ میری زندگی میں، اگر آئے تھے تو کم از کم میرے ساتھ یوں نہ کرتے، کیوں مجھے عذاب میں جھونک دیا، کیوں جہنم بنا دی میری زندگی۔" مگر یہاں کون تھا جو سنتا یا جواب دیتا، تھک کر بیڈ پر گر سی گئی تھی روئے روئے جانے کب آنکھ لگی اسے پتہ نہیں چلا تھا۔

☆☆☆

وہ کمرے سے باہر نکلی تو باہر چاروں بہن بھائیوں کو ٹی وی کے سامنے بیٹھا پایا جو ٹی وی کم اپنے اپنے ٹچ موبائل میں گم زیادہ تھا، اماں پیچھے بیٹھی سبزی بنانے میں مصروف تھیں اور بابا ٹی وی کی طرف متوجہ تھے، اس نے خاموشی سے آ کر اماں سے سبزی والی ٹوکری اٹھائی اور کچن میں چلی آئی تھی، یہ اس کا معمول تھا، کھانا بنانا، ناشتہ بنانا، برتن کپڑے دھونا گھر کی صفائی سب وہی کرتی تھی، ہاں کاموں کے وقت کوئی کچھ نہیں بولتا، کیونکہ اس وقت وہ مفت کی ملازمہ جو ہوتی تھی۔

آج سے کچھ سال پہلے جب اس نے میٹرک پاس کیا تھا اس نے کالج داخلہ لیا تھا ایف ایس سی میں اس کا خواب ڈاکٹر بننا تھا، وہ سب بہن بھائیوں میں زیادہ خوبصورت اور زیادہ لائق تھی، مگر ہائے رے قسمت، نصیب ویسا خوبصورت نہ نکلا تھا، اس کی زندگی میں کرار شاہ آ گیا تھا۔

وہ اک بہت اچھا نیک اور سلجھا ہوا انسان تھا، وہ بھی شانزے سے بہت محبت کرتا، اس کی باتیں شانزے کے اندر خون بن کر دوڑتی تھیں، وہ اس کے عشق میں ایسی کھوئی کہ پھر سب بھول گیا، خواب بھی، اس بات سے باخبر شانزے کی اک دوست تھی زری، وہ اکثر کرار سے باتیں کرتی تھی، اک دن اس نے فون کر کے کالج آنے کو کہا تھا، شانزے سے غلطی ہوئی کہ وہ بنا بتائے کالج چلی گئی مگر وہاں زری کہیں نہیں تھی، وہاں اسے کرار مل گیا، جو کچھ دن سے بیزار بیزار نظر آ رہا تھا، شانزے سے اس کے بن جینا مشکل ہو گیا تھا اس نے کرار سے بات کرنے کی ٹھان لی، جیسے ہی اس نے کرار کو آواز دی اور اسے سب بتایا تو پہلے تو وہ چونکا پھر نرمی سے اسے سمجھانے لگا تھا۔

"شانزے ابھی آپ فرسٹ ائیر میں ہو اور میں نے سیکنڈ ائیر کے ایگزامز دیئے ہیں میں بہت آگے جانا چاہتا ہوں کچھ بننا چاہتا ہوں، ابھی میں گھر والوں پہ ڈیپینڈ ہوں اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتا آپ کو کیا دے پاؤں گا؟ آپ گھر جاؤ شاباش اور اپنی اسٹڈی پہ توجہ دو، میں آپ کے ساتھ ہوں انشاء اللہ سب اچھا ہو گا، جاؤ شاباش۔" اس نے شانزے کو سمجھانا چاہا تھا۔

واپسی پر شانزے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، وہاں کوئی نہیں تھا جو اس کے گھر اطلاع کرتا سڑک سے اٹھا کر لوگ اسے ہسپتال چھوڑ آئے تھے، رات بارہ بجے جب ہوش آئی تو اس نے گھر کا نمبر بتایا جس پر فون کر کے گھر والوں کو مطلع کیا گیا تھا۔

وہ رات ہی گھر واپس پہنچ گئی تھی مگر اس کی زندگی کے سیاہ دن شروع ہو چکے تھے، دنیا کی طنزیہ مذاق اڑاتی کھال اتارتی نظریں، گھر والوں کے طعنے، شک اوپر سے کرار شاہ سے رابطے نہ ہونے کے برابر ہو گیا تھا، وہ کئی کئی میسج

مرتی فون کرتی وہ جواب ہی نہ دیتا، بھائی نے فون میں کرار کا نمبر دیکھا تو چھین لیا تھا، مگر شانزے ہی کیا جو کرار کے بغیر رہ سکے اس نے حرا سے فون لے کر پھر سے کرار سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔

اک دن کرار شاہ کی طرف سے میسج موصول ہوا کہ تمہارے بھائی نے میری بہت انسلٹ کی ہے اور تمہاری آپی نے مجھ سے وعدہ لیا تمہاری زندگی سے چلا جاؤں، میں نے ان کے سامنے شرط رکھی ہے اگر شانزے کو گھر میں پہلے جیسا پیار عزت دیں تو یوں سمجھیں کرار شاہ مر گیا، شانزے میں نے وعدہ کرلیا ہے صدا خوش رہنا خدا حافظ۔

میسج تھا یا بم پھینکا گیا تھا جو شانزے کے وجود کے ٹکرے ٹکرے کر گیا تھا وہ دن اور آج کا دن شانزے نے خود پہ خول چڑھا لیا تھا پہلے پہل تو ہر طرف سے مایوس ہو کر وہ نیٹ پر لگ گئی تھی فون پر رانگ نمبر سے دوستی نیٹ سے فیک دوستی، مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا دنیا بس کھیلتی ہے، دکھ میں زخم پر مرہم کوئی نہیں رکھتا، وہ دنیا کے سامنے ہنستی تھی مگر تنہا بیٹھ کر روتی تھی۔

کرار شاہ آج بھی اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا، اسے بھلانا آج بھی ناممکن تھا، ان آٹھ سالوں میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب اس نے کرار شاہ کو میسج نہ کیا ہو، اس کا نمبر ٹرائی نہ کیا ہو مگر بے سود۔

وہ دنیا سے بیزار ہو گئی تھی، زندگی سے تھک گئی تھی، دنیا بھول گئی تھی مگر گھر والوں نے آج بھی اسے کچھ نہیں بھولنے دیا تھا، آج بھی چھوٹی سی بات پہ ہنگامہ ہوا تھا اور بات شانزے تک آ گئی تھی، اس نے اپنی ماں کی طرفداری کی تھی اور ملبہ شانزے پہ گرا تھا، باپ جو اونچی آواز میں بولتا نہ تھا اب ہر روز طعنے مارنے لگا تھا کہ تجھے کالج پڑھنے بھیجا تھا تو پڑھا نہیں اب کیا بتاتی اماں اور بہن بھائیوں نے کالج جانا چھڑوا دیا تھا، کتابیں جلا دیں تھیں، بس گھر کے قید خانے میں قید کر دیا تھا، نہ اسے معافی ملتی نہ باہر نکلنے کی اجازت، نہ اس کی شادی کرتے، اسی غصے میں دو تین دن ہوئے اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا حرا منتیں کر کر تھک گئی تھی مگر اس کے اندر کا دکھ تھا کہ کم نہیں تھا ہو رہا، اپنے سگے ماں باپ نے طعنے مار مار کر بے موت مار دیا تھا، وہ بہن بھائیوں کو خوش آزادی سے جیتے دیکھ دیکھ کر حسرتیں، خواہشیں اپنے اندر دفن کرتی جاتی مگر آج ضبط کا دامن چھوٹ گیا تھا، وہ آگاہ تھی خودکشی حرام ہے مگر ہار گئی تھی جب زندگی حرام ہو جائے تو موت حلال ہو جاتی ہے، دو تین کی بھوک پیاس سے سر چکرا چکرا جا رہا تھا، سوچوں کا لاوا الگ دماغ کی نسیں کھول رہا تھا، ایسے میں اچانک چکر آیا اور وہ اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی، جب شام تک کمرے سے نہ نکلی تو اماں کمرے میں آئی تھی اور اسے بیڈ پر گرے دیکھ کر شروع ہو گئی تھیں۔

''یہ دیکھو نواب زادی صبح سے بستر توڑ رہی ہیں، کام باپ کے نوکر آ کر کریں گے نا جانے اندر بیٹھ کر کن یاروں سے باتیں کرتی ہے کتنے فون رکھے ہیں، اٹھ ہڈ حرام۔'' اماں نے آگے بڑھ کر بالوں سے کھینچا تھا مگر کوئی اثر نہیں دو تھپڑ اور جڑے تھے مگر ناکام، آخر نجانے کس احساس کے تحت اماں نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا تھا، اس کی سانس چیک کی تھی جو بند تھی زور زور سے گھر والوں کو آوازیں دیں تھیں سب اکٹھے ہو گئے تھے، شور سن کر ساتھ والے گھر سے حرا آ گئی تھی، اس کی حالت دیکھ کر حرا نے بھائی کو آواز دی تھی، حرا کا بھائی بھی آ چکا تھا، حرا ان سب پر قہر بھری نظر ڈالتی بھائی کے ساتھ ہسپتال لے گئی تھی، گھر والے چکرائے پھر رہے تھے یہ بھی نہیں معلوم تھا وہ کون سے ہسپتال گئے مگر ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی ایمبولینس ہارن بجاتی اور اپنے مخصوص سائرن میں دروازے پہ تھی، بابا نے جیسے ہی دروازہ کھولا دو لڑکوں نے اسٹریچر نکالا تھا، سفید کپڑے سے ڈھانپا اس کا وجود بے جان ہو چکا تھا، محلہ سارا اکٹھا ہو گیا تھا، بہن بھائی اماں بابا سب ساکت تھے یہ کیا ہو گیا تھا، جو بھی تھا ان کی سگی اولاد تھی بابا کو تو سب بچوں سے زیادہ لاڈلی تھی، وہ خاموش تھی بول نہیں رہی تھی، حرا چارپائی سے ٹکریں مار مار رو رہی تھی مگر وہ اٹھ نہیں رہی تھی، ڈاکٹر نے کہا تھا، بلڈ پریشر ہائی ہونے سے دماغ کی نس پھٹ چکی ہے اور بروقت ہسپتال نہ لانے کی وجہ سے ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے، ہر طرف شور تھا۔

''آئے ہائے زرینہ کی یہ بچی سب سے جدا تھی اللہ بخشے بڑی سوہنی اور ادب لحاظ والی تھی جہاں ملتی سلام ضرور کرتی تھی حال چال پوچھتی تھی۔'' ایک عورت آنسو پونچھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''ہاں آپا بڑی سلیقہ مند تھی کھانا ایسے پکاتی تھی کہ بندہ انگلیاں بھی چبا جاتا، کوئی بندہ گھر آ جائے تو اس نے پانی چائے کے بغیر جانے نہ دیا کبھی۔'' ایک عورت اور بول رہی تھی، ساتھ ہی سامنے والی نسرین خالہ بھی تھیں۔

''ہائے میری شانزے بڑی نیک بچی تھی ایسی فرمانبردار نیک اور پرخلوص لوگ اس دنیا میں بہت ہی کم آتے ہیں اور ذہین بھی بہت تھی چند ہی ہفتوں میں میرے نالائق بیٹے کو ہیرا بنا ڈالا تھا سارے استاد پوچھتے تھے اسے کس کے پاس بھیجتے ہیں۔''

''جی خالہ واقعی شانزے بہت اچھی اور با اخلاق لڑکی تھی حالات نے اسے غلط راہ پہ ڈالا تھا مگر وہ بھٹکی نہیں اس نے کڑے سے کڑے حالات میں امید کا دامن نہیں چھوڑا، واقع ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو منافق نہ ہوں اندر باہر سے ایک جیسے اللہ پاک اس کی مغفرت کرے اور جنت میں جگہ دے (آمین)۔'' یہ جامعہ والی شازیہ باجی کے الفاظ تھے اور بھی لوگ طرح طرح کے بول بول رہے تھے مگر اب کیا جب وہ نہیں رہی تھی اماں اور بہنیں ساکت بیٹھی سب سن رہی تھیں، اب پچھتاوؤں کے سوا کچھ نہ تھا، چند گھڑی وہ اس گھر میں جی بھر کر رو لیں گی پھر جنازہ اٹھا کر لے جائیں گے تو اپنے اپنے حساب سب کرتے رہیں گے۔

ا. ں بابا کو بھی یاد آئے گی اور بہن بھائیوں کو بھی غیرت کی بات تھی جتنی وہ گناہگار گنی جاتی تھی آج آسمان اتنا ہی کالا تھا اتنی ہی ٹھنڈی ہوا تھی کالے بادلوں نے آسمان کو ایسے گھیرا تھا جیسے شانزے کے جنازے کو سایہ دے رہے ہوں،

لو اپنا جہاں دنیا والو
ہم یہ دنیا چھوڑ چلے
جو رشتے ناطے تم نے جوڑے تھے
وہ رشتے ناطے توڑ چلے
کچھ سکھ کے سپنے دیکھ چلے
کچھ دکھ کے سپنے جھیل چلے
تقدیر کی آندھی گردش نے
کھیل جو کھیلے کھیل چلے
تیری ہر چیز لوٹا دی ہم نے
اب دوش نہ دینا اے لوگو
دیکھ لو ہم خالی ہاتھ چلے
اس پار نجانے کیا ہوگا
اس پار تو سب کچھ ہار چلے
ہار چلے، ہار چلے

☆☆☆

ان لمحوں کے دامن میں

مبشرہ انصاری

اجالے نے اندھیرے کی اوٹ سے جھانک کر وسیع آسمان کو سلام کیا تھا، ابر کچھ دیر پہلے ہی تھما تھا، دور دور جاتی صاف ستھری سڑکیں گزری رات، آسمان سے بہے آنسوؤں کا احوال بیان کرتی دیکھائی دے رہی تھیں، خنک ہوائیں اس کی رگ وپے میں سرائیت کرنے لگیں، کتنا خوبصورت منظر تھا، مگر وہ ادر گرد کے نظارے سے انجان، بس چلتی چلی جارہی تھی اس پر کربناک تنہائی کا عذاب نازل ہو چکا تھا۔

کوئی کسی سے ہمدردی نہیں رکھتا، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا، اس نے من ہی من میں سوچا، اس کے پاؤں گیلی سڑک کو پیچھے کی جانب دھکیلتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جارہے تھے، وہ جان چکی تھی کہ اس دنیا میں بسے انسانوں کی بھیڑ میں ہر انسان اکیلا ہے، ایسے ہی جیسے ایک وسیع سمندر میں بے شمار جزیرے ایک دوسرے کے آس پاس، لیکن ایک دوسرے سے ناشناس۔

ناشناسی اور ناآشنائی کی وبا پھیل چکی ہے،

ناولٹ

کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے، دائیاں ہاتھ، بائیں ہاتھ سے بے خبر ہے۔

بپ بپ بپ بپ ٹیبل پر رکھے موبائل کی وائبریشن نے کورے کاغذوں کی سطروں پر بکھرتے لفظوں کو مزید بکھرنے سے روک دیا تھا، ہاتھ میں قید خوبصورت پین کو مٹھی میں دبوچتے ہی وہ غصے کے عالم میں بلیک اسٹائلش سے فریم والے نظر کے چشمے سے گھورتے ہوئے ٹیبل پر وائبریٹ کرتے موبائل کی جانب دیکھنے لگی، موبائل سکرین پر کوئی ان نون نمبر بلنک کیے چلا جا رہا تھا، کتنے انہماک سے وہ اپنے ناول کا المناک سین لکھ رہی تھی، مگر اب کسی نے جانے انجانے میں اسے اس کے ناول کی دنیا سے نکال ڈالا تھا۔

”ہیلو۔“

کس قدر بیزاری کا مظاہرہ کیا گیا تھا، اس وقت وہ شدید غصے کا شکار ہو چکی تھی، اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ فون کرنے والے شخص کا منہ نوچ ڈالے، مگر اگلے ہی پل اس کا سارا غصہ ایک لمحہ میں اڑن چھو ہوتا محسوس ہوا، نجانے فون کی دوسری جانب کون تھا اور کیا کہہ رہا تھا کہ اس کا خطرناک غصہ ایک خوبصورت مسکراہٹ میں تبدیل ہو گیا۔

''رئیلی؟ شیور میں ٹائم پر پہنچ جاؤں گی، تھینک یو، بائے۔''

موبائل واپس ٹیبل پر رکھتے ہی خوشی کی خوبصورت کرنیں چہرے پر سجائے وہ چمکتی آنکھوں سے موبائل کی بلیک سکرین کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

''پیار؟ ہونہہ پیار ایک بیکار سی چیز ہے، مجھے کبھی کسی سے پیار نہیں ہو سکتا، نیور۔'' جوس کا آخری سپ لیتے ہی الحان ابراہیم نے کانچ کا نازک سا گلاس واپس ٹیبل پر رکھا اور اپنے بچپن کے ساتھی، اپنے ہمراز، اپنے بیسٹ فرینڈ کبیر کی جانب دیکھتے ہوئے پختہ یقین سے گویا ہوا۔

سامنے والی چیئر پر بیٹھا کبیر خان معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرا کر جواباً بولا۔

''رئیلی یعنی تم کہنا چاہ رہے ہو کہ پیار صرف ٹائم پاس ہے اور یہ ہمیشہ تمہارے لئے ٹائم پاس ہی رہے گا رائٹ؟''

''ایگزیکٹلی میرے بھائی پیار ٹائم پاس کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' اس بار وہ خاصے پر جوش انداز میں بولا تھا۔

''ہوں اور اگر کبھی ایسا ہو گیا؟ میرا مطلب اگر کبھی تجھے پیار ہو گیا تو؟''

''ایمپوسبل۔'' وہ ٹیبل پر ہاتھ مار کر بولا، کبیر ایک بار پھر سے مسکرا دیا۔

''ٹھیک ہے، تو لگا شرط۔''

''شرط؟'' الحان نے تیوری چڑھائی۔

''ہاں، لگا شرط کہ تو زندگی میں کبھی پیار نہیں کرے گا۔''

''کیا بے تکی بات کر رہا ہے کبیر! میں کہہ رہا ہوں ناں ایسا ممکن ہی نہیں۔''

''تو پھر شرط لگانے میں کیا حرج ہے؟'' کبیر نے اس بار الحان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''کوئی حرج نہیں، چل پھر کر، لگائی شرط۔''

''چل پھر ڈن ہوا، میں ابھی عاشر زمان سے بات کرتا ہوں، وہ ایک رئیلٹی شو ڈائریکٹ کرنے لگا ہے۔''

''ابے کیسا رئیلٹی شو؟'' الحان نے ایک دم چونک کر دیکھا۔

وہ دونوں اس وقت لندن کے ایک مشہور کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے لنچ کے دوران ازلوں سے نہ ختم ہونے والی بحث، جو کہ اب ایک شرط کا روپ دھار چکی تھی، کو چھیڑے ہوئے تھے۔

''الگ الگ نیچر کی پچیس حسینائیں ہیں اس رئیلٹی شو میں، عاشر زمان کو جانتا ہے ناں؟ ٹاپ کا سیریل ڈریکٹر ہے۔'' کبیر نے یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں ہاں جانتا ہوں، اپنی یونیورسٹی کا وہ پوبچہ، اسے کیسے بھول سکتا ہوں؟'' الحان نے یاد آتے ہی زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''ان پچیس حسیناؤں میں سے کسی ایک پر بھی تیرا دل آ گیا تو بھائی میرے، جو میں کہوں گا، وہ تو کرے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو جو تو بولے گا، وہ میں کروں گا، لگا شرط۔''

''کیا؟...... ہاہاہا......'' کبیر کی شرط پر پہلے وہ چونکا اور پھر زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''دل تو میرا پچیس کی پچیس حسیناؤں پر بھی آ جائے گا یار!''

''میں پیار کی بات کر رہا ہوں۔'' کبیر کی تیوری چڑھانے پر الحان سیدھا ہو بیٹھا تھا، چند ثانیے کی خاموشی کے بعد وہ شریر سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اپنے ہی انداز میں گویا ہوا۔

''ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے، لگی شرط۔''

''سوچ لے۔''

''ابے کہا ناں، منظور ہے۔''

''ایک بار پھر سوچ لے، شاید اس بار تو واقعی اپنا دل ہار بیٹھے۔''

''ایمپوسبل کا مطلب جانتا ہے ناں؟ میں الحان ابراہیم! پچیس لڑکیوں سے فلرٹ کروں گا اور پھر شو ختم ہونے کے بعد، ان میں سے کسی ایک کی بھی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھوں گا اور یہ بات میں تجھے تو کیا، پوری دنیا کا ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ پیار محض ٹائم پاس کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' الحان کافی سنجیدہ ہو گیا تھا، تبھی کبیر ٹیبل پر ہاتھ مار کر بولا۔

''پیار کو چیلنج مت کر میرے بھائی، پیار بڑی ظالم چیز ہے، نہ موقع دیکھتی ہے نہ جگہ، جھٹ حملہ کرتی ہے یہ محبت، اس لئے میری مان، اور ہار مان لے شرافت سے۔''

''چل بے، الحان ابراہیم نے ہارنا نہیں سیکھا، یہ پیار، ویار، عشق محبت سب بیکار، بکواس ہے، مجھے کبھی کسی سے محبت نہیں ہو سکتی اور یہ بات میں پورے دعوئے سے کہہ سکتا ہوں۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' کبیر معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

اور پھر یہ سب شروع ہوا ایک شرط سے، ایک ایسی شرط جسے پایہ تکمیل تک پہنچانا الحان ابراہیم کے لئے بہت آسان تھا۔

☆☆☆

کاریڈور میں چلتے ہوئے وہ بہت دھیرے سے آگے بڑھ رہی تھی، کارپٹڈ فلور ہونے کے باعث اس کے ہر اٹھتے قدم کی چاپ کارپٹ میں ہی دبتی چلی جا رہی تھی، دائیں ہاتھ میں ریڈ کلر کی فائل تھامے وہ ایک بند دروازے کے سامنے جا رکی، دروازے کی بائیں جانب دیوار پر لگے چھوٹے سے نیم بورڈ پر (ڈائریکٹر) لکھا دیکھتے ہی اس نے گلہ کھنگارتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ کو اٹھا کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

''کم آن۔'' بھاری مردانہ آواز ابھری تھی، اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

''السلام علیکم!'' وہ دھیمے سے گویا ہوئی۔

''وعلیکم السلام! بیٹھئے۔'' نہایت سنجیدگی سے جواب ملا، حکم ملتے ہی وہ جلدی سے چیئر گھسیٹ کر اس پر براجمان ہو گئی۔

''آپ نے سکرپٹ رائٹر کے لئے اپلائے کیا ہے؟'' نظر کا چشمہ لگائے بیٹھا وہ شخص بڑے مصروف انداز میں اس سے سوال پوچھنے لگا تھا، اس کی ٹیبل پر جا بجا پیپرز پھیلے ہوئے تھے، لیپ ٹاپ پر ہاتھ چلاتا وہ شخص مسلسل سامنے رکھے ایک پیپر پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

''یس سر!'' وہ برجستہ بولی۔

''آپ ہمارے ٹی وی چینل کے لئے سیریز لکھنا چاہتی ہیں؟''

''یس سر!''

''آئی سی، آپ نے اس سے پہلے کبھی کسی چینل کے ساتھ کام کیا ہے؟''

”نو سر!“ اس کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے وہ با آسانی یہ بات چھپا گئی تھی کہ وہ ایک پبلشڈ رائٹر ہے اور حال ہی میں اس کی کتاب نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے، اپنی سی وی میں بھی اس نے اس بات کا ذکر ہرگز نہ کیا تھا، نجانے کیوں وہ اپنے بارے میں کسی کو کچھ بھی بتانا نہ چاہتی تھی۔

”آپ پروفیشنل رائٹر نہیں ہیں، پھر آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ مجھے آپ کو ہائیر کرنا چاہیے؟“ اس نے مصروف انداز میں پوچھا۔

”کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ میں اچھا لکھ سکتی ہوں اور ایک اچھی رائٹر ثابت ہو سکتی ہوں۔“ وہ پختہ انداز میں جواباً بولی تھی، اس دوران میں پہلی بار عاشر زمان نے نظریں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی اس عجیب سی لڑکی کی جانب دیکھا، عاشر زمان دیکھنے میں برا اور بوڑھا ہرگز نہ تھا، جیسا کہ وہ گھر سے سوچ کر نکلی تھی، سامنے بیٹھا عاشر زمان اچھی خاصی ہینڈسم پرسنالٹی کا مالک تھا، ماتھے پر بکھرے گھنے براؤن بال، گوری رنگت، چشمے کے پیچھے چھپی کالی آنکھیں، ہلکی بڑھی شیو سمیت وہ خود کسی ڈرامے کے ہیرو سے کم نہ لگ رہا تھا، عاشر زمان بنا پلکیں جھپکائے ٹکٹکی باندھے سامنے بیٹھی اس عجیب سی لڑکی کی جانب دیکھے چلا جا رہا تھا اور وہ ایک دم گھبرا ہی تو گئی، اپنے میسی ہیر اسٹائل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ گلہ کھنگار کر سیدھی ہو بیٹھی تھی، عاشر زمان مسلسل اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”کیا میرے سر پر کچھ لگا ہے؟ یا چہرے پر؟ یہ مجھے ایسے کیوں گھور رہا ہے؟“ اس لڑکی نے اپنے بلیک ماڈرن فریم والے نظر کے چشمے کو ہلاتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا اور پھر اپنی گرے آنکھوں کو جھپکاتے ہوئے وہ اپنے سراپے پر نظر دوڑانے لگی۔

”کیا میرا حلیہ ٹھیک نہیں؟“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

”آئی ایم سوری مس؟“ پیشانی پر شکنیں ڈال بیٹھا وہ شخص اب اس سے اس کا نام پوچھ رہا تھا۔

”مانہ!“ وہ برجستہ بولی۔

”یس آئی ایم سوری مس مانہ! ابھی فی الحال ہمیں کسی رائٹر کی ضرورت نہیں۔“ عاشر کا جواب سنتے ہی وہ حیرانگی کا اظہار کرنے لگی۔

”کیا؟ تو پھر...... آپ کے اسٹاف نے مجھے کال کر کے یہاں کیوں بلایا؟ مجھے ایک ہفتہ پہلے اپنے انٹرویو کے لئے کال آئی تھی اور پھر آج صبح ایک بار پھر سے آپ کے آفس سے کال آئی کہ آج میرا جاب انٹرویو ہے۔“ عاشر کچھ دیر خاموش رہا، چند ثانیے کی خاموشی کے بعد وہ دھیمے سے گویا ہوا۔

”کیونکہ میرے پاس آپ کے لئے ایک اور آفر ہے۔“

”آفر؟“

”ہوں، آپ کی ایج کیا ہے؟“

”چوبیس۔“

”لیکن آپ چوبیس کی لگتی نہیں۔“ اس بار وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

”بہت سے لوگ یہی کہتے ہیں، آپ میرا آئی ڈی کارڈ دیکھ سکتے ہیں۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں، آپ کہہ رہی ہیں تو یقیناً ہوں گی۔“ وہ اس بار بھی سنجیدہ رہا۔

”آپ کس آفر کی بات کر رہے تھے؟“ وہ دوٹوک انداز میں بولی، عاشر زمان کرسی پیچھے کی جانب دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا، کرسی کی پچھلی جانب جاتے ہی وہ ایک بار پھر سے گویا ہوا۔

”ہم ایک رئیلٹی شو اسٹارٹ کرنے جا رہے ہیں اور اس رئیلٹی شو کو میں خود ڈائریکٹ کر رہا ہوں، آج سے ٹھیک دو دن بعد ہم لوگ شو کی شوٹنگ کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔“

”آپ کے اس شو سے میرا کیا تعلق ہے۔“ وہ تذبذب کے عالم میں پوچھنے لگی۔

”ایکچوئیلی مس مانہ! پچھلے ہفتے ہم نے اس شو کے لئے پچیس لڑکیاں منتخب کی تھیں، آج صبح ان پچیس لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی کال آئی، اس نے بتایا کہ کل رات ہی اس کے پاؤں کا فریکچر ہو گیا، جس کے باعث اب وہ اس شو کا حصہ نہیں بن سکتی۔“

مانہ چند ثانیے خاموش بیٹھی عاشر کے مزید کچھ بھی کہنے کا انتظار کرتی رہی، وہ خاموش کھڑا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”ویل، گڈ فور ہر۔“ وہ ابھی بھی تذبذب کی شکار تھی۔

”اینڈ ناؤ، میرے اس شو میں ایک لڑکی کی کمی ہے، دو دن بعد شوٹنگ ہے اینڈ تھرڈ ڈے سے شو آن ائیر ہو جانا ہے، میرے پاس وقت کی بہت کمی ہے جس کے باعث میں مزید آڈیشنز ہرگز نہیں کر سکتا۔“

مانہ اس بات کا مطلب سمجھ چکی تھی، انکار اس کے لبوں پر آنے کو ہی تھا کہ عاشر کی آواز ایک بار پھر سے اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے اس رئیلٹی شو میں ایک کنٹیسٹینٹ کے طور پر حصہ لیں، بٹ ڈونٹ وری، ہم آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لیں گے۔“

”آئی ایم سوری سر! میں پردے کے پیچھے رہ کر کام کرنا چاہتی ہوں، مجھے آپ کی اس آفر میں کوئی دلچسپی نہیں، آئی ایم رئیلی سوری۔“

”اس شو کے ختم ہوتے ہی میں ایک نیو سیریز ڈائریکٹ کرنے والا ہوں، اگر آپ میری یہ آفر قبول کرتی ہیں، تو میں اپنی نیکسٹ سیریز یقینی طور پر آپ سے ہی لکھواؤں گا اور اس کے لئے مجھے آپ کا ٹیسٹ لینے کی بھی ضرورت نہیں۔“ لب بھینچے ہوئے وہ پریشانی کے عالم میں پوچھنے لگی۔

”یہ شو ہے کس قسم کا؟“

”اس شو میں ایک اہم اور رئیس شخصیت کا اکلوتا چشم و چراغ جو اپنی رئیل لائف میں ایک سپلے بوائے ہے، ان پچیس لڑکیوں میں سے کسی ایک کو اپنی لائف پارٹنر منتخب کرے گا اور اگر شو کے آخر تک اسے کوئی لڑکی امپریس نہ کر سکی تو وہ تمام لڑکیوں کو ریجکٹ کرنے کا حقدار بھی ہے۔“

شو کی ڈیٹیل سنتے ہی وہ غصے کے عالم میں خود پر کنٹرول کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آئی ایم سوری مسٹر عاشر! میں کسی بگڑے ہوئے رئیس زادے کے لئے ایک آپشن بننا ہرگز گوارہ نہیں سمجھتی، تھینکس فور یور آفر۔“

”سوچ لیجئے مس میمونہ انان! سیریز لکھوانے کی بیسٹ آفر میرے سوا آپ کو اور کوئی نہیں دے گا۔“ باہر کی جانب اٹھتے قدم اپنا پورا نام لئے جانے پر ایک دم تھم سے گئے، اس نے تو اپنا پورا نام اپنی سی وی میں بھی نہ لکھا تھا، پھر عاشر زمان اس کے پورے نام سے کیسے واقف ہوا تھا، آنکھوں میں بے پناہ حیرت سموئے وہ سراسیمہ حیران کھڑی عاشر کی جانب دیکھے چلی گئی۔

”آپ میرا پورا نام کیسے جانتے ہیں؟“ وہ رک رک کر بولی، عاشر زمان اس بار بالآخر مسکرا ہی دیا، وہ پہلی بار زیر لب مسکرا رہا تھا جبکہ مانہ حیرانگی کا مجسمہ بنی اس کے مسکراتے چہرے کا طواف کرنے لگی۔

''آپ کے نام سے کون واقف نہیں؟ خاص کر ہم چینل والے لوگ، میں بہت اچھے سے جانتا ہوں کہ آپ کتنی قابل رائٹر ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ حال ہی میں آپ کی کتاب ''باوری پیا کی'' نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی ہے، پڑھا ہے میں نے آپ کا ناول، خاصہ متاثر بھی ہوا ہوں، اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ بنا ٹیسٹ لئے آپ سے سیریز لکھواؤں گا اور ہر ایپی سوڈ پر آپ کو ایک مناسب اماؤنٹ بھی دی جائے گی، چینل پر کام کرنے کا آپ کا یہ پہلا ایکسپیرینس ہے اور اتنی اچھی آفر کوئی بھی چینل آپ کو نہیں دینے والا، سوچ لیجئے، اس شو کے فوراً بعد آپ کو ایک سیریز لکھنے کا کانٹریکٹ مل سکتا ہے۔''

''لیکن میں نے تو آپ سے یا اس چینل کے کسی بھی اسٹاف سے اپنے پورے نام کا ذکر تک نہیں کیا، پھر آپ......؟'' وہ اپنے ہی نام پر اٹکی ہوئی تھی۔

''پہچاننے والے پہچان جاتے ہیں مس مانہ! میں نہیں جانتا کہ آپ اپنی آئی ڈینٹیٹی چھپانا کیوں چاہتی ہیں، پر آئی پرامس میں کسی سے آپ کی اس آئی ڈینٹیٹی کا ذکر نہیں کروں گا، آپ بس ہاں بول دیں۔''

''پر آپ مجھے ہی کیوں سلیکٹ کرنا چاہتے ہیں؟''

''کیونکہ میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں، ٹائم کی کمی ہے، آڈیشن لینے کا وقت نہیں اور سب سے بڑی بات کہ آپ ایک مسلمان اور پاکستانی خاتون ہیں، ہمارے اس شو میں دو مسلم لڑکیاں اور بھی ہیں لیکن ان کا تعلق پاکستان سے نہیں ہے، یو آر دی بیسٹ آپشن فور مائے شو، آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کسی اور کا آڈیشن لینے کی ضرورت نہیں، تمام تیاریاں پوری ہو چکی ہیں، پرسوں کی روانگی ہے اور ویسے بھی مجھے یقین ہے کہ آپ اس شو سے جلد ہی رخصت ہو جائیں گی، ہو سکتا ہے کہ اس شو کا **Bachelor** آپ کو ٹاپ پندرہ کے لئے چن لے، مگر مجھے زیادہ تر چانسز لگتے ہیں کہ وہ آپ کو ٹاپ پندرہ کے لئے بھی سلیکٹ نہیں کرے گا۔'' عاشر نے سرتا پا اس کے حلیے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا، وہ لب بھینچے خاموش کھڑی رہی، عاشر ایک بار پھر سے بولا۔

''یوں سمجھ لیجئے کہ آپ ہمارے شو میں صرف ایک دن کی مہمان ہیں، صرف اور صرف اس ایک لڑکی کی جگہ فل کرنے کے لئے، ایک دن بعد آپ کو اس شو سے ایلیمینیٹ کر دیا جائے گا اور پھر میں آپ کو اپنے اپ کمنگ پروجیکٹ کے لئے با آسانی جگہ دے دوں گا، ناؤ آل اپ ٹو یو مس مانہ۔'' عاشر اب کی بار خاموش کھڑا مانہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، وہ اچھے سے جانتا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے، اس لئے وہ فل کانفیڈینٹ تھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پریشانی کے عالم میں گویا ہوئی۔

''میں جب چاہوں اپنے گھر واپس جا سکتی ہوں؟''

''نہیں، آپ اپنے گھر تب ہی واپس جا سکتی ہیں، جب ہمارے شو کا **Bachelor** آپ کو ایلیمینیٹ کرے گا۔'' عاشر نے کہتے ہی اپنے کندے اچکائے تھے، جبکہ مانہ پریشانی کے عالم میں لب بھینچے ہوئے پرسوچ انداز میں جواباً بولی۔

''میں فیصلہ نہیں کر پا رہی۔''

''ڈونٹ وری مس مانہ! میں اپنے شو کے **Bachelor** کو پرسنلی بہت اچھے سے جانتا ہوں، آپ اس کے ٹائپ کی بالکل نہیں ہیں، اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ پہلے ہی دن آپ کو ایلیمینیٹ کر دے گا۔'' وہ اس کی باتوں سے ہرٹ

ہرگز نہیں ہوئی تھی، اسے اس بات کی پرواہ ہرگز نہ تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، اسے اس چیز کی بھی پرواہ نہ تھی کہ وہ کیسی دکھتی ہے، وہ تو کسی اور ہی سوچ میں گم تھی، وہ چیز جو اس کے لئے بہت اہم ہوتی، لب بھینچے وہ کارپٹڈ فلور کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں ہم کلام ہوئی۔

''اس میں کچھ نیا ہو سکتا ہے، اگر میں یہ شو جوائن کروں تو مجھے میری نئی کتاب کے لئے کچھ آئیڈیاز مل سکتے ہیں، اس شو سے نکلنا میرے لئے بہت آسان ہے، اسپیشلی وہ رئیس خاندان کا پلے بوائے، مجھ جیسی لڑکی کو کبھی لائک نہیں کرے گا، میری ڈریسنگ، میرا رویہ، میرا حلیہ، کچھ بھی تو نہیں، ایک ہی دن کی بات ہے، پہلے ہی دن میں ایلی میٹ کر دی جاؤں گی اور پھر مجھے میری من چاہی جاب بھی مل جائے گی، وہ جاب جس کے لئے میں یہاں آئی ہوں۔'' من ہی من میں فیصلہ کرتی وہ برجستہ بولی۔

''مجھے آپ کی آفر قبول ہے مسٹر عاشر! مگر ایک شرط پر......'' عاشر تیوری چڑھائے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''پہلی بات، آپ میری پوری شناخت کسی کے سامنے واضح نہیں کریں گے اور دوسری بات، آپ اپنا کیا گیا وعدہ اپنے لیٹر پیڈ پر لکھ کر، اس پر سائن کر کے مجھے دیں گے۔''

''یہ تو دو شرائط ہیں، بہرحال ڈونٹ وری۔'' عاشر زمان اپنے مخصوص انداز میں مسکرا دیا اور پھر اپنے مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

''**Consider it done!**''

☆☆☆

''تم نے انکار کر دیا ناں؟'' زرین، مانہ کی اکلوتی بیسٹ فرینڈ اور ایڈیٹر سراسیمہ حیران بیٹھی، منہ کھولے مانہ کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''اف کورس میں نے ہاں کر دی۔'' وہ بیڈ پر بیٹھی، اپنا ہائی ہیل جوتا اتارتے ہوئے سادگی سے گویا ہوئی۔

''تم مذاق کر رہی ہو؟''

''ہرگز نہیں زرین! آئی ایم سیریس، میں واقعی وہ شو جوائن کر رہی ہوں۔'' زرین سامنے پڑی کرسی پر آ بیٹھی، تفکرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ کر بولی۔

''لیکن تم نے عاشر زمان کی یہ آفر قبول کی ہی کیوں؟ تم اس رائٹنگ جاب کے لئے اتنی **Desperate** ہرگز نہیں کہ عاشر زمان کی فضول سی آفر قبول کر لو، تمہاری کتاب نے اس قدر کامیابی حاصل کی ہی کہ تمہیں اگلے دو سال تک کسی بھی جاب کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے...... **So**۔''

''**So?**'' وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''ایک طرف تم دنیا سے چھپ کر رہنا چاہتی ہو، کسی کو بتانا ضروری نہیں سمجھتیں کہ تم مشہور رائٹر میمانہ انان ہو اور دوسری طرف یہ ٹی وی شو؟''

''مجھے کوئی شوق ووق نہیں ٹی وی میں آنے کا۔''

''تو پھر؟''

''پھر کیا؟''

''تم نے عاشر زمان کی یہ غضب ناک اور زبردستی کی آفر قبول کیوں کی؟''

''کیونکہ میں واقعی ٹی وی کے لئے لکھنا چاہتی ہوں اور پھر یہ چینل اور ڈائریکٹر پاکستان کے ٹاپ چینل اینڈ ڈائریکٹرز میں سے ایک ہے، میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی **And yes i,m curious**۔'' مانہ نے کندھے اچکائے۔

”Curious?۔“

”Yeah, i,m curious! میں جاننا چاہتی ہوں کہ کیمرہ کے پیچھے کی لائف کیسی ہوتی ہے؟ میں ان لڑکیوں کی فیلنگز بھی محسوس کرنا چاہتی ہوں جو اس طرح کے فضول شوز میں حصہ لیتی ہیں۔“

”تم پاگل ہوگئی ہو؟“

”ہرگز نہیں۔“ مانہ نے اپنی میسی ہیر اسٹائل کو چٹکی سے آزاد کراتے ہی اپنے نظر والے کالے چشمے کے پیچھے سے اسے گھور کر دیکھا۔

”میں سیریس ہوں، سو فیصد سیریس۔“ زرین ٹکٹکی باندھے اسی کی جانب دیکھتی رہی، مانہ اٹھی اور کچن کی جانب چلی آئی، زرین اس کے پیچھے تھی۔

”تم واقعی سیریس ہو؟“

”ہاں بابا، میں سیریس ہوں، صرف ایک ہی دن کی بات ہے زرین! مجھے کچھ پوائنٹس چاہیے ہیں، کہ وہاں کیا ہوتا ہے، کیسے کام ہوتا ہے، کیسی فیلنگز ہوتی ہیں، بس۔“

”پر تمہیں یہ سب جاننا کیوں ہے؟“

”میرے نیکسٹ ناول کے لئے پگلی۔“

”اور اگر اس شو کے Bachelor نے تمہیں ایلی میٹ نہ کیا تو؟“ وہ کس قدر فکرمند تھی اس کے لئے، مانہ اس کے اس قدر تفکرانہ انداز پر دھیمے سے مسکرا دی۔

”زرین! کیا تم جانتی نہیں کہ اس ٹائپ کے رئیس پلے بوائز ایک سے دوسری بار مجھ جیسی لڑکی کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے، پھر تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟“

”کیوں؟ تم ماشاء اللہ سے خوبصورت ہو۔“

”تھینک یو۔“

”You are not just vain enough خواہ مخواہ بہن جی ٹائپ بن کر رہتی ہو۔“

”میں جیسی ہوں، ویسی ہی اچھی ہوں۔“

”لیکن تم تب کرو گی کیا؟ اگر Bachelor نے تمہیں ایلی میٹ نہ کیا تو؟“

”وہ مجھے پہلے ہی دن اس شو سے کک آؤٹ کر دے گا اوکے۔“ چائے کپ میں انڈیلتی وہ دوٹوک انداز میں بولی، جبکہ زرین لب بھینچتے ہوئے اسے گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

”اس بار تمہارے کیا گل کھلانے کے ارادے ہیں؟“ بارعب شخصیت کے مالک ابراہیم صاحب نیوز پیپر ٹیبل پر پٹختے ہی غصے سے پھنکار اٹھے، وہ جو ڈائننگ ٹیبل پر پہلے سے موجود ناشتہ کرنے میں مصروف تھا، ڈیڈ کی اس قدر طوفانی آمد پر بوکھلا اٹھا، توس واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ نیوز پیپر پر دوڑائی تھی۔

”اٹس فور پبلسٹی ڈیڈ! یہ ہمارے بزنس کے لئے اچھا ہے، ٹرسٹ می۔“ اس نے بڑی مہارت سے جھوٹ بولا، وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس کے ڈیڈ بزنس سے کس حد تک بچی تھے۔

”اور تم کب سے بزنس کے بارے میں سوچنے لگے؟“ ابراہیم صاحب نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”دلچسپی تو شروع دن سے ہے ڈیڈ!“ دھیمے سے بولتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں ایگری کرتا ہوں کہ گزشتہ چند ماہ میں، میں نے اپنے بزنس کے لئے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی، انفیکٹ کئی بار میری وجہ سے ہماری کمپنی کو کافی نقصان بھی جھیلنا پڑا، پر ڈیڈ! اب

میں واقعی کچھ کرنا چاہتا ہوں، ہماری کمپنی کے لئے۔“ وہ چہرے اور لہجے میں بے پناہ معصومیت سموئے بولا تھا۔

”اس طرح؟ پوری دنیا کے سامنے لڑکیوں کے ساتھ افیئر چلا کر؟“ ابراہیم صاحب کی غصیلی نگاہیں اور غصیلہ لہجہ اسے مزید بوکھلا گیا تھا۔

”نن...... نہیں ڈیڈ! آفیئر تھوڑی ہے، آپ کے لئے ایک اچھی سلجھی ہوئی شریف گھرانے کی بہو لاؤں گا۔“

”بہو؟“ ابراہیم صاحب بدستور اسی انداز میں بولے، الحان ایک لمحہ کے لئے ہڑبڑایا اور پھر فل کانفیڈنیٹ انداز میں بولا۔

”جی...... بہو آپ میرے اس فیصلے کی برائیٹ سائیڈ دیکھیں ڈیڈ! سوچیں کہ اگر مجھے اس شو میں کوئی لڑکی پسند آ جاتی ہے، جو میری بیوی اور آپ کی بہو بننے کے لائق ہو تو آپ کی اور موم کی ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ میں پوری دنیا کے سامنے اس لڑکی سے شادی کروں گا اور پھر سب کی زبان پر ایک ہی بات ہوگی کہ دیکھو، ابراہیم انڈسٹریز کے مالک مسٹر ابراہیم خان کے اکلوتے وارث نے ایک شو میں پسند کی گئی ایک معمولی سی لڑکی سے شادی کر لی، دنیا والے داد دیں گے اور پھر پبلسٹی کی پبلسٹی، ابراہیم انڈسٹریز بگسٹ ترین فیملی اور ریٹیڈ فوڈ انٹرپرائزر کہلائی جائے گی۔“ ہاتھوں کو ہوا کے زور پر اٹھائے وہ اشارہ کرتے ہوئے خوابی ماحول بنائے ہوئے تھا، کہیں نہ کہیں وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس کے ڈیڈ اس کے اس فیصلے پر خوش ہوتے ہوئے اسے داد شاباشی دیں گے، مگر حقیقت اس کے برعکس نکلی، ابراہیم صاحب کی گھورتی نگاہیں اسے اچھا خاصا سبق سکھا گئی تھیں، وہ ایک دم خاموش ہو رہا۔

”تم ایک دن میری موت کا سبب بنو گے الحان! اللہ کی قسم اس بار اگر تم نے کچھ غلط کیا، تو You are out۔“ اپنا فیصلہ باور کراتے ہی ابراہیم صاحب آندھی طوفان کی سی تیزی سے واپس ہو لئے۔

”You are out? کیا مطلب ہوا اس بات کا؟“ وہ ان کے الفاظ دہراتے ہوئے انہیں سمجھنے کی کوشش میں لگا تھا، ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکر کاٹتے ہوئے وہ مسلسل سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کہیں ان کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ مجھے اپنی تمام جائیداد سے عاق کر ڈالیں گے؟“ اس نے سوچا اور پھر خود ہی اپنی سوچ کی تردید کر ڈالی۔

”نہیں نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتے، آخر کار میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں اور میں کون سا کوئی گناہ کرنے جا رہا ہوں، صرف ایک شو ہی تو ہے، بس مجھ سے پہلے کتنے لوگوں نے ایسے شوز کیے ہیں، میں اگر کرنے لگا تو کون سی قیامت آ گئی؟“ اس نے من ہی من میں سوچا اور پھر موبائل ٹیبل پر سے اٹھاتے ہی کبیر کا نمبر ڈائل کر ڈالا، دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی، وہ اب موبائل کان سے لگائے ایک بار پھر سے چکر لگانے لگا تھا۔

”ہیلو کبیر! کہاں ہے یار؟ ڈیڈ کو پتا چل گیا ہے، ہاں آج نہیں تو کل، آخر پتا چلنا ہی تھا، خیر تو بتا کہاں ہے؟ چل جلدی سے آ جا، آج خوب ہلہ گلہ کریں گے، آفٹر آل فینس ہونے سے پہلے آج کا آخری دن ہی تو ہے، ہاہاہا۔“ اپنی ہی بات پر زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے اپنے قدم باہر جاتے راستے کی جانب بڑھا دیئے۔

☆☆☆

ابراہیم فوڈ انڈسٹریز لندن کی جانی مانی کمپنیوں میں سے ایک تھی، ابراہیم صاحب نے

جوانی سے لے کر اب تک کتنی محنت کی تھی اپنی اس کمپنی کو پروان چڑھانے کے لئے، مگر اب وہ بوڑھے ہو چکے تھے، ایک عدد ہارٹ اٹیک بھی آ چکا تھا، اب وہ چاہتے تھے کہ ان کی اکلوتی اولاد الحان ابراہیم زندگی کے معاملے میں سنجیدگی اختیار کر کے کمپنی میں اپنی دلچسپی دیکھائے، مگر الحان ابراہیم اپنے نام کا ایک تھا، مجال ہے جو اس پر موم یا ڈیڈ کی کسی بھی بات کا اثر ہو جائے، وہ تو بچپن سے ہی اپنی ضد کا غلام تھا، حسیناؤں کا دیوانہ، مگر یہ تمام حسینائیں ایک مہینہ سے زیادہ اس کے دل پر راج نہیں کر سکتی تھیں، بہت مشکل قسم کا انسان تھا وہ، اسے خود اپنی سمجھ نہ آتی کہ وہ زندگی سے کیا چاہتا ہے، ہاں مگر وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اسے کبھی کسی سے پیار نہیں ہو سکتا، وہ اپنی اس بات کا دعویدار تھا، اسے پختہ یقین تھا، تبھی تو کبیر سے شرط لگا بیٹھا تھا، لڑکی ذات اس کے لئے محض ایک کھلونے کی حیثیت رکھتی تھی، ایک ایسا کھلونا، جس سے جب جی بھر جائے اسے دھتکار دور پھینک دیا جائے، لڑکیاں اس کی شخصیت سے بے پناہ متاثر ہوتیں، وہ تھا ہی اتنا ہینڈسم، اتنا ہینڈسم کہ ہالی ووڈ کے تمام ہیروز کو با آسانی مات دے سکتا تھا، اسے اس بات کا احساس تھا، تبھی تو اتنا اتراتا پھرتا تھا۔

اپنی ایک قاتلانہ مسکراہٹ سے وہ ان گنت لڑکیوں کے دل جیت لیا کرتا، اپنی دولت کا بھی تو غرور تھا اسے، اکلوتا بھی تھا، موم کا لاڈلہ بھی تھا، ابراہیم صاحب بھی اس پر جان نچھاور کرتے تھے مگر اس کی ان بچکانہ حرکتوں سے اکتا چکے تھے، انہوں نے بارہا کوشش کی کہ الحان ان تمام فضولیات کو چھوڑ کر کمپنی میں دلچسپی لے، مگر وہ آزاد پنچھی تھا، اپنی مرضی کا مالک، کہاں کسی کے ہاتھ آنے والا تھا، آزاد پنچھی کہاں کسی کی قید میں آتے ہیں، انہیں تو صرف اپنی آزادی سے پیار ہوتا ہے، الحان بھی اپنی آزادی کا غلام تھا۔

☆☆☆

کوئی اطلاعی بیل پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا تھا، مانہ کسمسائی، نیند سے بوجھل آنکھیں وا کیے وہ جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی۔

''کون بیل پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا ہے؟''

ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہی اس نے اپنا چشمہ اٹھایا۔

''Coming صبر نام کی کوئی چیز نہیں لوگوں میں۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی، بے ترتیبی سے بال چٹکی میں قید کیے وہ اٹھ کر جوتا پاؤں میں اڑستی، نڈھال قدموں سے چلتی بیرونی دروازے تک پہنچی۔

''Who is this?۔''

''ہم ٹی وی شو کی ٹیم سے ہیں میڈم! آپ کا انٹرویو ریکارڈ کرنا ہے۔'' دروازے کے اس پار سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری تھی، جو انگلش میں اسے اپنے آمد کی وجہ بتا رہا تھا، مانہ پیشانی پر بل ڈالے منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''انٹرویو؟'' دروازہ کھولتے ہی دو انگریز، دو مسلم لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل گروپ کی جانب دیکھتی وہ حیرانی سے گویا ہوئی۔

''کیسا انٹرویو؟''

''پروموشنل انٹرویو میڈم!'' گروپ کے لیڈر ایک مسلمان لڑکے نے آگے بڑھ کر جواباً کہا۔

''میں نے کل رات آپ کے شو کی پروموشنل وڈیو دیکھی تھی، مجھے نہیں لگتا کہ میرے انٹرویو کی کچھ خاص ضرورت ہے۔''

''میڈم! اس شو کے پہلے ایپی سوڈ میں ہم نے تمام پچیس لڑکیوں کو انٹرڈیوس کرانا ہے، جس کے لئے ہمیں تمام پچیس لڑکیوں کے انٹرویوز درکار ہیں، آپ پلیز ہمیں تھوڑا ٹائم دے دیجئے۔'' گروپ لیڈر نے ڈیٹیل سمجھائی، وہ لب بھینچے کچھ سوچنے لگی تھی، ان تمام لوگوں کو راستہ دینے کی غرض سے وہ تھوڑا پیچھے ہٹ کھڑی ہوئی، تمام لوگ چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں اپنا سیٹ اپ لگانے میں مصروف ہو گئے، گروپ لیڈر اس کی جانب مڑ کر بولا۔

''آپ چینج کر لیجئے۔'' وہ کچھ سوچتی ہوئی پیر پٹختی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، کچھ ہی دیر بعد وہ چینج کیے کیمرہ کے سامنے موجود تھی۔

''میڈم! آپ اپنا چشمہ اتار دیجئے۔''

گروپ لیڈر کی ریکوسٹ پر اس نے بنا کچھ کہے اپنا چشمہ اتار کر پاس کھڑی لڑکی کی جانب بڑھا دیا، میک اپ گرل آگے بڑھ کر اس کا میک اپ کرنے کو تھی کہ وہ ایک دم جھلا اٹھی۔

''مجھے میک اپ نہیں کروانا۔'' گروپ لیڈر کے اشارے پر میک اپ گرل پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

''اوکے مس مانہ! آپ نے یہ شو کیوں جوائن کیا؟''

''To explore my curious side!۔''

''کٹ۔'' گروپ لیڈر نے اونچی آواز میں کہا اور پھر مانہ کی جانب دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

''کیا آپ اس سے بہتر جواب نہیں دے سکتیں؟'' اس قدر چکا چوند لائٹس کی بناء پر وہ ٹھیک سے کچھ دیکھ تک نہیں پا رہی تھی۔

''کیا مجھے میرا چشمہ واپس مل سکتا ہے؟''

''بالکل نہیں، کیمرہ میں چشمہ کا رزلٹ اچھا نہیں آتا۔''

''شو میں بھی مجھے چشمہ پہن کر ہی رکھنا ہے۔''

''وہ آپ کی مرضی ہے، انٹرویو کے دوران آپ چشمہ نہیں پہن سکتیں۔'' وہ جھلا ہی تو گئی، گروپ لیڈر کیمرہ مین کی جانب دیکھ کر بولا۔

''اوکے۔'' اب کے وہ ایک بار پھر سے مانہ کی جانب دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیے ہوئے تھا۔

''آپ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟'' تیز چکا چوند روشنی اس کی آنکھوں میں چبھتی محسوس ہو رہی تھی، لمبی سانس کھینچتے ہوئے اس نے اپنا گلہ کھنگارا اور ایک بار پھر سے اپنا غصہ کنٹرول کرتی وہ نہایت خشک لہجے میں گویا ہوئی۔

''میرا نام مانہ ہے، میں ایک لکھاری ہوں، رئیل نیم بتانا ضروری نہیں سمجھتی، میری عمر چوبیس سال ہے، سنگل ہوں اور یقیناً پاکستانی بھی ہوں بس؟'' ایک ہی سانس میں اپنا تعارف کرائی اب کے وہ گروپ لیڈر کی جانب دیکھنے لگی، جو مسلسل اس کا روکھا رویہ اور بے وقوفیاں برداشت کیے اپنا غصہ کنٹرول کیے بیٹھا تھا۔

''آپ ایک رائٹر ہیں؟ رائٹ؟'' وہ دانت پیستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''یس!'' بدستور اسی روکھے لہجے میں جواب دیا گیا۔

''لیکن آپ کے لہجے اور حرکتوں سے لگتا نہیں کہ آپ رائٹر ہیں۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''آپ کو اتنا نہیں پتا کہ انٹرویو کس طرح دیا جاتا ہے؟''

''دے تو رہی ہوں انٹرویو۔'' اس کی اس قدر زبان درازی پر وہ اپنا سر تھام کر رہ گیا، شاید یہی وجہ تھی، وہ کسی سے اپنے رائٹر ہونے کی

شناخت نہ کراتی، کوئی اس پر یقین ہی نہ کرتا کہ وہ ایک رائٹر ہے اور اس قدر دلچسپ کہانیاں بھی لکھتی ہے، سب لوگ اس کا مذاق اڑاتے، وہ کتنی بار دلبرداشتہ ہوئی تھی، تبھی اس نے قسم کھائی کہ کبھی کسی کو اپنا مذاق اڑانے کا موقع ہرگز نہ دے گی، مگر انٹرویو میں یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ پروفیشنلی وہ کرتی کیا ہے۔

''اگر آپ رائٹر ہیں کچھ ایسا سوچ کر بولئے، کچھ ایسا کہ جس سے لگے کہ آپ ایک زندہ دل لڑکی ہیں۔'' چند ثانیے کی خاموشی کے بعد وہ اسے بچوں کی طرح سمجھانے لگا۔

''اوکے۔'' وہ بہت چڑچڑی سی ہو رہی تھی، گروپ لیڈر کو جواب دیتے ہی وہ فوراً اپنے لب بھینچنے لگی۔

''اوکے رول۔'' کیمرہ مین کو اشارہ کرتا، وہ ایک بار پھر سے اس سے مخاطب ہوا۔

''آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟''

''میرا نام مانہ ہے، میں ایک لکھاری ہوں اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس وقت یہاں اس چیئر پر بیٹھ کر ان تمام چبھتی لائٹس سے اپنا چہرہ جلانے کے بجائے مجھے کسی ایسی جگہ ہونا چاہیے تھا جہاں میں مکمل طور پر سکون کا سانس لے سکتی اور یہاں اس وقت اس چیئر پر بیٹھ کر یہ انٹرویو دیتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میں اپنی زندگی کا یہ لمحہ بیکار میں برباد کر رہی ہوں، مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہنا۔'' ایک ہی سانس میں تیزی سے بولتی وہ جمپ لگائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا چشمہ پلیز۔'' لڑکی کے ہاتھوں سے اپنا چشمہ جھپٹتے ہی اس نے غصے سے الجھتے گروپ لیڈر کی جانب دیکھا۔

''اس قسم کا انٹرویو دیکھنے کے بعد لوگ اگر آپ کو بیوقوف یا فنی سمجھیں تو اس کا ذمہ آپ ہمیں ہرگز نہیں دیں گیں۔'' کس قدر کنٹرول کیے ہوئے تھا وہ شخص، مانہ بدستور اپنے ہٹ دھرم اور روکھے لہجے میں جواباً بولی۔

''کوئی بات نہیں۔'' اس کی ہٹ دھرمی پر گروپ لیڈر کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ ڈالے، مگر ضبط کے سوا وہ کچھ کر بھی نہ سکا۔

''Let,s wrak up۔'' غصے سے پھنکارتا وہ اٹھا اور بجلی کی سی تیزی سے باہر نکل گیا، باقی تمام ٹیم نے بھی جلدی سے اپنا سامان سمیٹتے ہی باہر کی راہ لی۔

جاتے جاتے ایک لڑکی اپنی فائل سے ایک پیپر نکال کر مانہ کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

''یہ ہمارے شو کے Bachelor کی پروفائل ہے، آپ اپنا سامان پیک کر لیجئے، کل صبح ہماری ٹیم کا ڈرائیور آپ کو پک کر لے گا۔''

''شیور۔'' وہ پیپر ہاتھ میں تھامتے ہی بے ساختہ بولی۔

تمام ٹیم جا چکی تھی، مانہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے دروازہ اندر سے لاک کر دیا، اب وہ دروازے سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے سکون کی گہری سانس لینے لگی تھی، کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ پیپر پر لکھی تحریر پر نظریں جمائے، اپنے قدم آگے کی جانب بڑھانے لگی۔

''الحان ابراہیم!''

پیپر کے ٹاپ پر لکھا نام منہ ہی منہ میں بڑبڑائی وہ باقی کی تمام سطروں پر اپنی نظر دوڑاتی چلی گئی۔

''The sale heir to ibrahim industries, The largest food enterkrise in the country!۔'' تیوری چڑھائے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے چلی جا رہی تھی۔

''ایج انتیس، ہینڈسم، مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش ہے جو مجھے مکمل طور پر بدل ڈالے، میری اچھی جیون ساتھی کی تلاش پوری دنیا کے سامنے......'' نفرت بھری آخری نگاہ پیپر پر دوڑاتی وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''ہونہہ، بیکار، بکواس۔''

رائٹر ہونے کے ناطے اسے لوگوں کو دیکھ کر انہیں پہچان لینے کی صلاحیت حاصل تھی۔

''امیر لوگوں کی یہ لڑکی ذات کو ٹشو پیپر سمجھنے والی بگڑی اولادیں، اب پوری دنیا کے سامنے آن ائیر لڑکی ذات کا تماشا بنائیں گی۔'' زہر خند لہجے میں بولتی، وہ پیپر کو مٹھی میں دبوچے، ڈسٹ بین کا نشانہ بناتی، پیپر پھینکتی، اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ چھوٹے سے سوٹ کیس میں اپنا ایک جوڑا، ڈائری، پین اور ضرورت کی کچھ اشیاء رکھتی، جانے کے لئے تیار ہو بیٹھی تھی، زرین، جو صبح صبح اسے الوداع کہنے کو آئی تھی، اس کی تیاری دیکھتے ہی منہ بسور کر بولی۔

''تو تم نے اپنا فیصلہ نہیں بدلہ مانہ!''

''میں نے فیصلہ بدلنے کے لئے نہیں کیا تھا میری جان۔'' وہ مصروف انداز میں جواباً بولی۔

''تمہیں معلوم ہے ناں؟''

''ہاں بابا جانتی ہوں، جانتی ہوں، بہت اچھے سے جانتی ہوں، کہ کل آپ محترمہ کا برتھ ڈے ہے۔'' مانہ نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کی ادھوری بات مکمل کر ڈالی۔

''پھر بھی تم جا رہی ہو، کتنی بری بات ہے ناں، کیا کیا پلان بنائے تھے میں نے اور تم نے کتنی بے مروتی سے سب پر پانی پھیر دیا۔''

زرین بدستور اپنی شکایت پر آمادہ تھی۔

''زرین! تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے میں نجانے کتنا عرصہ کے لئے اس سٹوپڈ گیم شو کا حصہ بننے جا رہی ہوں۔''

''اللہ جانے تمہاری یہ ریسرچ صرف ایک دن کی ہے، یا پھر......''

''بکواس نہیں کرو تم، ایک دن کا مطلب صرف ایک ہی دن ہوتا ہے۔''

''دیکھتے ہیں۔''

''ڈونٹ وری، میں کل تمہارے ساتھ تمہاری برتھ ڈے سیلبریٹ ضرور کروں گی، پکے والا پرامس۔''

''اور تمہیں یقیناً آنا ہی ہوگا، تم مجھے مایوس ہرگز نہیں کر سکتیں، سمجھی تم؟'' مانہ نے کچھ کہنے کو اپنے لب کھولے ہی تھے کہ گھر کی بجتی اطلاعی بیل ان دونوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا گئی، گھڑی صبح کے آٹھ بجا رہی تھی، گھڑی پر نظر دوڑاتی وہ لپک کر اپنے سوٹ کیس کی جانب بڑھی۔

''فائن فائن، میں کل ضرور آؤں گی، خوش؟ ناؤ شٹ اپ، میری گاڑی آ گئی ہے، I have to go now۔''

''اتنا چھوٹا سا سوٹ کیس لے کر جاؤ گی؟'' زرین نے بیڈ پر رکھے اس چھوٹے سے سوٹ کیس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حیرانگی کا اظہار کیا۔

''ایک دن کے لئے یہ بھی بہت بڑا ہے۔''

''ارے کیا تم اسی حلیہ میں جانے والی ہو؟'' زرین نے بیگی گرین شرٹ، ٹائٹ بلیک جینز اور بلیک سینڈل پہنے کھڑی اس عجیب وغریب لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... کیوں؟''

”تم ٹی وی پر پوری دنیا کو دکھائی دینے والی ہو، تھوڑی تو بن سنور کر جاؤ لڑکی!“

”میں جیسی ہوں، ویسی ہی ٹھیک ہوں، بناوٹی لوگ مجھے ہرگز پسند نہیں۔“ وہ برجستہ بولی۔

”جانتی ہوں، خیر بال تو کھول لو۔“ زرین نے پونی ٹیل میں قید اس کے بالوں کی طرف اشارہ کیا۔

”زرین! میرا سر مت کھاؤ، اور اب پھوٹ لو اپنے گھر، مجھے اپارٹمنٹ لاک کرنا ہے۔“

”ہاں ہاں جا رہی ہوں، نکالنے کی ضرورت نہیں۔“ مانہ کھلکھلا کر مسکرا دی۔

اپارٹمنٹ لاک کرتی وہ اپنے چھوٹے سے سوٹ کیس سمیت چینل کی گاڑی میں آ بیٹھی، گھر سے ہینگر تک کا سفر اس نے بڑی خاموشی سے طے کیا، گاڑی پارکنگ ایریا میں رکتے ہی اسے دور سے رنگ و نور کا پھیلا سیلاب نظر آیا، تمام چوبیس لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک برانڈڈ لباس میں ملبوس، بے پناہ خاموشی میں بھی چیخ چیخ کر کہتی دکھائی دے رہی تھیں کہ ”میں یہاں سب سے زیادہ خوبصورت ہوں“ ساتھ ہی ان تمام خوبصورت لڑکیوں کے ہیوی سائز سوٹ کیسز رکھے دکھائی دے رہے تھے، ڈرائیور نے ڈگی سے اس کا چھوٹا سا سوٹ کیس باہر نکالا تھا، تبھی وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”ہم سب لوگ کہاں جانے والے ہیں؟“

”یہ تو عاشر صاحب ہی بہتر جانتے ہیں۔“

ڈرائیور کے جواب پر وہ خاموش ہو رہی، پھر ان لڑکیوں کے ہجوم کے نزدیک پہنچتے ہی اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ ان تمام لڑکیوں کے سراپے پر دوڑائی، کسی کے بال لمبے تھے تو کسی کے چھوٹے، کسی نے ایسٹرن ڈریسنگ کر رکھی تھی تو کسی نے ویسٹرن، کوئی بہت پیاری تھی اور کوئی بہت معمولی سی، لیکن نخرے تو سبھی لڑکیوں کے آسمان کو چھوتے دکھائی دے رہے تھے، ان انگریز، چائنیز، انڈین لڑکیوں میں دو مسلمان لڑکیاں بھی موجود تھیں، مگر ان کا گیٹ اپ بھی ان انگریز لڑکیوں سے کچھ کم دکھائی نہ دے رہا تھا، سبھی لڑکیوں کے چہروں پر خوشی واضح طور پر عیاں تھی، ان سب میں ایک مانہ ہی تھی جس کے چہرے پر خوشی کا نام و نشان تک دکھائی نہ دے رہا تھا، وہ ان تمام لڑکیوں سے خاصے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی، ایک بڑے سے طیارے کے نزدیک ہی بہت سے کیمرہ اور لائٹس سیٹ اپ دکھائی دے رہے تھے۔

”ویلکم لیڈیز!“ لڑکیوں پر فوکس کیمرہ ز کے سامنے اب ایک ہینڈسم پرسنالٹی آ کھڑی ہوئی تھی۔

”ویل لیڈیز! مائے نیم از خرم، اینڈ آئی ایم دی ہوسٹ آف دز شو۔“ ہوسٹ کے تعارف پر تمام لڑکیوں نے ایک ساتھ ہوٹنگ کی تھی، مانہ کیمرہ سے دور کھڑی ہر ہر فرد کا خاصی باریک بینی سے جائزہ لیتی دکھائی دے رہی تھی۔

”آپ تمام حسینائیں یقیناً حیران ہوں گی کہ ہم سب لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ مانہ کے سوا تمام حسینائیں ایک ساتھ اپنے سر اثبات میں ہلاتی دکھائی دی تھیں۔

”ویل لیڈیز! ہم سب لوگ ہمارے Bachelor کے پرائیویٹ Island پر سٹے کرنے والے ہیں۔“

“Wath?”۔

“Oh my God”۔

“Wow”۔

“Yes”۔

“This is so exciting”۔

تمام لڑکیاں الگ الگ انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کرتی دکھائی دے رہی تھیں، اتنی ساری آوازوں کے دھماکے سنتے ہی مانہ اپنے دونوں کان اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ کر رہ گئی۔

لڑکیوں کے خاموش ہوتے ہی خرم ایک بار پھر سے گویا ہوا تھا۔

”مجھے یقیناً اندازہ ہے کہ آپ تمام حسینائیں اس وقت بورڈنگ کے لئے کتنی ایکسائیٹڈ ہیں اور اب میں آپ تمام حسیناؤں کا مزید ٹائم ضائع کیے بغیر، ہمارے اس شو کے Bachelor الحان ابراہیم کو یہاں انوائیٹ کرنے جا رہا ہوں، اینڈ ہیئر ہی از!“ پر جوش انداز میں وہ طیارے کی طرف اشارہ کرتا، تمام حسیناؤں سمیت، الحان کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا، طیارے کا دروازہ کھلتے ہی ایک دم سناٹا سا چھا گیا تھا، اردگرد کا جائزہ لیتی مانہ بے پناہ خاموشی محسوس کرتی، ان تمام لڑکیوں کی نظروں کی ڈائریکشن کی جانب دیکھنے لگی تھی، بلیک سوٹ بوٹ میں ملبوس وہ متاثر کن پرسنالٹی، ائیر فورس کے آفیسرز کے انداز میں طیارے کی سیڑھیاں پھلانگتا چلا آ رہا تھا، مانہ کے علاوہ تمام لڑکیاں حسرت بھری نگاہوں سے اس خوبصورت شخصیت کے مالک الحان ابراہیم کی جانب ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھیں، گھنے سیاہ سٹائلش کٹ بال، گرین آنکھیں، مردانہ خوبصورت ناک، خوبصورت چن، دودھیا رنگت، گلابی ہونٹ، چوڑے شانے اور لمبی ہائیٹ، ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان تھا وہ، لڑکیاں اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ، دنگ رہ گئی تھیں، تمام لڑکیوں کی توجہ پاتے ہی ایک شریر سی مسکراہٹ الحان کے لبوں پر آن ٹھہری تھی، تھوڑے پراؤڈ سے چلتا وہ ان لڑکیوں کے قریب تر چلا آ رہا تھا، جہاں ہر لڑکی اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی، وہیں مانہ اس شخصیت کو نفرت بھری نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

”اوہ! تو یہ ہے وہ خود غرض انسان۔“ وہ دل ہی دل میں ہم کلام ہوئی تھی۔

”جو امیر پیدا ہوا اور امیر ہی اس دنیا سے رخصت ہوگا، جو یہ سمجھتا ہے کہ اپنے پیسے کے بل پر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، شادی کا اتنا ہی شوق تھا تو کوئی بھی لڑکی پسند کر کے دھوم دھام سے شادی کر سکتا تھا، مگر نہیں، ان امیر لوگوں کی شو بازی ہی اتنی اہم ہے، پوری دنیا کے سامنے لائیو اپنی لائف پارٹنر چنے گا، ہونہہ۔“ وہ جیسے جیسے قریب آ رہا تھا، ویسے ویسے مانہ کے دل میں اس کے لئے نفرت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

”ان جیسے لوگوں کے لئے یہ پاکیزہ رشتے اہم کہاں ہوتے ہیں، اگر کچھ اہم ہوتا ہے تو صرف فاسٹ کارز، فائیو سٹار ہوٹلز، باڈی گارڈز، پارٹیز، خوبصورت ماڈل نما گرل فرینڈز، گولف کلبز اور پیسہ۔“ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی، مانہ مایوس ہرگز نہ تھی، آفٹر آل وہ اس شو میں الحان ابراہیم کا دل جیتنے ہرگز نہ آئی تھی، پھر وہ اسے دیکھ کر مایوس کیونکر ہوتی، وہ تو بس، ان امیر لوگوں کے خواہ مخواہ کے نخروں، لاڈ بازیوں، شو آف اور خود غرضانہ حرکتوں سے تپی ہوئی تھی۔

”ہیلو لیڈیز!“

وہ خرم کے برابر آ کھڑا ہوا، خوبصورت مسکان لبوں پر سجائے وہ مسحور کن آواز میں بولا تھا، تمام لڑکیاں جو کھوئے کھوئے انداز میں اسے دیکھنے میں مصروف تھیں اس کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی ایک دم ہوش میں آتے ہی ایک ساتھ بولیں۔

"ہیلو!"

"ویل لیڈیز! فلائٹ کے دوران ہماری ٹیم الحان ابراہیم کو آپ تمام لیڈیز کے ریکارڈ کیے گئے تعارفی انٹرویوز دکھائے گی، وہ تمام وڈیو کلپس دیکھنے کے بعد الحان آپ تمام لیڈیز سے الگ الگ ملاقات کریں گے اور پھر Island پہنچتے ہی اپنا فیصلہ سنائیں گے، کہ آپ تمام لیڈیز میں سے وہ کون سی پندرہ خوش نصیب حسینائیں ہیں جو شو کا حصہ بنے رہیں گی اور کون سی دس حسینائیں باقی پندرہ حسیناؤں اور الحان کو اس آئس لینڈ پر چھوڑ کر اسی پلین میں واپسی کے لئے روانہ ہو جائیں گی اور یہاں میں شو کا نام بھی بتا دوں جس میں شرکت کے لئے آپ آئی ہیں، اس شو کا نام ہے "ان لمحوں کے دامن میں۔"

"Awww------"۔

خرم کی اطلاع پر تمام لڑکیوں نے ایک ساتھ مختلف جذبات کا اظہار کیا تھا، مانہ خرم کی ہر ہر بات اگنور کیے کیمراز کے پیچھے کھڑے تمام سٹاف کی ہر حرکت بڑی باریک بینی سے نوٹ کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

"سو لیڈیز! آل دی بیسٹ۔" الحان کے خوبصورت انداز نے ایک بار پھر سے گہرا تاثر چھوڑا تھا، تمام لڑکیاں خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں، کیمراز آف ہوتے ہی الحان، خرم سمیت طیارے کی دوسری جانب بڑھ گیا تھا، چینل کا اسٹاف تمام لڑکیوں کے سوٹ کیسز اٹھائے طیارے میں لوڈ کرنے لگا تھا، بورڈان کی تیاری شروع ہو چکی تھی، مانہ نڈھال قدموں سے چلتی طیارے کے قریب جانے لگی ہی تھی کہ عقب سے ابھرتی نسوانی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کر ڈالا۔

"ہیلو!"

"ہیلو!"

ویسٹرن ڈریس میں ملبوس ایک خوبصورت حسینہ اس کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی، اپنے تراشیدہ خوبصورت بالوں کو ایک ادا سے جھٹکا دیتی وہ اپنے سٹائلش انداز میں مخاطب ہوئی۔

"میرا نام مسکان ہے اور آپ؟"

"مانہ!"

"نائس نیم۔" وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر سے بولی۔

"آر یو شیور؟ آپ اسی ڈریس میں شوٹ کرانے والی ہیں؟" مسکان نے مانہ کے بے ڈھنگے لباس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یس! میں اسی ڈریس میں کمفرٹیبل ہوں۔" مانہ نے ایک سرسری سی نگاہ اپنے سراپے پر دوڑائی تھی۔

"آپ کی گلاسز بہت اچھی ہیں، آپ پر سوٹ بھی کر رہی ہیں۔" مسکان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، اب نجانے وہ واقعی اس کی تعریف کر رہی تھی یا پھر دبے لفظوں میں اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تھینکس!"

"آئی سائیڈ ویک ہے یا جسٹ فور فیشن؟"

"اف کورس، آئی سائیڈ ویک ہے۔"

"اوہ، کیا زیادہ ویک ہے؟ آئی مین، گلاسز کے بغیر کچھ دکھائی دیتا ہے؟"

"تھوڑا بہت۔"

"اوہ، بائے دی وے، آپ کی الحان کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"اچھا ہے۔"

"اچھا نہیں، بہت اچھا ہے، ہوٹ، ہینڈسم،

کیا پرسنالٹی ہے، آئی ہوپ ٹو گیٹ ٹو نو ہم مور۔"

مسکان کی دیوانگی پر وہ صرف مسکرا کر رہ گئی تھی۔

"سو اپنے آڈیشن کے بارے میں کچھ بتاؤ؟"

"میں......" اس سے پہلے کہ مانہ کچھ بھی جواباً کہتی چینل کے سٹاف نے ہاتھ کے اشارے سے ان دونوں کو اپنی جانب مبذول کرا لیا تھا۔

"میڈم! ہمارے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے، آپ پلیز بورڈان کر لیجئے۔"

اگلے چند منٹوں میں شو کی تمام ٹیم طیارے میں سوار ہو چکی تھی، طیارے کے پرواز ہوتے ہی خرم ایک بار پھر سے پچیس لڑکیوں کے سامنے آن وارد ہوا تھا۔

"سو! ہاؤ آر یو آل فیلینگ؟"

"ایکسائیٹڈ۔" تمام لڑکیوں کی یک آواز ابھری۔

"تین گھنٹوں کی اس پرواز کے دوران الحان آپ تمام لیڈیز کے ساتھ الگ الگ پرائیویٹ ٹائم سپنڈ کریں گے، سو آل دی بیسٹ لیڈیز۔"

"تھینکس۔"

خرم کے جاتے ہی تمام لڑکیاں خوفزدہ دکھائی دینے لگی تھیں، وہ تمام کی تمام منہ لٹکائے لب بھینچنے لگی تھیں، مایوسی اور خوف کی اک لہر سی تھی جو ہر لڑکی کے چہرے پر صاف ناچتی دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ لڑکیاں تو اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں جیسے انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ آج ہی ایلیمینیشن بھی ہونے والی ہے۔"

مانہ نے تعجب سے سوچا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے پرسکون انداز میں آنکھیں موند گئی۔

☆☆☆

"You ready?"۔

خرم نے الحان کے پرائیویٹ روم میں داخل ہوتے ہی پوچھا، ایک کیمرہ مین، کیمرہ تھامے خرم کے ساتھ ہی الحان کے پرائیویٹ روم میں داخل ہوا تھا، وہ جواب سوٹ بوٹ چینج کیے، بلیک پولو فل سلیو شرٹ اور خاکی پینٹ میں ملبوس لیدر صوفہ پر ابھی ابھی براجمان ہوا تھا، خرم کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی قاتلانہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے اپنے ہی انداز میں جواباً بولا۔

"I guess so-----!"۔

"Ok تمام لیڈیز کی انٹروڈکٹو وڈیو کلپس دیکھانے سے پہلے Let me ask you i question?"۔

"Sure"۔ الحان اب کے اپنے دونوں بازوؤں کو فولڈ کیے لیدر صوفہ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"اس شو جس کا نام "ان لمحوں کے دامن میں" آنے کا فیصلہ کیسے کیا آپ نے؟"

"ویل، میں نے اپنی زندگی میں بہت فن کیا ہے اور اس فن کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔" خرم، الحان کے جواب پر دھیمے سے مسکرا دیا، الحان نے بھی مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"I don,t know مگر ایک دن اچانک سے خیال آیا کہ بس یار بہت ہوا، اب بس So, here i,m!"۔

"Ok آپ کو کیا لگتا ہے کہ باہر بیٹھی تمام لیڈیز میں سے کوئی ایک لیڈی ایسی ہے؟ جو آپ کے معیار پر پوری اتر کر آپ کی جیون ساتھی بن سکے؟" خرم نے دوسرا سوال پوچھا۔

"میں یقیناً چاہتا ہوں کہ ان تمام لیڈیز میں

سے کوئی ایک لیڈی ایسی لازمی ہو، جو مجھے اپنے آگے جھکنے پر مجبور کر دے۔'' وہ اپنے ہی دیئے گئے جواب پر، پاگلوں کی طرح ہنسنے کو بے چین تھا، مگر وہ چاہ کر بھی ایسی کوئی حرکت کر نہیں سکتا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شوٹنگ کے دوران کسی بھی قسم کی کوئی بھی کوتاہی، اس کے لئے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔

''Ok یہ رہا ریموٹ، جسٹ پلے، ہم چاہتے ہیں کہ تمام لیڈیز سے ملاقات سے پہلے، آپ ان کے بارے میں تھوڑا سا جان لیں Enjoy and good luck!''

''Thanks man!'' خرم کے واپس جاتے ہی الحان نے ریموٹ آگے بڑھا کر پلے کا بٹن دبا دیا، کیمرہ مین اپنی جگہ کھڑا شوٹ کرنے میں مصروف تھا، بلیک ٹی وی سکرین پر اب تمام پچیس لیڈیز کے فیسز نمودار ہو چکے تھے، فیسز کے ساتھ ہی ان کے نام اور ایجز بھی لکھی دیکھائی دے رہی تھیں، وڈیو کلپس اپنے آپ پلے ہونے لگے تھے، پہلی وڈیو ایک بہت ہی خوبصورت ماڈل ٹائپ لڑکی کی تھی، خوبصورت گھنے لمبے سلکی بال، بلیو آنکھیں، ستوان ناک، لمبی ہائیٹ دمکتی رنگت کی وہ انگریز لڑکی بالکل الحان کے ٹائپ کی ہی تھی۔

''Hi میرا نام آشلے ہے، آئی ایم 23 ایئر، حال ہی میں ماڈلنگ سے اپنا کیرئیر سٹارٹ کیا ہے، میں اس شو میں اس لئے آئی ہوں کیونکہ مجھے سچے پیار کی تلاش ہے، اینڈ آئی لو، فن اینڈ مور فن!'' اس لڑکی نے انگلش میں اپنا تعارف کرایا تھا، الحان جو پہلی ہی نظر میں اس کا دیوانہ دیکھائی دے رہا تھا، دل ہی دل میں ہم کلام ہوا۔

''فن! لیں I love fun too!''

دوسری وڈیو سٹارٹ ہوتے ہی ایک اور برلش حسینہ سکرین پر نمودار ہوئی تھی۔

''میرا نام سحر ہے، آئی ایم 28 ایڈ ایجنسی میں کام کرتی ہوں، یقیناً ایک اچھی جیون ساتھی ثابت ہونگی۔'' وہ دبے ہونٹوں سے اندر ہی اندر ہنس دیا۔

''لگتا ہے، کافی مزہ آنے والا ہے اس شو میں۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

ایک کے بعد ایک تمام وڈیو کلپس پلے ہوتے چلے گئے، کچھ لڑکیاں یقیناً اسی کے ٹائپ کی تھیں، کچھ بس ٹھیک ہی تھیں اور کچھ نہایت ہی بےوقوف۔

''یار! ان سب کے نام کیسے یاد رکھوں گا؟'' وہ من ہی من میں خود سے ہم کلام ہوا تھا۔

لگاتار پلے ہوتی چوبیں وڈیوز کے بعد سکرین بلیک ہوتے ہی ایک عجیب وغریب وڈیو سکرین پر نمودار ہوئی۔

وہ لڑکی مسلسل سکرین کی جانب گھورے چلی جا رہی تھی، الحان خاصا حیران ہوا تھا، کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ عورت ذات اور میک اپ کا رشتہ کس قدر گہرا ہوتا ہے، مگر سکرین پر نظر آتی اس عجیب وغریب لڑکی نے تو میک اپ کو غالباً چھونا بھی گوارہ نہ سمجھا تھا۔

''اوکے مس مانہ! آپ نے یہ شو کیوں جوائن کیا؟'' مردانہ آواز سنائی دی، الحان ایک بار پھر سے چونکا، اب تک کی تمام وڈیوز میں تمام لیڈیز ڈائریکٹ اپنا انٹرویو دیتی دیکھائی دی تھیں، یعنی ان تمام لیڈیز کی وڈیوز ایڈٹ کی گئی تھیں، مگر اس لڑکی کی وڈیو کسی نے ایڈیٹ کرنا ضروری ہی نہ سمجھی تھی۔

''To explore my curious side!'' اس لڑکی نے خشک مزاجی سے جواب دیا تھا، اس کے جواب پر الحان حیران کن نگاہوں سے کیمرہ مین کی جانب دیکھنے لگا، جو کہ خود حیرانگی کا مجسمہ بنا سکرین پر اپنی نظریں گاڑھا کھڑا تھا۔

''میرا نام مانہ ہے، میں ایک لکھاری ہوں، پین نیم بتانا ضروری نہیں سمجھتی، میری عمر چوبیں سال ہے، سنگل ہوں اور یقیناً پاکستانی بھی ہوں، بس؟'' سکرین ایک دم سے بلیک ہوگئی، الحان کا دل چاہا کہ ہاتھ میں پکڑا ریموٹ کھینچ ٹی وی سکرین پر دے مارے، کس قدر بکواس انٹرویو ریکارڈ کرایا گیا تھا۔

''یہ وڈیو ایڈٹ......'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، وہ لڑکی ایک بار پھر سے ٹی وی سکرین پر آن وارد ہوئی تھی۔

''میرا نام مانہ ہے، میں ایک لکھاری ہوں اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس وقت یہاں اس چیئر پر بیٹھ کر ان تمام چبھتی لائٹس سے اپنا چہرہ جلانے کی بجائے مجھے کسی ایسی جگہ ہونا چاہیے تھا، جہاں میں مکمل طور پر سکون کا سانس لے سکتی اور یہاں اس وقت یہ انٹرویو دیتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میں اپنی زندگی کا یہ لمحہ بیکار میں برباد کر رہی ہوں، مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہنا۔''

سکرین ایک بار پھر سے بلینک ہو چکی تھی، الحان چند ثانیے خاموش بیٹھا بلینک سکرین کی جانب دیکھتا رہا، اگلے ہی پل شو کے بلینک ہوتے لوگو نے واضح طور پر لاسٹ وڈیو کلپ کے اختتام کا اعلان کر ڈالا تھا، لوگو بلنک ہوتے ہی خرم بجلی کی سی تیزی سے روم میں داخل ہوا تھا۔

''So کیسا رہا؟'' خرم نے آتے ہی پوچھا، الحان مسلسل حیرانگی کا شکار تھا۔

''یہ لاسٹ وڈیو کے ساتھ کیا مسئلہ تھا یار؟''

''وہ...... رائٹر والی وڈیو؟'' الحان نے جواباً اثبات میں سر ہلا دیا۔

''وہ وڈیو بہت ہی افراتفری میں بنی تھی، ایڈٹ کرنے کا ٹائم نہیں تھا، خیر یو ڈونٹ وری، شو کے آن ائیر جانے پر وہ وڈیو ایڈٹ کر دی جائے گی، فی الحال میرے دوست تمہیں یہ فیصلہ لینا ہے کہ ان تمام پچیس حسیناؤں میں سے وہ کون سی حسینائیں ہیں جو تمہارا دل جیتنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔'' خرم نے ہاتھ میں پکڑا ایک سفید پیپر الحان کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ ان تمام حسیناؤں کی نیم لسٹ ہے، جو ابھی ون بائے ون آ کر تم سے چٹ چیٹ کریں گئیں، یہ لسٹ اس لئے بنوائی کیونکہ آئی ایم شیور دوست کہ ایک ساتھ اتنی ساری حسیناؤں کے نام یاد رکھنا بہت مشکل کام ہے۔'' خرم کے ساتھ ساتھ الحان نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

''تھینکس یار!'' الحان نے پیپر ہاتھ میں تھامتے ہی اک سرسری سی نگاہ اس پر دوڑائی تھی۔

''تمہیں آفٹر چٹ چیٹ، اس نیم لسٹ میں موجود پندرہ لڑکیوں کو ٹاپ پندرہ کے لئے سلیکٹ اور دس لڑکیوں کو آج ہی واپس جانے کے لئے ریجیکٹ کرنا ہے۔'' خرم کی ڈیٹیل بتانے پر اس نے ایک بار پھر سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کافی مشکل کام ہے یار۔'' اس نے ایک لمبی سانس کھینچی تھی، خرم دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''مشکل تو ہے، پر کرنا تو ہے۔''

''لیں۔''

''آل دی بیسٹ۔''

خرم واپس جا چکا تھا، جبکہ الحان نیم لسٹ پر نظر دوڑاتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، کیمرہ مین مسلسل اس کے سر پر وارد، اس کا یہاں بیتایا ہر اک پل اپنے کیمرہ میں قید کیے چلا جا رہا تھا، الحان نے گہری لمبی سانس کھینچی۔

''آشلے، آئی لائک ہر، اسے شو کے اینڈ

تک ایلیمینیٹ نہیں کروں گا۔'' اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرڈالا تھا۔

ایک کے بعد ایک تمام لڑکیوں کے ناموں پر نظر دوڑاتے ہوئے آخر میں اس کی نگاہیں پچیسویں نمبر والی لڑکی کے نام پر اٹکی تھیں۔

''مانہ!'' اس بار وہ زیرلب بڑبڑایا تھا۔

☆☆☆

اپنا نام پکارے جانے پر اَٹھلے، اتراتی بل کھاتی الحان کے روم میں داخل ہوئی تھی، جبکہ بقیہ تمام لڑکیاں تفکرانہ انداز میں اپنے اپنے بیگز ٹٹول کر میک اپ درست کرتی دیکھائی دے رہی تھیں۔

''کیا تم مجھے میرا نام پکارے جانے پہ جگا دوگی؟'' مانہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان سے مسکان سے کہہ رہی تھی۔

''اوکے۔'' مسکان نے اپنا میک اپ درست کرتے ہوئے مصروف انداز میں جواباً کہا تھا۔

مانہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندیے، دنیا جہاں سے بے خبر نیند کی وادیوں میں گم تھی کہ اچانک اسے ایک جھٹکے کا احساس ہوا اور وہ ہڑبڑاتی ہوئی سیدھی ہو بیٹھی۔

''اٹھ جاؤ یار! تمہارا نمبر ہے، اوہ مائے گاڈ کیا پرسنالٹی ہے الحان ابراہیم، You are going to love him۔'' مسکان خاصی ایکسائیٹڈ دیکھائی دے رہی تھی۔

مانہ نیند سے بوجھل پلکیں جھپکاتی اردگرد کا جائزہ لینے لگی تھی، آس پاس کی تمام لڑکیوں کی گھورتی نگاہوں میں اس نے خود کے لئے ناپسندیدگی واضح طور پر محسوس کرلی تھی۔

''مانہ آپ میرے ساتھ آجایئے۔'' ایک چالیس سالہ سوبر سی خاتون، جو اپنے گلے میں فاطمہ کا نیم ٹیگ پہنے، مسکان کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی، مانہ کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت دھیمے لہجے میں بولی، مانہ جواباً اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہارے بال خراب ہو رہے ہیں۔'' مسکان نے اس کے بکھرے بالوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی، ان خاتون کے تعاقب میں چلتی، الحان کے روم کے دروازے تک آن پہنچی، فاطمہ نے دروازے تک پہنچتے ہی ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر جانے کو کہا تھا، وہ اک سرسری سی نگاہ فاطمہ پر دوڑاتی بنا دستک کیے، دروازے کا ہینڈل گھماتی اندر داخل ہوگئی۔

''ہیلو مانہ!'' الحان نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھ، لبوں پر خوبصورت مسکان سجائے شیریں لہجہ میں اسے مخاطب کیا تھا۔

مانہ بنا جواب دیئے کیمرہ مین پر نگاہیں دوڑاتی ایک لیدر صوفہ پر بڑے غرور سے براجمان پولو بلیک شرٹ سلیو کو فولڈ کیے، اپنی ہی جانب گھورتے اس شخص کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''میں کہاں بیٹھوں؟'' چھوٹے سے خوبصورت روم میں نظریں دوڑاتی وہ نہایت ہی روکھے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''اوہ آئی ایم سوری، پلیز بیٹھیے۔'' الحان نے معذرت طلب نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے، اپنے سامنے رکھی چھوٹی سی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اجازت ملتے ہی وہ جھٹ سامنے پڑی کرسی پر براجمان ہوگئی، صوفہ کی پشت سے ٹیک لگاتا، وہ اپنے سامنے بیٹھی اس نمونہ لڑکی کا سرتا پا جائزہ لینے لگا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ نظر کا چشمہ بھی لگاتی ہیں؟''

''نظر کا چشمہ پہننا کوئی گناہ تو نہیں۔'' وہ اپنے ہٹیلے انداز میں جواباً بولی، الحان ایک دم مسکرا دیا۔

''نہیں نہیں میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا، میں نے صرف اس لئے پوچھا، کیونکہ انٹرویو وڈیو میں آپ نے یہ چشمہ نہیں پہن رکھا تھا۔'' وہ پوچھتے ہوئے ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

''کیونکہ تیم نے مجھ سے میرا چشمہ چھین لیا تھا۔'' روکھے انداز میں جواب دیتی وہ نظریں گھما کر پورے کمرے کا جائزہ لینے لگی، الحان ایک بار پھر سے صوفہ کی پشت سے ٹیک لگا بیٹھا تھا، مانہ ایک ہی نظر میں پورے کمرے کا جائزہ لے لینا چاہتی تھی بہ آخر اسے اس کمرے کی ڈیٹیل اپنے ناول میں جو لکھنی تھی۔

''اس نمونے کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے یہ محترمہ اس شو میں رہنے کے لئے انٹرسٹڈ ہی نہیں۔'' بغور اس کا جائزہ لیتا، وہ دل ہی دل میں ہم کلام ہوا تھا، سچ ہی تو سوچا تھا اس نے، وہ کہاں رہنا چاہتی تھی اس شو میں، اسے تو واپس گھر لوٹنے کی جلدی تھی۔

الحان ایک لمحہ کے لئے لاجواب ہو بیٹھا تھا، یہ زندگی میں پہلی بار تھا کہ وہ کسی لڑکی سے بات کرتے ہوئے جھجک رہا تھا، چند ثانیے کی خاموشی کے بعد بالآخر وہ گلہ کھنگارتے ہوئے اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا، اگلے ہی پل مانہ اس کی جانب دیکھنے لگی، کس قدر خوبصورت آنکھیں تھیں اس کی، الحان نے محسوس کیا، لیکن وہ موٹے شیشوں والا کالا چشمہ کس قدر بدنما لگ رہا تھ، الحان کا دل چاہا کہ وہ اس کا چشمہ کھینچ کر اپنے ہاتھوں میں جکڑ کر توڑ ڈالے اور پھر براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس سے بات کرے، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی خوبصورت آنکھیں، باہر بیٹھیں باقی تمام لڑکیوں سے بالکل مختلف اور نہایت ہی خوبصورت تھیں، لیکن باہر بیٹھیں تمام لڑکیوں کی طرح اس کی آنکھوں میں الحان کے لئے پسندیدگی ہرگز نہ تھی، اسے تعجب ہوا۔

''So,۔'' الحان نے ایک بار پھر سے گلہ کھنگارا۔

''جی؟''

''آپ لکھاری ہیں، رائٹر؟''

''لیس!''

''کیا لکھتی ہیں آپ؟''

''ناولز؟''

''کیرئر ٹو شیئر؟''

''نو۔'' نہایت ہی بے رخی سے جواب دیا گیا، الحان اک لمحہ کو حیران ہوا اور اگلے ہی پل دھیمے سے مسکرادیا۔

''ہوں، ویل کوئی بات نہیں۔'' اس نے لمبی سانس کھینچی اور ایک بار پھر سے مخاطب ہوا۔

''ہمارے پاس کافی ٹائم ہے، اک دوجے کو جاننے کے لئے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''یہ شو کب تک چلنے والا ہے؟ دو سے تین ماہ تک؟ رائٹ، سو ہمارے پاس کافی ٹائم ہے، انفیکٹ میرے پاس کافی ٹائم ہے، آپ کے اس سیکریٹ کام کے بارے میں جاننے کے لئے۔''

''آپ مجھے ٹاپ پندرہ میں رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، رائٹ۔'' نجانے وہ پوچھ رہی تھی یا باور کرارہی تھی، وہ سمجھا نہیں، دھیمے سے مسکرایا اور اپنے انداز میں پوچھنے لگا۔

''کیوں نہیں؟ آپ کی پرسنالٹی کافی

انٹرسٹنگ ہے۔'' اس کے جواب پر وہ ششدر رہ گئی اور الحان کا دل چاہا کہ وہ دل کھول کر ابھی اسی وقت ایک زور دار قہقہہ لگا دے، بمشکل اس نے خود کو اپنی اس حرکت سے باز رکھا، مانہ کے چہرے کے تاثرات واضح طور پر بدلتے دیکھائی دیئے تھے، اسی پل مانہ نے کیمرہ مین کی جانب دیکھتے ہی اپنا سر تھوڑا آگے بڑھایا اور اشارے سے اسے بھی تھوڑا آگے جھکنے کو کہا، تجسس کے عالم میں وہ اس کی جانب دیکھتا، تھوڑا آگے جھک بیٹھا، اتنا کہ ان دونوں کے سروں کے درمیان صرف ایک انچ کا فاصلہ رہ گیا۔

''دیکھئے۔'' مانہ نے سرگوشی کی۔

''میں اس شو میں ہرگز نہیں رہنا چاہتی اوکے؟''

''آئی تھنک میں اس بات کا اندازہ بہت پہلے سے ہی لگا چکا ہوں!'' جواباً وہ بھی سرگوشی کرتا اثبات میں سر ہلانے لگا، اس کے گہرے کالے گھنے بال، مانہ کی پیشانی سے ٹکرانے لگے تھے۔

''اور میں آپ کے اس فیصلے کو یقیناً داد دوں گی اگر آپ آج مجھے ایلیمینیٹ کر کے گھر واپس بھیج دیں گے۔'' وہ جلدی سے مگر سرگوشیانہ انداز میں ہی بولی۔

''What؟'' وہ ششدر ہی تو رہ گیا تھا۔

''مجھے ایلیمینیٹ کر کے گھر واپس بھیج دیں۔'' اس نے سرگوشی میں ہی اپنی بات واپس دہرائی۔

''اور میں ایسا کیوں کروں گا؟'' سرگوشی میں بولتا وہ اپنا سر اٹھا کر اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا، مانہ اک جھٹکے سے پیچھے ہوئی، جب اس کی ناک الحان کے ناک سے ٹکرائی، کیمرہ مین جو کان لگائے ان کی گفتگو سننے کی کوشش میں لگا تھا، اک جھٹکے سے سیدھا ہو کر کھڑا ہوا، لمبی سانس کھینچتی وہ ایک بار پھر سے آگے جھک کر سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''مجھے کل ایک بہت ضروری کام سے کہیں جانا ہے اور میں وہاں جانا کسی بھی صورت مس نہیں کرنا چاہتی۔'' اپنی بات مکمل کرتی وہ ایک بار پھر سے سیدھی ہو بیٹھی تھی، الحان بھی سیدھا ہوا، تقریباً آدھے منٹ تک وہ صوفہ کی پشت سے ٹیک لگائے اس کی ریکوئسٹ پر غور کرنے لگا تھا۔

''اگر آپ ایسا کریں گے تو یقیناً اس میں آپ کا یا کسی اور کا بھی کوئی نقصان نہیں۔'' اس بار وہ نارمل انداز میں بولی۔

''یو آر رائٹ!'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا، اس کا جواب سنتے ہی مانہ زیر لب مسکرانے لگی، کس قدر خوبصورت مسکراہٹ تھی اس کی، وہ اک لمحہ کے لئے اس کی مسکراہٹ میں کہیں کھو سا گیا تھا، گہری خاموشی سے وہ اس کے خوبصورت چہرے کا طواف کرنے لگا تھا، وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس قدر خوبصورت ہے، مگر وہ ایسا کر نہیں پا رہا تھا، الحان اسے ایلیمینیٹ ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر مانہ بضد تھی۔

''اوکے، میں دیکھتا ہوں، آپ کے لئے کوئی راستہ۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتا سنجیدگی سے گویا ہوا تھا، مانہ کے لبوں پر بجی مسکان، مزید پھیلتی دیکھائی دی تھی، وہ بے انتہا خوش دیکھائی دے رہی تھی، آخرکار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئی تھی، بس اسے اب الحان کے فیصلے کا انتظار تھا اور پھر شو کے بعد عاشر زمان کے وعدے کے مطابق ٹی وی سیریل لکھنے کا انتظار، وہ دمکتے چہرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو۔'' اس کے اچانک کھڑے ہونے پر پہلے وہ حیران ہوا اور پھر دھیمے سے مسکرا کر گویا ہوا۔

''تھینکس فور یور ٹائم مانو!''

''ڈونٹ کال می مانو!'' اس کے چہرے کی مسکان اک دم روکھے لہجے میں بدل گئی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے یہ نام بالکل پسند نہیں۔''

''بٹ آئی لائک اٹ، بائے مانو! سی یو سون۔'' اس نے ایک ترنگ سے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا، مانہ لب بھینچتی اسے گھور کر رہ گئی اور پھر بنا کچھ کہے نہایت خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی اک خوبصورت شرارتی مسکراہٹ الحان کے لبوں پر رقص کرتی دیکھائی دی تھی۔

مانہ وہ پہلی لڑکی تھی جو الحان ابراہیم کی پرسنالٹی سے امپریس ہرگز نہ ہوئی تھی اور تو اور وہ یہ شو چھوڑ جانے پر بھی بضد تھی، الحان اس کی اس فرمائش پر اب سنجیدگی سے غور کرتا دیکھائی دیا تھا۔

☆☆☆

روم سے باہر نکلتے ہی آشلے کی نفرت بھری نگاہوں نے اس کا استقبال کیا تھا، مانہ اسے اگنور کرتی آگے کی جانب بڑھنے لگی تھی کہ اس مغرور آشلے کی زہر خند آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''یہ لڑکی نجانے کیا سوچ کر اس شو میں چلی آئی، ہونہہ، مجھے پورا یقین ہے کہ الحان اسے آج ہی اس شو سے کک آؤٹ کر دے گا۔'' آشلے انگلش میں اپنے ساتھ بیٹھی برٹش لڑکی سے مخاطب تھی۔

مانہ نے پلٹ کر اس لڑکی کو منہ توڑ جواب دینا ضروری نہ سمجھا تھا، وہ یہاں کسی سے الجھنے نہیں آئی تھی، انفیکٹ اسے پرواہ ہی نہیں تھی کہ یہاں موجود لوگ اسے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، اسے بس اپنے کام سے مطلب تھا اور وہ چپ چاپ اپنے کام سے کام رکھ رہی تھی۔

''کیسی رہی ملاقات؟'' مسکان نے اس کے واپس آتے ہی پوچھا۔

''ویسی ہی، جیسی مجھے امید تھی۔'' اس نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا شاندار پرسنالٹی ہے ناں الحان ابراہیم؟''

مسکان کی ایکسائیٹمنٹ پر وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''میں بہت ایکسائیٹڈ ہوں الحان کے پرائیویٹ آئس لینڈ کو دیکھنے کے لئے، کتنا مزہ آنے والا ہے مانہ۔''

''ہوں۔'' وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موند گئی تھی، اسے پرواہ نہ تھی کہ الحان کا پرائیویٹ آئس لینڈ کہاں پر واقع ہے، وہاں پر پہنچ کر کیا کیا فن ہونے والا ہے، اسے بس پرواہ تھی تو اپنی جاب کی وہ بس اتنا جانتی تھی کہ آج وہ اسی طیارے میں واپس اپنے گھر لوٹ جانے والی ہے۔

☆☆☆

جہاز کی لینڈنگ ایک چھوٹے سے آئس لینڈ پر ہوئی تھی، شو کی تمام ٹیم وہاں کھڑی بس پر سوار ہو کر ڈاکنگ سائٹ کی جانب روانہ ہو گئی تھی جہاں ایک بڑی سی یاٹ انہیں الحان ابراہیم کے پرائیویٹ آئس لینڈ پر لے جانے کے لئے انتظار کر رہی تھی۔

یاٹ پر سوار ہوتے ہی تمام لڑکیوں نے الحان کو اپنے گھیراؤ میں لے لیا تھا، مانہ ان سب سے دور کھڑی یاٹ سے دور دور کے نظارے کرتی دیکھائی دے رہی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

''تم ان لوگوں کو جوائن نہیں کرو گی؟'' مس فاطمہ نے اس کے نزدیک آتے ہی پوچھا تھا، وہ جو نظارے کرنے میں مگن تھی، اک سرسری سی نگاہ اس پورے گروپ پر دوڑاتی اپنے انداز میں گویا ہوئی۔

''نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''اوکے، کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہہ دینا۔''

''شیور۔''

مس فاطمہ جا چکی تھیں، اب وہ ایک بار پھر سے اپنے ناول میں لکھنے کے لئے اس لوکیشن کو ذہن نشین کرنے لگی تھی۔

الحان ان تمام لڑکیوں میں گھرا ان سب کی اٹینشن انجوائے کرتا دکھائی دے رہا تھا۔

''سو، الحان ہم لوگ اب کہاں جانے والے ہیں؟'' آشلے نے اک ادا سے پوچھا، الحان پسندیدگی کی نگاہ سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے ہی انداز میں گویا ہوا تھا۔

''یہ ایک سیکریٹ جگہ ہے لیڈیز، آئی ایم سوری، میں ایگزیکٹ لوکیشن کسی سے شیئر نہیں کر سکتا، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری یہ سیکریٹ جگہ پوری دنیا کو معلوم ہو جائے۔'' اس نے شریر لہجے میں کہتے ہی ایک آنکھ دبائی تھی۔

''اگر یہ لوکیشن کسی کو معلوم پڑ گئی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی آ کر تم سب کو مجھ سے چھین کر بھاگ جائے۔'' اس نے تھوڑا جھک کر سرگوشیانہ انداز میں کہا، جواباً تمام لڑکیوں کی چنچل سی ہنسی اس کی سماعت سے ٹکرائی، الحان ان سب کی ہنسی انجوائے کرتا، جوس کا سپ لیتے ہوئے گلاس میں سے ہی دور کھڑی اس نمونہ لڑکی کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

''یہ جو کچھ بھی تم کر رہی ہو، ان سب کے پیچھے مقصد کیا ہے تمہارا؟'' وہ جو خوبصورت نظاروں کو ذہن نشین کرنے میں گم تھی، عقب سے ابھرتی طنزیہ آواز سماعت سے ٹکراتے ہی پلٹی، آشلے ایک ادا سے کھڑی، نفرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں، تم کس بارے میں بات کر رہی ہو؟'' وہ واقعی حیران تھی۔

''تم جان بوجھ کر خود کو اس طرح تن تنہا اور اکیلا ظاہر کر کے الحان ابراہیم کی تمام تر توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کر رہی ہو۔'' آشلے کی نگاہوں میں نفرت اور لفظوں سے ٹپکتا زہر، واضح طور پر عیاں تھا، ایک طنزیہ مسکراہٹ، اپنے آپ مانہ کے خوبصورت گلابی لبوں پر پھیلتی ہی چلی گئی۔

''Yeah! تمہیں جو سوچنا ہے سوچو، جو سمجھنا ہے سمجھو، مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی سمجھتی ہو، اس لئے پلیز، اپنی یہ اکڑ اپنے تک ہی رکھو تو زیادہ بہتر ہے۔'' جواباً آشلے ایک لمبی سانس کھینچتی، اپنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں مزید پھیلاتے ہوئے بولی۔

''تم کچھ بھی کر لو، تمہیں آج روز کسی صورت نہیں ملنے والا اور مجھے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ آخر کیا سوچ کر تم اس شو میں چلی آئی اور تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب کر کے تمہارے اس شو میں ٹکے رہنے کے چانسز بھی ہیں واؤ! داد دینی پڑے گی تمہاری ہمت کی۔''

''اوہ مجھے لگتا ہے کہ میں ایک رئیلٹی شو میں جانے کے بجائے، غلطی سے کسی رن وے پروجیکٹ کا حصہ بننے چلی آئی ہوں اوہ مائے گاڈ!'' مانہ کا تضحیک کا نے کا انداز آشلے کو اچھا خاصا سبق سکھا چکا تھا، تبھی وہ وہ اپنے غصے کو

کنٹرول کیے گھورتی نگاہوں سے مانہ کو دیکھتی لمبے لمبے سانس لے کر خود پر قابو پانے لگی تھی۔

''اب تم جا سکتی ہو، اور ہاں...... مجھے وزٹ کرنے کے لئے تمہارا بہت بہت شکریہ۔'' اپنے ہی انداز میں بولتی مانہ ایک بار پھر سے پلٹ کر ان خوبصورت نظاروں کو ذہن نشین کرنے میں مصروف ہو گئی تھی، آشلے جس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ غصے میں نجانے کیا کر ڈالے، خود پر کنٹرول کرنے کے باوجود اپنے زہر خند لہجے میں گویا ہوئی۔

''تم جیسی لڑکیاں زندگی میں کامیابی حاصل کیوں نہیں کر پاتیں، مجھے اندازہ ہو گیا ہے، مجھے ہرگز تعجب نہیں، کہ کیوں؟'' وہ جاتے جاتے بھی زہر اگل گئی تھی، مانہ نے پلٹ کر اسے جواب دینا ضروری ہرگز نہ سمجھا تھا، وہ اب مزید اس سے الجھنا نہیں چاہتی تھی، اسے بس اپنے کام سے غرض تھا اور وہ وہی کر رہی تھی۔

☆☆☆

یاٹ زور و شور سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی، ہر طرف پانی ہی پانی تھا، نیلا، شفاف، گہرا گہرا پانی، پانی کے اوپر وسیع نیلا آسمان اور نیلے آسمان پر سفید سفید بادل اٹھکیلیاں کرتے دکھائی دے رہے تھے، اس گہرے نیلے پانی پر دور سے ہی ایک خوبصورت جزیرہ ابھرتا دکھائی دیا تھا، جوں جوں یاٹ جزیرے کے قریب تر پہنچتی جا رہی تھی، وہ جزیرہ اپنی پوری آب و تاب سے اس یاٹ میں موجود تمام لوگوں کا استقبال کرتا دکھائی دے رہا تھا، نیلے نیلے پانی کی لہریں سفید ریتیلے ساحل کو چھوتیں، اٹھلاتی، بل کھاتیں واپس سمندر کی جانب بڑھ جاتیں، اونچے اونچے درخت پہلی ہی جھلک میں دل موہ لینے کے لئے کافی تھے، ساحل پر پہنچتے ہی تمام حسینائیں اک خواب کی سی کیفیت چہروں پر سجائے بنا پلکیں جھپکائے ٹکٹکی باندھے اس خوبصورت جزیرے کا جائزہ لینے لگی تھیں، جزیرے کی فضا میں اک الگ قسم کی دل موہ لینے والی خوشبو معطر تھی، مانہ آنکھیں موندے ایک لمبا سانس کھینچتی اس دل موہ لینے والی فضا کو اپنے اندر جذب کرنے لگی تھی، وہ جزیرہ اسے اس دنیا سے بالکل جدا سا لگ رہا تھا، ایسے جیسے جنت کا اک ٹکڑا سمندر کے بیچ و بیچ آن کھڑا ہو، اگلے ہی پل سبزہ زاروں سے بھرپور خوبصورت ڈیکوریٹڈ جزیرہ چہکتی آوازوں سے گونج اٹھا تھا، کچھ دور چلتے ہی ایک بڑے سے خوبصورت تراشیدہ لکڑی سے بنے محل نے ان تمام لوگوں کا استقبال کیا تھا، عاشر زمان اپنی تمام ٹیم سمیت پہلے سے ہی وہاں پر موجود تھا۔

''لیڈیز!''

خوبصورت ڈیکوریٹڈ سیٹنگ ایریا میں پہنچتے ہی شو کے ہوسٹ خرم نے اپنے پرجوش انداز میں تمام حسیناؤں کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا، اردگرد نظارہ کرتیں تمام حسینائیں اب کے براہ راست خرم کی جانب دیکھنے لگی تھیں، تمام کیمراز حسیناؤں خرم اور خرم کے ساتھ کھڑے الحان کو فوکس کیے ہوئے تھے۔

''آپ تمام حسیناؤں کے سوٹ کیسز آپ کے حوالے کرنے سے پہلے ہمیں ایک کام کرنا ہے اور یہ مشکل کام ہو سب نہیں، بلکہ صرف اور صرف الحان ابراہیم کو کرنا ہے۔'' خرم نے مسکراتے ہوئے الحان کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''ٹاپ پندرہ کی سلیکشن کے لئے الحان اس ٹیبل پر رکھے پندرہ وائٹ روزز پک کریں گے اور ون بائے ون ان لکی ٹاپ پندرہ لیڈیز کا نام پکاریں گے، یہ روز ملتے ہی ان تمام لکی ٹاپ پندرہ

لیڈیز کو چانس ملے گا، لیکن صرف ہماری اگلی ایلیمینیشن تک بس۔" تمام لڑکیاں منہ لٹکائے کھڑی تھیں، خرم ان تمام لیڈیز کا ری ایکشن دیکھتے ہی دھیمے سے مسکرا کر ایک بار پھر سے گویا ہوا تھا۔

"الحان! کیا تم تیار ہو، اس مشکل فیصلے کے لیے؟" خرم شرارت پر آمادہ تھا۔

"No!" الحان بجھی بجھی مسکراہٹ لبوں پر سجائے دھیمے سے گویا ہوا تھا، مانہ، الحان کے انداز پر منہ چڑا کر رہ گئی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ الحان یہ سب صرف اور صرف کیمراز کے لیے کر رہا ہے، ہاں وہ ایکٹنگ ہی تو کر رہا تھا۔

"لیکن میرے پاس اور کوئی چوائس بھی تو نہیں ہے۔"

کیا خوب ایکٹنگ کر رہا تھا، وہ خود اپنی ایکٹنگ سے متاثر ہونے لگا تھا۔

"تھوڑا ڈر لگ رہا ہے۔" اپنی بات مکمل کرتا وہ نظریں اٹھا کر سامنے کھڑیں تمام پچیس حسیناؤں کی جانب دیکھنے لگا تھا، ایک ایک کر کے تمام لڑکیوں پر نظر دوڑاتا آخر میں وہ سب سے اینڈ پر کھڑی مانہ کی جانب دیکھتے ہی ایک الگ انداز میں مسکرا دیا تھا، اس کی اس مسکراہٹ میں اک شرارت سی چھپی تھی۔

"گڈ لک لیڈیز!" خرم ہاتھ کے اشارے سے گڈ لک کہتا کیمراز کے پیچھے چھوٹی سی سکرین کے سامنے بیٹھے عاشر زمان کے عقب میں جا کھڑا ہوا تھا، تمام کیمراز اب کے الحان ابراہیم پر فوکس دکھائی دے رہے تھے۔

"میں آپ تمام لیڈیز سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ آج مجھے آپ سب کے ساتھ وقت گزار کر بہت اچھا لگا، لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ تمام لیڈیز میں سے صرف پندرہ لیڈیز کو ہی مجھے سلیکٹ کرنا ہے، یقیناً آپ سب بہت اچھی نیچر اور ویل پرسنالٹی کی مالکہ ہیں، بٹ آئی ایم رئیلی سوری۔"

تمام لیڈیز کے چہرے واضح طور پر مرجھائے دکھائی دے رہے تھے، بس ایک مانہ تھی جو بالکل نارمل کھڑی کیمرہ کے پیچھے ہوتی سب حرکات کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیتی دکھائی دے رہی تھی، وہ خوش بھی تھی، آخر کار اس آخری مرحلے کے بعد اس کی اس سٹوپڈ شو سے جان چھوٹ جانے والی تھی۔

الحان نے سامنے رکھی ٹیبل پر سے ایک وائٹ روز اٹھایا اور اگلے پل آشلے کا نام پکار ڈالا تھا۔

اپنا نام سماعت سے ٹکراتے ہی آشلے نے خوشی کی اک لمبی سانس کھینچی اور بڑے پراؤڈ سے چلتی الحان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"I,m hoping to know you better" سفید گلاب آشلے کی جانب بڑھاتے ہی وہ اپنے انداز میں گویا ہوا تھا۔

"تھینک یو!" آشلے گلاب پکڑتی ممنون نگاہوں سے اس کا شکریہ ادا کرتی تمام لڑکیوں سے دور الحان کی دوسری جانب جا کھڑی ہوئی، اگلا گلاب اٹھاتے ہی اس نے سحر کا نام پکار ڈالا، وہ بھی خوشی سے اچھلتی گلاب پکڑتی آشلے کے برابر جا کھڑی ہوئی تھی، ایک کے بعد ایک تیرہ لڑکیوں کے نام پکارے گئے، یہ مرحلہ کافی دیر تک چلتا رہا تھا، کھڑے کھڑے مانہ کے پاؤں درد کرنے لگے تھے، وہ بے چینی کے عالم میں کبھی ایک ٹانگ کے سہارے کھڑی ہوتی تو کبھی دوسری، اب کے آخری مراحل میں وہ بالکل سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی تھی، دو روز باقی رہ چکے تھے، مانہ بے چینی سے یہ مرحلہ ختم ہونے کا انتظار

کر رہی تھی، الحان نے سیکنڈ لاسٹ روز اٹھاتے ہی مسکان کا نام پکارا تھا، اپنا نام پکارے جانے پر خوشی کی اک لہر واضح طور پر مسکان کے چہرے پر دوڑتی دکھائی دی تھی، گلاب تھامتی وہ بھی سلیکٹ کی جانے والی تمام لڑکیوں کے برابر جا کھڑی ہوئی۔

آخری گلاب اٹھاتے ہی الحان نے سامنے کھڑی گیارہ لڑکیوں کی جانب اک خاموش نگاہ دوڑائی، سلیکٹ نہ کی جانے والی دس لڑکیاں منہ بسورے کھڑی تھیں، گیارہویں لڑکی مانہ تھی، اسے اس بات کی جلدی تھی کہ الحان اپنا آخری گلاب ان دس لڑکیوں میں سے کسی کو تھما کر جلدی سے اسے اس شو سے نجات دے ڈالے، الحان چند ثانیے خاموش کھڑا ان گیارہ لڑکیوں کی جانب دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس لیتے ہی اس نے وہ نام لے ڈالا جس نام کی وہاں موجود تمام لوگوں میں سے شاید کسی کو بھی توقع ہرگز نہ تھی۔

"مانہ!" اسے اک دھچکا سا لگا، اسے لگا کہ جیسے اس کی سماعت نے دھوکہ کھایا ہے، وہ بے یقینی کے عالم میں آئی بروا چکا کر رہ گئی، اسے تو گھر جانے کی جلدی تھی، لیکن وہ اب براہ راست الحان کی جانب دیکھنے لگی تھی، جو اسی کی جانب دیکھتے ہوئے شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"نہیں۔" وہ مکمل طور پر صدمے سے دوچار تھی۔

"میں انکار کر سکتی ہوں۔" لیکن نہیں، وہ انکار نہیں کر سکتی تھی، عاشر زمان سے کیا گیا کانٹریکٹ اسے اچھے سے یاد تھا، سراسیمہ حیران کھڑی وہ کیمراز کے پیچھے بیٹھے عاشر زمان کی جانب دیکھنے لگی، عاشر زمان خود حیران دکھائی دے رہا تھا، مانہ کو اپنی جانب دیکھتے ہی عاشر نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کندھے اچکا ڈالے تھے۔

وہ انکار نہیں کر سکتی تھی، اگری منٹ کے دوران عاشر نے واضح طور پر اس شو کا رول اسے اچھے سے سمجھا دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ جب تک الحان خود اسے ایلیمینیٹ نہیں کرتا وہ شو چھوڑ کر جانے اور گلاب لینے سے انکار ہرگز نہیں کر سکتی۔

نڈھال قدموں سے چلتی وہ الحان کے سامنے جا کھڑی ہوئی، شریر مسکان لبوں پر سجائے وہ گلاب تھامے مانہ ہی کی جانب دیکھ رہا تھا، کھا جانے والی نظروں سے اس کی جانب دیکھتی اس کے ہاتھوں سے گلاب کھینچتی وہ سلیکٹ کی جانے والی چودہ لڑکیوں کے بیچ جا کھڑی ہوئی، کتنا غصہ، کتنی نفرت تھی ان آنکھوں میں، الحان نے واضح طور پر محسوس کیا تھا اور پھر آندھی طوفان کی سی تیزی سے اس کا پھول کھینچ کر سلیکٹ کی جانے والی لڑکیوں میں جا کھڑا ہونا بھی الحان نے واضح طور پر محسوس کیا تھا، خرم ایک بار پھر سے آن وارد ہوا تھا، کیمراز جب تمام پندرہ سلیکٹ کی جانے والی لڑکیوں سے ہٹ کر خرم کو فوکس کرنے لگے تو موقع سے فائدہ اٹھاتی وہ بجلی کی سی تیزی سے مڑی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی، شدید غصے کے عالم میں وہ دوڑتی ہوئی نجانے کہاں جا رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" فاطمہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی مگر وہ سنی ان سنی کرتی دوڑتی چلی گئی۔

(باقی آئندہ ماہ)

تمثیلہ زاہد

ناولٹ

رات کا پچھلا پہر تھا، باغیچے کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں چاند کے گرد بے شمار ستارے ٹمٹما رہے تھے، اس نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف ایسے اٹھایا جیسے چاند کو چھونے لگی ہے، حالانکہ اسے چاند کو پالینے کی خواہش تو نہ تھی۔

ہوا جھوم جھوم کر اس کے بالوں کی لٹوں کو چوم رہی تھی، پھولوں کی مہک ہوا کے ذریعے اس کے چہرے اور جسم کو چھو کر معطر کر رہی تھی، اس کا تن من سرشار ہوگیا، رات کی رانی کی مہک نے ماحول کو پرسوز کر دیا تھا، آہ...... اس کے لب سسک اٹھے، اس نے اپنا ہونٹ دانتوں تلے بے دردی سے مسل ڈالا تھا، کبھی یہ منظر اس کی کمزوری تھے لیکن اب...... ان میں اسے دلچسپی نہ رہی۔

''یہ رامین کہاں ہے کب سے ڈھونڈ رہی ہوں۔'' وہ اپنی سوچوں میں گم تخیل کے نہ جانے کون سے سفر پر گامزن تھی کہ عقب سے مہک کی آواز پر چونک سی گئی۔

''معلوم نہیں۔'' اس نے مہک پر ایک نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر جواب دیا۔

''تمہیں اپنی خبر نہیں کسی اور کی کہاں ہوگی، میں بھی کس سے سوال کر بیٹھی۔'' وہ تنک کر اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولی، مخصوص انداز سے گردن ہلائی اور پلٹ گئی، کمرے میں اب خاموشی تھی اور خاموشی کی گود میں بیٹھی نور۔

☆☆☆

''نور! بیٹا کھانا کھالیا۔'' وہ کمرے میں داخل ہو کر بولیں، نور کھڑکی میں کھڑی یک ٹک چاند کو گھور رہی تھی۔

''امی آپ نے میرا نام نور کیوں رکھا؟'' وہ کئی بار کا سوچا سوال دماغ سے زبان تک لاتے تلخی سے بولی جسے سن کر ماں کا دل یک دم دھڑکا تھا۔

''تم میری ایک ہی اولاد ہو بیٹا، شادی کے پانچ برس بعد اللہ نے تمہیں ہماری جھولی میں ڈالا تھا، ہماری زندگی میں روشنی بن کر آئیں۔'' وہ مسکرائیں۔

''لیکن میرے آنے کے چند دن بعد ہی ابو کی موت حادثے میں ہوگئی تھی، آپ کی زندگی کی روشنی تو اندھیرے میں بدل گئی ہوگی نہ۔'' اس کی آنکھیں نم تھیں۔

''بیٹا وہ ایک حادثہ تھا جو میری زندگی میں آنا ہی تھا تمہارے ابو بہت جلدی میرا ساتھ چھوڑ گئے لیکن شکر اللہ کا زندگی میں اندھیرا ہی اندھیرا نہ تھا، تم تھی نہ روشنی، میں اسی میں خوش تھی۔'' وہ ماضی کی باتیں ذہن کی اسکرین پہ دہراتے ہوئے بول رہی تھیں، ماضی کی باتیں دہراتے ان کے وجود نے نہ جانے کتنی سرد لہروں کو رگوں میں اترتا محسوس کیا تھا، لمحہ لمحہ اذیت بنتا وہ پل وہ بھلا کب فراموش کرتیں، ان کی گود میں معصوم سی نور نے اندھیری کوٹھری میں روشنی کی ایک کرن بن کر جینے کا پھر حوصلہ دیا تھا، آنکھیں تھیں کہ نم ہو گئیں

''امی کیا میں آپ کی واقعی نور ہوں، روشنی۔'' وہ پھر بولی۔

''ہاں۔'' وہ اس کی بے یقینی پر حیران تھی اچانک یہ سوال کیوں؟

''لیکن لوگ......تو...... کہتے ہیں میں...... منحوس۔'' اس نے کرب سے جملہ چھوڑا۔

''ایسا کس نے کہا تم سے نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے۔'' وہ اسے خود میں سمیٹتے ہوئے بولیں۔

''امی میری ایک بات مانیں گی؟'' وہ ممتا کی چھاؤں ہی تھی ہولے سے بولی۔

''ہاں بولو تمہاری کوئی بات بھلا میں نے کب ٹالی ہے۔'' وسوسوں میں ڈوبا لہجہ ماں کو کسی انہونی کے ہونے کی خبر دے رہا تھا، نور کے جملے نے اسے ماضی میں دھکیلا تھا۔

''آپ نبیل کے گھر والوں کو منع کر دیں۔'' وہ کچھ دیر کی خاموشی توڑتے ہوئے بولی۔

''تمہارا نکاح ہوا ہے منگنی نہیں جو توڑ دیں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا، تم کس وہم کو دل میں جگہ نہ دو، اللہ سب بہتر کرے گا میں تمہارے لئے کھانا لاتی ہوں، کھا کے سو جاؤ، صبح یونیورسٹی جانا ہے۔'' وہ اسے پیار سے بچکار رہی تھیں، لیکن نور خود پر گرنے والی برف کی موٹی بوندوں کو مصلحتوں کی چھت تلے نہیں بچا پا رہی تھی، وہ تنہا بے شمار سوچوں، اندیشوں کے درمیان تھی، کیسے خود کو بچاتی، اپنے آپ کو محترم رکھنے کے لئے کسی دیوار کا سہارا ضروری تھا اس کی واحد دیوار اس کی ماں تھی جو خود کمزور بے بس تھی۔

☆☆☆

''ایم ایس سی کے بعد کیا سوچا ہے، کیا آگے پڑھنے کا ارادہ ہے۔'' رامین اسے نوٹس بناتا دیکھ کر وہیں بیٹھ گئی، مونگ پھلی کے نمکین دانے پھانکتے ہوئے وہ بے پرواہی سے بولا۔

''معلوم نہیں۔'' اس کا قلم لمحے بھر کو رکا، پھر سے چلنے لگا تھا۔

''میں سوچ رہی ہوں بی اے کے بعد گھر بیٹھ کر مزے سے ٹی وی دیکھوں گی، پڑھ لکھ کر کرنا کیا ہے وہی چولہا ہانڈی۔'' اس نے مٹھی میں دبے دانے اس کی طرف بڑھائے۔

''پہلے بی اے تو کر لو پھر ایم اے کا سوچنا یہ دوسری بار سپلی آئی ہے تمہاری پڑھائی لکھائی میں دلچسپی لو گی تو کچھ ہوگا نا، سارا سارا دن ٹی وی کے سوپ ڈراموں نے تمہیں پڑھائی سے دور کر رہا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ویسے ٹی وی دیکھنے کے یہی دن ہیں یار بعد میں میاں بچے ساس سسر، نند بھاوج کی تو تو میں میں۔'' وہ کوفت زدہ لہجے میں بولی۔

''امی کہہ رہی ہیں دونوں کی میٹنگ ختم ہو گئی ہو تو شام کی چائے کا پانی چڑھا دو، رامین تمہاری باری ہے نہ آج چائے بنانے کی۔'' مہک کا مخصوص تیکھا انداز تھا رامین نے اپنا سر ہلانے میں ہی عافیت جانی۔

''چلو اٹھو پھر اس سے پہلے کہ امی ناراض ہو جائیں۔'' وہ کہہ کر جا چکی تھی۔

''چلو آؤ میں تمہاری کچھ مدد کر دوں تائی امی صرف چائے تو نہیں پئیں گی ساتھ انہیں کچھ لوازمات کھانے کی بھی عادت ہے۔'' نور اس کی لاپرواہ اور سست طبیعت سے واقف تھی، اس نے اپنا قلم بند کر کے نوٹس سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے، دونوں کچن کی جانب چل دیں، رامین نے گہرا سانس لیا تھا، اکیلے چائے بنانے کی عادت جو نہ تھی۔

''ویسے نبیل بھائی خوش قسمت ہیں۔'' رامین چائے میں پتی ڈالتے ہوئے بولی۔

''کیوں؟'' وہ قیمے کے سموسے تل کر پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

''اتنے مزے مزے کے کھانے بناتی ہو، اللہ نے تمہارے ہاتھ میں ذائقہ بھی دیا ہے وہ تو گرویدہ ہو جائیں گے۔'' وہ شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''لو دل نے پکارا اور وہ چلے آئے ایک چائے کا کپ مزید رکھ دینا ٹرے میں۔'' مہک کچن بن دونوں کی باتیں سنتے ہوئے داخل ہوئی تھی انداز معنی خیز تھا۔

''کون چلا آیا؟'' رامین چائے میں دودھ ڈال رہی تھی، سوالیہ نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''نبیل......جس کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔'' مہک نے نور کی طرف دیکھ کر معنی خیز نظروں سے دیکھا

تھا، پھر اپنی گول گول آنکھیں گھمانے لگی تو نور کو ذرا اچھا نہ لگا۔

''واہ بھئی نبیل بھائی آئے ہیں پھر تو خوب گپ شپ ہوگی۔'' رامین چہکنے لگی، نبیل بھی اپنی خوش مزاجی کی وجہ سے گھل مل جاتا تھا۔

''تم کیوں کباب میں ہڈی بنتی ہو، وہ تم سے گپ شپ کرنے نہیں آیا۔'' وہ تنکی۔

''مہک تم اپنا منہ بند ہی رکھو، بڑی بہن ہو لحاظ کر رہی ہوں، ہر بات کو، دوسرا رنگ دینے کی عادت ہے تمہاری، نبیل بھائی ہمارے کزن ہیں اور دو چار لوگ جمع ہوں تو انہیں ڈیڑھ انچ کی مسجد بنانے کی عادت نہیں، وہ سب کے ساتھ ہی گھل مل جانے والے انسان ہیں۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بہن کو بولی، مہک بل کھاتی بناء کچھ کہے کچن سے باہر نکل گئی، رامین نور کو دیکھ کر مسکرائی جس کے ماتھے پر بے شمار سلوٹیں تھیں۔

''ڈونٹ وری معلوم ہے نہ زبان کی کڑوی ہے۔''

''چائے حاضر ہے۔'' مہک اور نبیل کو خوش گپیاں کرتے دیکھ کر رامین نے زور سے پکارا، کہ دونوں نے ایک ساتھ چونک کر دیکھا تھا۔

''واہ بھئی سموسے، کباب، پکوڑے آج تو اچھی ہائی ٹی تیار کر دی آپ نے۔'' نبیل جو آفس سے سیدھا آیا تھا، لوازمات دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی اس نے پلیٹ میں سموسے اور کباب ڈال کر کھانا شروع کر دیا۔

''لگتا ہے صبح سے بھوکے ہیں۔'' رامین چیزوں کے ساتھ انصاف کرتے نبیل کو شوخی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''جناب کام والے بندے ہیں اور کام کے وقت کھانے کا ہوش ہی نہیں رہتا آج کچھ کام کی روٹین ایسی رہی کہ لنچ نہیں کر سکا، ایک کام تھا انکل سے، آپ سنایئے گھر کے باقی لوگ کہاں ہیں۔'' اس نے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں۔

''سب ہی تو ہیں باقی ''لوگوں'' میں صرف نور نہیں ہے کچن میں تمہارے ساتھ تو تھی اب کہاں غائب ہے۔'' مہک نزاکت سے چائے کا کپ نبیل کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولی، اس بات سے بے خبر کہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتی نور کے سامنے لان کا سارا منظر عیاں تھا، نبیل کی شوخیاں اور مہک کا اٹھلانا سب ہی نے اس کے وسوسوں کے پردے چاک کر دیئے تھے اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''وہ اپنا اسائنمنٹ تیار کر رہی ہے۔'' رامین بولی جانتی تھی وہ سامنے نہیں آئے گی۔

''اب ایسا بھی کیا اہم کام تھا نبیل آیا ہے چائے پی لیتی سب کے ساتھ اکیلی کمرے میں گھسی ہے، ذرا سمجھایا کرو بیٹی کو کچھ مہمان داری کے طور طریقے ہوتے ہیں۔'' بیٹی کو ایک نظر دیکھ کر وہ تائی اماں، دیورانی سے کاٹ دار لہجے میں بول رہی تھیں، رامین نے ملامتی نظروں سے مہک کو گھورا جو شان بے نیازی سے دوسری جانب دیکھ رہی تھی، نبیل نے ماحول کو بدمزہ دیکھا تو چائے کا کپ خالی کر کے اٹھ کھڑا ہوا، شاید اب یہاں ٹھہرنا بے کار تھا پھر وہ رکا نہیں۔

☆☆☆

نزہت کی شادی کے پانچ سال بعد منتوں مرادوں سے نور پیدا ہوئی جو تین ماہ ہی کی تھی کہ راشد ایک حادثے کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور نزہت نے بیوگی کی چادر اوڑھ لی، اولاد کی صورت میں ملنے والی اس خوشی کو دونوں ساتھ مل کر نہ سمیٹ سکے، نور کی بانہوں میں سمیٹے وہ سسرال کی دہلیز پر آ گئیں جہاں ایک ساس، جیٹھ جیٹھانی اور ان کی دو بیٹیاں مہک اور رامین

تھیں، میکے کے نام پر ایک بھائی تھا جو شادی کے بعد جو یورپ سیٹ ہوا تو پلٹ کر خبر نہ لی، ماں باپ شادی کے سال بعد ہی ایک کے بعد ایک دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، نور کا نام اس کے والد نے خود رکھا تھا، گھر کے سارے معاملات جیٹھ اور جیٹھانی کے سپرد تھے، بھائی کے ساتھ بڑے بھائی اظہر کو قلبی لگاؤ تھا، انہوں نے گھر کا اوپر کا حصہ خالی کر کے ان کے سپرد کر دیا بھائی کا گھر کرائے پر دے کر اس کا کرایہ ہر ماہ باقاعدگی سے پہنچا دیا جاتا تاکہ انہیں گھر میں رہ کر غیریت کا احساس نہ ہو، جب تک ساس زندہ رہیں گھر کے معاملات ان کی نگرانی میں چلتے ان کے جانے کے بعد کل مختار کی مالکہ بیگم اظہر بن گئیں، وہ زبان کی کڑوی تھیں، مزاج کا یہ کڑوا پن ان کی بڑی بیٹی مہک میں بدرجہ اتم موجود تھا، نزہت اپنے کام سے کام رکھتی وہ جیٹھ کی چھت تلے رہ رہی تھیں، مجبور تھیں، اس لئے ہر کڑوی بات درگزر کر جاتیں، نور کو بچپن میں ہی اکلوتی نند فاطمہ نے اپنے بڑے بیٹے نبیل کے لئے مانگ رکھا تھا، بھائی کی نشانی سے فاطمہ کو محبت تھی، نبیل اور فیصل دونوں بیٹے فرمانبردار اور خوش مزاج تھے، فاطمہ دل کی مریضہ تھیں اس لئے ضد کر کے دو سال پہلے نبیل کا نکاح نور سے کر دیا، رخصتی دونوں کی تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد تک موخر کر دی، نزہت خوش تھیں کہ ان کی زندگی میں ایک فرض پورا ہو گیا، اب بیٹی کو خیر و عافیت سے رخصت کر کے ہی وہ سکھ کا سانس لے سکیں گی، لیکن سکھ کا ساون ہمیشہ ہی تو نہیں برسا کرتا، دکھ کا دریا اپنی تیز روی سے بعض اوقات سب بہا لے جاتا ہے، بدنظری کی وہ منکر نہ تھی، ان کی بسی خوشیوں کو شاید بدنظری ہی کھا گئی تھی ایک ہنستا بستا گھر ویرانی کے ڈھیر میں شوہر کے چلے جانے کے بعد بدل گیا تھا، بیس سال پہلے شوہر کے جانے کے بعد جو بسا بسایا گھر ویراں ہو گیا تھا، ان کی بیٹی کا گھر آباد ہی رہے اب وہ اسی کی خواہشمند تھیں، شوہر کے چلے جانے کے بعد نور کو چند بدنظر لوگوں نے پیٹھ پیچھے بدقسمت منحوس جیسے القابات سے جب نوازا تو تڑپ کر اللہ سے دعا کی، اظہر بھائی نے دونوں کی کفالت کی ذمہ داری اور بزنس میں چند شیئر نور کے نام کر کے انہیں جو سہارا دیا سب ہی کے منہ بند ہو گئے، زندگی اپنے ڈگر پر چلنے لگی، اچھا برا وقت بیت گیا۔

☆☆☆

میں گیا تھا اس گلی میں
کئی خواہشیں پہن کر
وہ جو تھیں بہت شناسا
ان ہی کھڑکیوں سے اب کے
کسی رخ کی روشنی سے
نہ چراغ کوئی لرزا
نہ کوئی ستارا چمکا
نہ ہی پھول کوئی آیا
دل منتظر کی جانب
نہ اٹھائی کوئی چلمن
کسی دست پر حنا نے
نہ صبا کی دستکوں سے
کوئی پر دا سر سرایا
کسی خواب سے الجھ کر
نہ تو چوڑیاں ہی چھنکیں
کسی آنکھ میں سمٹ کر
نہ ہی چاند مسکرایا
میں گیا تھا اس گلی میں کئی خواہشیں بن کر

وہ مامی کے گھر سے جب سے آیا تھا اپنے کمرے میں مقید ٹہل رہا تھا، ادھر سے ادھر نہ

جانے کیسی بے چینی تھی جو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی، کمرے کی ہر شے اس کے وجود سمیت اکتا رہی تھی، جسم سے اٹھتے شعلے دماغ کی رگوں کو جھلسا رہے تھے، اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا کر گلاس میں انڈیلا اور اپنے پیاسے حلق کو تر کرنے لگا۔

حلق میں چبھتے کانٹوں کو پانی کی تراوٹ سے کچھ سکون ملا تھا، آگ اور پانی کا ملاپ ہے ہی نہیں، بھلا آگ اور پانی کا کیا جوڑ؟ نبیل کے دل سے آواز اٹھی، وہ پھر سے کچھ سوچ کر مضطرب ہو گیا، نہ جانے وہ خوش فہم ہو رہا تھا یا وہم زدہ، کوئی تو ایک بات تھی، وہ جب بھی ماموں کے ہاں جاتا، دشمن جاناں خود کو کئی چلمن میں چھپا لیتی، اس کی بے قرار نظریں راہ پر بچھی رہتیں لیکن دشمن جاناں نے نہ نظر آنا تھا نہ وہ آئی، دونوں کے درمیان اگر کبھی بات ہوئی بھی تو ضروری جو صرف اتنی ہی ہوتی کہ ہاں، نہیں جی، اچھا۔

نبیل کچھ سوچ کر دھیرے سے مسکرایا، پھر اپنا موبائل فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا، اس کا دماغ ایک نئی سمت پر اب سفر کر رہا تھا۔

☆☆☆

''ویری نائس، حاضر جوابی کوئی آپ سے سیکھے، اوکے پھر بات کرتی ہوں بائے۔'' موبائل آف کر دیا جوں ہی کمرے میں رامین داخل ہوئی۔

''ہم سے پردہ داری، خیریت تو ہے۔'' رامین نے مشکوک نظروں سے مہک کی طرف دیکھا اور معنی خیز لہجے میں لہک کر بولی۔

''کیسی پردہ داری، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔'' وہ غصے سے بل کھا گئی۔

''دماغ تو درست ہی ہے، پردہ داری نہیں فون کیوں بند کر دیا، کس سے بات کر رہی تھیں موصوفہ۔'' وہ دونوں ہاتھ پشت پر کیے کرید رہی تھی۔

''میں جس سے بھی بات کروں مائینڈ یو اون بزنس۔'' وہ تنک کر بولی پھر رکی نہیں، رامین کو ہکا بکا چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی، اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے نور سے ٹکراؤ ہو گیا جو کسی کام سے رامین کے کمرے میں آ رہی تھی، دونوں کے سر ایک دوسرے سے بری طرح ٹکرا گئے۔

''اندھی ہو کیا دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔'' مہک کا سر بری طرح ٹکرایا تھا۔

''اوہ سوری۔'' نور بے اختیار بولی تیزی سے کمرے سے نکلتی مہک کو وہ نہ دیکھ سکی تھی۔

''سوری۔'' مہک نے اس کی بری سی نقل بنائی اور پیر پٹختی چلی گئی۔

''اس کو کیا ہو گیا، طبیعت خراب لگتی ہے۔'' نور کو مہک کا انداز برا لگا تھا۔

''مہک بی بی کی طبیعت ٹھیک کب رہتی ہے، ویسے موصوفہ آج کل کچھ مشکوک حرکتوں کا شکار نظر آ رہی ہیں پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ گئی شاید۔''

''مشکوک حرکتیں، کیا مطلب؟'' نور ہاتھ میں پکڑی فائل لئے بستر پر بیٹھ گئی۔

''حتمی تو کوئی رائے نہیں دی جا سکتی لیکن چاند اور سورج کب تک چھپائے جا سکتے ہیں، سورج نکلتا ہے تو دھرتی کے لوگوں کو علم ہو ہی جاتا ہے، پھر ہمیں بھی علم ہو ہی جائے گا، جب سورج نکلے گا۔'' وہ معنی خیز انداز میں بول رہی تھی پھر کچھ دیر پہلے ہونے والے واقعے کی روداد نور سے کہہ ڈالی، وہ نور کی اچھی اور مخلص نہ صرف کزن تھی بلکہ بہنوں جیسا رویہ تھا، مہک نے خود کو شروع ہی الگ تھلگ کر رکھا تھا، کچھ اس کا مزاج دونوں کو ہی میل نہ کھاتا تھا، رامین نور سے ایک برس ہی

بڑی تھی اور دونوں کے مزاج ایک دوسرے سے میل کھاتے تھے۔

''ہو سکتا ہے مہک کی کوئی یونیورسٹی کی دوست ہو۔'' وہ اس کی کہانی سن کر بولی۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ دوست مونث نہیں مذکر ہو۔''

''اگر مذکر بھی ہو تو کیا، تائی امی نے ان باتوں کو کب برا جانا ہے۔'' نور نے کندھے اچکائے وہ جانتی تھی تائی امی جدت پسند اور کافی روشن خیال خاتون تھیں، وہ کبھی مہک کے لباس جو اکثر جینز اور ٹاپ پر مشتمل ہوتے تھے، کبھی نہ ٹوکتی تھیں، ہاں البتہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ مہک ایک عدد مذکر دوست بھی رکھتی ہے تائی امی کے لئے تو یہ بھی قابل اعتراض بات نہ تھی۔

''تم بھی نہ، بہت سیدھی ہو اگر ایسی بات ہے بھی تو اس کو چھپانے کی ضرورت کیا تھی، ویسے بھی کوئی بات چھپانا اس کی فطرت کے خلاف ہے وہ جو کرتی ہے ڈنکے کی چوٹ پر کرتی ہے سامنے والے کی اسے رتی بھر پروا نہیں ہوتی تو پھر آج یقیناً موصوف کوئی ایسی شخصیت ہیں جن کا راز رکھنا مہک کے لئے ضروری تھا، راز افشاں ہو جانے پر ہو سکتا ہے موصوفہ کو کسی بات کا خطرہ ہو جو وہ ہی بہتر جانتی ہے۔'' رامین نے اچھا خاصا تجسس پھیلا دیا تھا، نور کو رامین کی بات میں وزن محسوس ہوا، وہ جو کہہ رہی تھی وہ ٹھیک ہی تھا، نہ جانے اس کا دل کیوں دھڑک اٹھا اس کو کل کے منظر یاد آنے لگے جو وہ پردے کے اس پار مہک اور نبیل کو ہنستا بولتا دیکھ رہی تھی، کہیں فون نبیل...... اس نے اپنا سر جھٹکا تھا، لیکن شک کا بیج اس کے دل میں سرایت کر گیا تھا، نبیل مہک کے اردگرد ہی نظر آتا تھا، حسد کی ایک لہر دماغ سے اٹھی تھی۔

''تم کچھ کہنے آئی تھی نہ نور۔'' رامین نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی جو کسی خلائی سفر پر گامزن تھیں وہ اس کے ہاتھ میں رکھی فائل دیکھ کر بولی۔

''ہاں میں یہ نوٹس دینے آئی تھی تمہیں کچھ پوائنٹس بتانے تھے جو صبح تم مجھ سے پوچھ رہی تھی۔'' وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''ہاں ضرور چند دن بعد میری سیلی کے پیپرز ہونے والے ہیں بس دعا کرو اس بار یہ دونوں پیپرز میرے حلق سے اتر جائیں، تو بہ یہ پڑھنا بھی کسی پہاڑ کو سر کرنے کے برابر ہے۔'' وہ کوفت زدہ انداز میں بولی تو نور مسکرانے لگی اور پھر اسے مطلوبہ پوائنٹس سمجھانے لگی، رامین کی توجہ پڑھائی کی طرف مرکوز ہو گئی اور نور کی کہیں اور۔

☆☆☆

کالے کالے بادل آہستہ آہستہ آسمان پر اپنا قبضہ جمانے لگے، کچھ دیر پہلے کا چھایا حبس زدہ ماحول کی جگہ ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہوا نے لے لی تھی، چند لمحوں میں خشک پتوں کے اوپر ہلکی ہلکی بارش کی بوندیں پڑنے لگیں، پتے کھلکھلا کر تالیاں بجا رہے تھے، ان کے ہمراہ پھول خوشی سے جھومنے لگے، موسم نے جھل تھل کر دی تھی، نور اپنے کمرے کی کھڑکی کے باہر لان کا منظر محویت سے دیکھ رہی تھی، کتنا دلفریب منظر تھا، لیکن اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، ایسا موسم جب بھی آتا وہ رامین کے ساتھ کچن میں پکوڑے وغیرہ بنانے لگ جاتی، چائے اور کافی کے ساتھ لوازمات سمیت لان کے کنارے کرسیاں ڈال کر موسم سے لطف اندوز ہونا دونوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا، اس مستانے موسم سے آج اس کا دل لطف اندوز ہونے کے بجائے ماتم کر رہا تھا، اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، اپنے اندیشوں میں گھرے دل

کا واویلا سن کر وہ افسردہ تھی۔

''اوہو، موصوفہ ابھی تک کمرے میں موجود ہیں، دیکھو نہ بارش ہو رہی ہے چلو پکوڑے سموسے بناتے ہیں، میں کافی بناتی ہوں تم پکوڑوں کے لئے جلدی سے بیسن گھول دو۔'' نور اس کی بات سن کر مسکرائی اپنے اداس چہرے سے وہ رامین کی ننھی خواہش کا قتل نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ اپنے بال سنوار کر سمیٹنے لگی، بالوں میں کیچر لگا کر پاؤں میں چپل اڑستی نور رامین سے موسم کی باتیں کرتی کچن کی جانب ہی بڑھی تھی کہ کچن میں کچھ کھٹر پھٹر کی آواز دور سے سنائی دینے لگی، دونوں ہکا بکا رہ گئی تھیں جب انہوں نے کڑھائی میں پکوڑے تلتی مہک کو دیکھا۔

''یہ آج سورج مشرق کے بجائے مغرب سے کہاں نکل آیا، کہیں قیامت کے آثار تو نہیں نظر آنا شروع ہوگئے۔'' وہ دونوں ہاتھ کندھے پر ٹکائے بولی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' مہک رامین کی طرف دیکھے بغیر اپنے کام میں مشغول رہی ایسے جیسے اسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ ہو۔

''میری بہن ننھی بچی ہے نہ ہر بات کا مطلب اسے سمجھانا پڑتا ہے۔'' رامین نے مہک کی طرف چڑ کر دیکھا تھا، وہ ابھی اگلا جملہ کہنے ہی والی تھی کہ گیٹ پر ہارن کی آواز سن کر مہک سب کام چھوڑ چھاڑ کر بھاگی۔

نور نے کچن کے روشن دان سے جھانکا تو گاڑی سے نبیل کو برآمد ہوتے دیکھا، پکوڑوں کا تلنا اور نبیل کی آمد، مہک کا باہر کی جانب بھاگنا اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا، مہک نبیل کے ہمراہ اب گھر کے اندر داخل ہو رہی تھی، نور کے دل میں نہ جانے کتنی دراڑیں پڑ چکی تھیں، اس کا شک اب یقین میں بدل چکا تھا، رامین کو کافی بناتا چھوڑ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی وہ نبیل کا سامنا اب ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی، پیچھے سے اسے رامین کی آوازیں آتی رہیں وہ اسے رک جانے کے لئے کہہ رہی تھی لیکن وہ رکنا اور ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی اگر ٹھہر جاتی تو آنسوؤں کا سیلاب طوفان بن کر سامنے آجاتا اور وہ اس منظر میں رہنا نہیں چاہتی تھی، کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنا تکیہ خوب بھگویا۔

☆☆☆

سارا سارا دن مہک موبائل سے چپکی رہتی، ہونٹوں کے کنارے دھیمی مسکان سے سجے رہتے، شرمیلا انداز موبائل پر کسی سے بات کرتے ہوئے ہر شخص کے آگے عیاں ہونے لگا، آدھی آدھی رات کو لان میں موبائل پکڑے وہ ٹہلا کرتی مہک کے چہرے پر جھلکتے قوس و قزاح کے رنگ تائی امی کے سامنے چھپے نہ تھے، نبیل کا آنا جانا بڑھنے لگا تھا، مہک کو اس کے ساتھ کبھی شاپنگ پر جانا ہوتا تو کبھی کسی سہیلی کے گھر، کئی گھنٹوں تک وہ لاپتہ رہتے، پوچھنے پر بھی مہک ڈھٹائی دکھاتی اور کوئی جواب نہ دیتی کہ وہ چار گھنٹے ایسی کون سی شاپنگ میں مصروف رہی ہاتھ میں کئی شاپر ہوتے جس میں کپڑے جوتے پرفیوم کے لاتعداد برانڈ ہوتے۔

رامین بھی اب سمجھنے لگی تھی، نور کا اضطراب مہک کی طرف نبیل کا جھکاؤ، کچھ بھی پوشیدہ نہ رہا، رامین نے غور کیا کہ اس کی ماں آج کل کچھ بے چین سی ہیں، پریشانی میں وہ اکثر بابا کے ساتھ فون پر لمبی باتیں کرتی پائی جاتی تھی، بابا آج کل بزنس کے کام سے دو ہفتے کے لئے ملک سے باہر تھے، آناً فاناً گھر کا ماحول بگڑتا دیکھ کر اب وہ مہک پر روک ٹوک کرنے لگیں۔

نبیل کا نکاح نور سے ہو چکا تھا، وہ تنک مزاج ضرور تھیں لیکن نور ان کی بیوہ دیورانی کی اکلوتی خوشی تھی جسے وہ ہرگز برباد نہیں کرنا چاہتی تھیں، اولاد غلط روش پر چل رہی تھی، اولاد کو بہت پہلے ہی انہیں لگام دے دینی چاہیے تھی، یہ ان کی سنگین غلطی تھی جس کا انہیں شدت سے اعتراف تھا، پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا تھا، مہک کی سرکشی بڑھتی جا رہی تھی اور پھر نور اور رامین نے دیکھا کہ جب سے تایا ابا باہر ملک سے لوٹے تھے تائی امی مطمئن نظر آ رہی تھیں، نہ جانے وہ اتنی مطمئن کیوں تھیں، اب وہ مہک کا نہ تو موبائل ہاتھ سے چھینتی نہ اسے باہر جانے پر ٹوکتی، مہک بھی ماں کے اچانک بدل جانے والے رویے پر حیران تھی شاید مہک کی مستقل مزاجی دیکھ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں، ہر طرف طویل خاموشی کا راج تھا، مہک نے خود ہی احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا تھا، آج کل نبیل اسلام آباد گیا ہوا تھا، مہک بھی گھر میں مقید کبھی ٹی وی تو کبھی میگزین کے آگے نظر آتی تھی، ان سب باتوں سے نزہت واقف ہونے کے باوجود چپ کی چادر میں چھپی بیٹھی تھی، تائی امی نے نہ جانے ان سے بھی تنہائی میں کون سی لمبی چوڑی میٹنگ کر رکھی تھی جس کے بعد وہ جو اذیت کا شکار تھیں اب خاموش نظر آ رہی تھیں۔

نور نے رات کا کھانا ٹرے میں رکھا اور اوپر اپنے کمرے میں آگئی آج کل وہ کھانا اپنے کمرے میں ہی کھا رہی تھی کچھ اس کے یونیورسٹی کے فائنل سمسٹر کے پیپر چل رہے تھے وہ اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہی تھی اس کے بعد اس کا جاب کرنے کا ارادہ تھا، وہ اس وقت اپنے مستقبل کا فیصلہ کر رہی تھی۔

''امی پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟'' وہ نوالہ اور خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی جو کافی دنوں سے ماں بیٹی کے درمیان تھی نہ جانے وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں ملانے سے کیوں گھبرا رہی تھیں، چوری تو نہ کی تھی، نہ وہ مجرم تھیں، پھر بھی ایک لاتعلقی کی فضا دونوں کے درمیان حائل تھی، جسے توڑنے کی ایک کوشش نور نے کی تھی۔

وہ ایک میچور ذہن کی مالک تھی، حالات سے فرار ہونا نہیں چاہتی تھی، بعد کے مسائل سے بہتر تھا تعلق یہیں ختم کر دیا جائے، ذہن میں لفظوں کو ترتیب دے کر وہ بولی۔

''کس بارے میں؟'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ادھیڑے کپڑوں کی ترپائی کرتے ہوئے بولی تھیں، بیٹی کا بجھا چہرہ دیکھنے کی ماں میں تاب نہ تھی۔

''نبیل کے گھر والوں سے بات کر کے نکاح ختم......'' نوالہ حلق میں پھنسا تھا۔

''خاموش ہو جاؤ۔'' ماں نے جھڑکا اور آگے کچھ اور نہ کہنے کی نظروں میں تنبیہ تھی۔

''امی اتنا سب کچھ ہوگیا کیا اب بھی......''

اس کا گلہ رندھنے لگا۔

''ہاں اب بھی۔'' وہ قطعی لہجے میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولیں۔

''نہیں...... یہ...... نہیں ہوسکتا۔'' وہ اپنے سامنے پڑی کھانے کی ٹرے کھسکا کر گردن نفی میں ہلاتی کمرے سے باہر کی طرف بولتے ہوئے دوڑی تھی، آنسوؤں کی یلغار سے تاب نہ لاتی نور کی پشت کو ماں نے دیوانہ وار دیکھا تھا، اپنی جگہ سے ہلنے کی ان میں تاب نہ تھی، وہ کپڑوں کے ڈھیر کے درمیان چٹائی پر بیٹھی ان تلخ ہوتے لمحوں میں سسکنے کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

الارم کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی، بالوں کو سر پر دائرے کی شکل میں لپیٹ کر اس نے گرہ

لگائی، فجر کی اذانوں کی گونج اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی، اس نے شکر ادا کیا کہ وہ آج وقت پر اٹھ گئی ہے ورنہ فجر کی نماز اکثر سرد راتوں کی ٹھنڈ کے بوجھ تلے وہ پڑھ نہیں پاتی تھی لیکن آج دیر ہو جاتی تو بڑا نقصان ہو جانا تھا، اس نے اٹھ کر نماز ادا کی، وہ جانتی تھی امی کی عادت فجر کی نماز لان میں پڑھنے کی تھی، نور نے کھڑکی کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو امی کا چہرہ سفید چادر میں لپٹا نظر آ گیا تھا، وہ دعا مانگ رہی تھیں، نور نے جلدی سے پردہ گرا دیا اور وضو کے لئے واش روم چلی گئی، نماز کے بعد دعا میں اس نے نم آنکھوں سے اپنے حق میں بہتری کے لئے اللہ سے گڑگڑا کر خوب دعا مانگی تھی، دعا کے بعد اس کو اپنے بے چین دل میں قرار سا محسوس ہوا تھا جیسے وہ اپنا سارا بوجھ اللہ کے سامنے اتار چکی ہو، وہ مطمئن سی ذکر الٰہی کا ورد کرتی کچن میں داخل ہوئی، ڈبل روٹی انڈہ لئے وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ کرنے لگی۔

''آج...... اتنی صبح...... کیسے اٹھ گئیں۔'' رامین کچن کی لائٹ اور برتنوں کی آوازیں سن کر آنکھ ملتی بول رہی تھی۔

''کیوں میں جلدی اٹھنے کا جرم نہیں کر سکتی۔'' نور نے مسکرا کر جواب دیا۔

''یار ایک چائے کا کپ ملے گا۔'' اس نے ایک لمبی جمائی کو روکنے کی ناکام کوشش کی، نور کو چائے پیتا دیکھ کر اسے بھی چائے کی طلب ہونے لگی تھی۔

''نو ڈئیر یہ زحمت آج آپ کو خود کرنی پڑے گی کیونکہ میں کسی کام سے جا رہی ہوں۔'' نور نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر اپنے ہاتھ میں لیا اخبار لیا جس پر کئی جگہوں پر قلم سے دائروں کے نشان بنائے گئے تھے۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''جاب کی تلاش ہے، کچھ ویکنسی آئی ہوئی تھیں، دعا کرو کہیں اچھی جاب مل جائے۔''

''تم جاب کرو گی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''کیوں میں جاب نہیں کر سکتی۔'' وہ مسکرائی اور بدستور اپنے کام کرتی رہی۔

''کر سکتی ہو لیکن......'' وہ ہچکچائی جانتی تھی اسے گھر سے باہر کا تجربہ نہیں۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو میں جاب کیوں کرنا چاہتی ہوں، فی الحال ضرورت کے ساتھ ساتھ اس ماحول سے فرار چاہتی ہوں۔'' وہ دل کی زبان ہونٹوں تک لے آئی تھی، رامین اس کی بات پر اثبات میں سر ہلانے لگی۔

نور اخبار مٹھی میں دبائے اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی، وہ مزید کسی سوال کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی، امی کو وہ رات میں ہی اپنے ارادوں سے آگاہ کر چکی تھی، اس کی تمام باتوں کا ردعمل امی کے پاس صرف ایک خاموشی تھی، جسے وہ کئی دنوں سے ذہنی طور پر قبول کر چکی تھی، امی بھی جانتی تھیں کہ وہ ملازمت ضرور کرے گی اس لئے اس کی خواہش کے سامنے کچھ نہ کہہ سکیں، نور ضدی نہیں تھی، حالات نے اس کو اپنے موقف پر ضد کے ساتھ کھڑے رہنے پر مجبور کر دیا تھا عادتیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں حالات دیکھ کر بدل جاتی ہیں۔

اس نے کندھے پر ڈالا پرس مضبوطی سے تھام لیا تھا، ہاتھ میں پکڑی گلابی فائل سینے سے لگا کر وہ رکشے سے اتر کر سر اٹھا کر اس بلند و بالا عمارت کو دیکھ رہی تھی، دل سینے میں زور سے دھڑک رہا تھا، اس نے اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر جیسے تھم کر چلنے کا حکم دیا تھا، زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ وہ تنہا کسی اونچائی کو سر کرنے کے لئے کھڑی تھی، اس نے انگلی کی پور سے آنکھ میں آیا آنسو جو لڑھک کر زمین بوس ہونے والا تھا صاف کیا اور سیڑھی پر اپنا پہلا قدم مضبوطی سے رکھ کر باقی سیڑھیاں عبور کرنے لگی، گارڈ نے اس پر سرسری نظر ڈال کر شیشے کا دروازہ کھول دیا تھا وہ عمارت کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ رہی تھی، شاندار عمارت کا اندرونی منظر وہ مبہوت بنی دیکھ رہی تھی، چوتھی منزل پر بذریعہ لفٹ وہ جیسے ہی وزیٹر روم میں داخل ہوئی اسے ایک قطار میں بیٹھی لڑکیاں اپنی اپنی باری کا انتظار کرتی ہوئی نظر آئیں، وہ اپنی درخواست دے کر وزیٹر روم کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئی، یہ اس کی زندگی کا پہلا انٹرویو تھا اور وہ بہت نروس ہو رہی تھی، وہ اعتماد کے ساتھ بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے سرسری انداز میں اپنے ساتھ بیٹھی لڑکیوں کا جائزہ لینے لگی، آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد اس کا نمبر آیا تھا۔

دروازہ کھولنے کے بعد اس کی نظر گلاس ٹاپ ٹیبل کے پیچھے ریوالونگ چیئر میں بیٹھے ادھیڑ عمر کے آدمی پر اٹھی تھی اس کے دائیں اور بائیں رکھی دو کرسیوں پر قدرے کم عمر نوجوان بیٹھے تھے، ادھیڑ عمر کے آدمی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اس نے اپنی فائل ان کے سامنے بڑھا دی اور بیٹھ گئی۔

''آپ کا نام؟'' ادھیڑ عمر کے آدمی نے سوال کیا۔

''نور راشد!'' نور نے ادھیڑ عمر کے آدمی کو جواب دیا اس کے ذہن کی اسکرین پر بائیں جانب بیٹھے شخص کو دیکھ کر شناسائی کی لہر اٹھی تھی اور پھر ذہن کے پردے پر کئی مناظر لہرا گئے، وہ لڑکا بھی اسے جیسے دیکھ رہا تھا اسے لگا وہ پہچان کی سرحدوں کو عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہو، یا شاید وہ کر چکا تھا۔

''سنئے مس نور!'' وہ انٹرویو دینے کے بعد نیچے جانی والی سیڑھیاں عبور کر رہی تھی کہ اسے کسی نے پکارا تھا وہی شناسا سا لہجہ سن کر وہ پلٹی نہیں سیڑھیاں مزید تیزی سے عبور کرنے لگی، کندھے پر ڈالا پرس اور ہاتھ میں پکڑی فائل پر گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

''آپ میری بات تو سنئے۔'' وہ ایک دم اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تو اسے اپنے قدم روکنے پڑے، چہرے پر سختی در آئی تھی اس نے رخ موڑ لیا۔

''شاید آپ کو جاب کی ضرورت ہے اور میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' وہ پھولی سانسوں سے بول رہا تھا، کافی تیزی سے دو منزلہ پھلانگتا وہ اس کی طرف آیا تھا، وہ اب بھی رخ پھیرے ایسے ہی کھڑی تھی جیسے وہ کسی دیوار سے مخاطب ہے۔

''آپ کا بہت شکریہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں اور پلٹے بغیر تیزی سے آگے کی جانب بڑھ گئی، اس کا ارادہ اب گھر واپس لوٹ جانے کا تھا، اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے، شہزاد کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی وہ سر جھٹک رہا تھا۔

''بالکل نہیں بدلی۔'' مسکرا کر وہ زیر لب بول رہا تھا پھر واپس لفٹ کی جانب بڑھ گیا وہ اپنے باس کو ایکسکیوز کہہ کر آیا تھا اور پینل کے لوگ اس کا یقیناً انتظار کر رہے تھے آخر وہ اس کمپنی کے اہم عہدے پر فائز اور شیئر ہولڈر تھا۔

☆☆☆

پروفیسر ریحان عالم کا لیکچر شروع ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا، وہ کیمسٹری کے پروفیسر ہونے کے باوجود فلسفہ کے اس قدر شیدائی تھے

کہ اپنی گفتگو کے ہر سائنسی نقطہ میں بھی فلسفہ کا پہلو نکال لیا کرتے، ان کی کلاس میں آدھے سے زیادہ اسٹوڈنٹ کھلی آنکھوں سے سو رہے ہوتے تھے، کوئی سر چیئر پر پشت کر کے مدہوش ہوتا اور کوئی سر ہاتھوں پر ٹکائے دنیا و فانی سے لاتعلق ہو جاتا، نور دلچسپی سے سر کا لیکچر سن رہی ہوتی، وہ پروفیسر ریحان عالم کی جادوئی باتوں کی وجہ سے ان کو پسند کرتی تھی اور ان کا لیکچر کبھی مس نہیں کرتی تھی۔

وہ بھی دونوں ہاتھ پشت پر رکھے پیریڈ ختم ہو جانے کی بیل کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا اور بیل بالآخر بج گئی، کلاس بیل بجتے ہی متحرک ہو گئی، پروفیسر ریحان عالم نے اپنے سامنے رکھی کتاب بند کی، ناک پر کھسکا موٹا چشمہ درست کیا، حسب عادت مسکرا کر کلاس کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھا اور کلاس کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھے اور ان کے جاتے ہی اسٹوڈنٹ اپنی کتابیں سمیٹ کر ایسے بھاگے جیسے کسی قید خانے سے آزادی نصیب ہو رہی ہو، نور نے بھی اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالیں، اب ان کا آف تھا کہ اس نے آواز سنی۔

''مس نور!'' اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ شہزاد تھا جسے دیکھ کر نور کے منہ کا زاویہ بگڑ گیا تھا، وہ فرسٹ ائیر کی طالبہ تھی مخلوط تعلیمی ادارے سے وابستہ ہمیشہ سے رہی تھی، لیکن کبھی لڑکوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اپنے کام سے کام رکھنے والی نور ہمیشہ اپنے دائرے میں ہی رہی تھی کسی کو اس کو سلام کرنے کی ہمت بھی نہ ہوتی، البتہ شہزاد بہانے بہانے سے جب اسے مخاطب کرتا وہ چڑ جاتی تھی، وہ بڑے گھر کا اکلوتا چشم و چراغ تھا جس کو اپنی دولت پر زعم بھی تھا بس یہی اس کی خامی تھی۔

''رکو ابھی جانا نہیں۔'' اس نے دور سے اسے جاتے ہوئے دیکھ کر پھر پکارا تھا۔

نور نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنی کتابوں کو بیگ میں ڈال چکی تھی، بیگ کندھے پر ڈال کر وہ کلاس کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھی، اس کا ارادہ بھانپ کر وہ آخری والی سیٹ سے پھلانگتا کودتا تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

''مہربانی ہو گی آپ کی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے دو منٹ رک کر میری بات سن لیں گی۔'' وہ سنجیدگی سے طنزاً بول رہا تھا تو اسے رکنا پڑا پھر وہ پلٹ کر بولی۔

''فرمائیے کوئی کام ہے آپ کو؟''

''ہم غریب بچوں کی تعلیم کے غرض سے ڈونیشن اکٹھے کر رہے ہیں آپ۔''

''کتنی رقم چاہیے آپ کو؟'' اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی اور اپنا پرس جھانکا۔

''رقم کی نہیں آپ کی قیمتی وقت اور آراء کی ضرورت تھی بہت شکریہ اب اس کی ضرورت نہیں آپ کو شاید بہت تنگ کیا، معافی چاہتا ہوں۔'' وہ تاسف سے کہتا اسے حیران سوچتا چھوڑ کر اپنی بائیک کی چابی گھماتا چلا گیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' شہزاد کے جاتے ہی سحر اس کی کلاس فیلو نے رک کر پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ شاکنگ حالت میں تھی شاید وہ شہزاد کے متعلق زیادہ ہی منفی انداز میں سوچ رہی تھی، اسے اپنے رویے پر کچھ پشیمانی ہونے لگی، اگلے دن شہزاد اپنے نارمل رویے کے ساتھ موجود تھا، دونوں کے درمیان پھر کوئی بات چیت نہ ہوئی، نہ جانے کیوں شہزاد اسے اولین دنوں سے ناپسند رہا ہے۔

فرسٹ ائیر کے امتحان ابھی باقی تھے کہ شہزاد اپنی تعلیم باہر مکمل کرنے چلا گیا، نور کے

ذہن سے گزرتے وقت کے ساتھ وہ منظر بہت پیچھے رہ گئے تھے آج اتنے سالوں بعد وہی شخص اسی انداز سے سامنے آیا تھا وہ وقت کی گزری ساعتوں میں ہرگز نہ بدلا تھا، وہی مسکراہٹ، وہی انداز اور اپنی اہمیت جتانا۔

''اتنی جلدی آ گئیں تم تو کہہ رہی تھیں تین چار جگہ انٹرویو ہے۔'' رامین نہ جانے کب سے پانی کا گلاس ہاتھ میں لئے اسے سوچوں میں گم کرسی پر دراز تھکن سے چور دیکھ رہی تھی۔

''بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں واپس آ گئی، پھر چلی جاؤں گی۔'' اس نے تھکے تھکے انداز میں جواب دیا اور پانی کا گلاس تھام کر غٹا غٹ پی گئی، رامین چلی گئی اور وہ بند کھڑکی کے پار دیکھنے لگی، دن ڈھل کر شام کی سنہری چادر اوڑھ رہا تھا، ماحول میں حبس تھا ایک ایسی گھٹن جو تیز بارش کے ہو جانے سے پہلے کی ہوتی ہے، آسمان پر ہلکے ہلکے کال بادل منڈلا رہے تھے، سورج سنہری کرنیں سمیٹتے افق کے پار جانے کی سعی میں تھا۔

''نبیل بھائی اسلام آباد سے آ گئے ہیں انہوں نے امی سے صاف لفظوں میں تم سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا ہے وہ مہک سے......''

کمرے میں رامین کے کہے ادھورے جملے کی بازگشت کمرے کے ہر سو پھیلی ہوئی تھی، کمرے میں موجود ایک ایک شے اس کا کہا ادھورا جملہ دہرا رہی تھی، اداسی کی چادر لپیٹے اس کے قدم باہر لان کی جانب اٹھنے لگے، اس نے لان کا سرخ پرنٹڈ سوٹ پہن رکھا تھا، ہلکی ہلکی بوندیں اس کے وجود پر پڑنے لگی تھیں، جارجٹ کا دوپٹہ اب بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گیا تھا وہ آنکھیں بند کئے یونہی بھیگے آسمان کے نیچے کھڑی رہی، دماغ کی سلگتی رگوں کو پرسکون کرنے کی ایک ناکام سی کوشش، بارش کی موٹی بوندوں نے برستی برسات کا رنگ اوڑھا۔

''یہ سردیوں کی بارش ہے نور، بیمار ہو جاؤ گی اندر چلو شاباش۔'' رامین نے اسے بھیگتے دیکھ کر کہا تھا وہ اس کا اب ہاتھ تھامے چل رہی تھی اور نور بنا کچھ کہے اس کے ہمراہ چلنے لگی، کسی معصوم بچے کی طرح۔

☆☆☆

''تم اس حالت کی خود ذمہ دار ہو، کون اتنی آسانی سے اپنا ہونے والا شوہر دوسرے کی جھولی میں ڈال دیتا ہے ندامت کا حق ہے تمہیں لیکن تم نے حق نہ استعمال کر کے دوسروں کو پھول اور خود کے لئے کانٹے چن لئے ہیں۔'' وہ چھت گھورتی نور سے مخاطب تھی جو کپڑے بدل کر گرم شال لپیٹے بیٹھی تھی۔

''ٹھیک کہتی ہو۔'' نور نے رامین کی بنائی کافی کا پہلا گھونٹ حلق میں اتارا تھا، اسٹرونگ بھاپ اڑاتی کافی کی کڑواہٹ اس کی زندگی میں گھلی کڑواہٹ سے کم تھی، اپنی شکست کا اعتراف کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

''تمہیں نبیل بھائی کو وقت دینا چاہیے تھا، وہ تم سے ملنے جب بھی آئے تم اپنے ہی کاموں میں مصروف رہتی دیکھو اب ان سب باتوں کا کیا نتیجہ سامنے آیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' نور نے حیرت سے رامین کی طرف دیکھا اس نے اس انداز سے سوچا نہ تھا۔

''میں اب بھی کہتی ہوں نبیل بھائی سے ایک بار بات کرو، پھپھو بھی ان کے اس فیصلے سے سخت ناراض ہیں۔'' رامین دونوں ہاتھ اس کے گرم انگارہ ہاتھوں پر رکھتے ہوئے التجا کر رہی تھی کہ اسے چھوتے ہی اسے احساس ہوا کہ جیسے اس نے دہکتی آگ کو چھو لیا ہو وہ چونک کر اپنے ہاتھ اس کے چہرے تک لے جا کر ٹٹولتے ہوئے

جلدی سے بولی۔

''تمہیں تو تیز بخار ہو رہا ہے دیکھو لگ گئی نہ سردی میں ابھی میڈیسن لے کر آتی ہوں۔'' وہ بھاگی تھی پیچھے رامین کے کہے جملے اس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی طرح برسے۔

''آہ۔'' نور نے سسکتے لبوں سے جاتی رامین کو دیکھا تھا، پھر اپنا سر پشت پر رکھے کشن پر لگا دیا، اس کے کمرے کی کھڑکی بند تھی، شیشے سے باہر کا منظر بے حد واضح تھا، بارش بدستور ہو رہی تھی، اس کے اندر بھی بہت تیز بارش ہو رہی تھی وہ اندر باہر کی بارش میں بھیگ رہی تھی مسلسل بھیگ رہی تھی، اسے آج محسوس ہو رہا تھا بچپن سے لے کر جو وہ ایک ہی نام اپنے نام کے ساتھ جڑا سنتی آئی تھی، جسے اس نے زندگی کا ایک حصہ سمجھ لیا تھا وہ کتنی آسانی سے لاتعلق کی دیوار حائل کر دے گا، نہ جانے کب اس دیوار کی پہلی اینٹ نصب ہوئی ہوگی اسے خبر ہی نہ ہوئی دیوار پر اینٹ در اینٹ جڑتی رہی اور دونوں کے عکس ایک دوسرے کی نظروں سے آہستہ آہستہ اوجھل ہونے لگے، شاید اس نے اپنا قدم بڑھایا ہو لیکن وہ اس کے بڑھے قدموں کی پذیرائی اپنی فطری جھجک اور مشرقی تقاضوں کے بناء نہ کر سکی ہو، اس نے بہت سی باتوں کو اہم ہی نہ جانا ہو، ایک سرد ہوا کی شدید لہر کھڑکی کے کسی کونے سے پھڑ پھڑا کر اس کی سمت لپکی تھی، سرد ہوا کے اس جھونکے نے اس کے اندر کے دہکتے الاؤ کو مزید بھڑکا دیا تھا، وہ سلگنے لگی جلنے لگی، محبت کا یک طرفہ احساس اسے چوکے لگا رہا تھا، گرم گرم آنسو رخسار بھگو رہے تھے، نبیل کا ہنستا مسکراتا مضبوط سراپا سایہ بن کر اس سے دور جا رہا تھا وہ بے بسی سے لہراتے سائے کے عکس کو دھندلا ہونے تک دیکھ رہی تھی، سایہ اب غائب ہو چکا تھا، ہر سو اندھیرا پھیل گیا، اس کی بوجھل آنکھیں بند ہونے لگیں تھیں۔

☆☆☆

ایک ہفتہ بعد بستر علالت سے مکمل صحت یاب ہو کر وہ اٹھی تھی، تیز بخار نے پانچ روز بعد دم توڑا تھا، وہ پانچوں دن نیم غنودگی میں دھندلی آنکھوں سے دن رات ماں کو اپنی خدمت میں جتے دیکھ کر عجیب سی کشمکش کا شکار رہی، خاموش لبوں پر اسے جب بھی سنائی دیتی وہ ذکر الٰہی کی سرگوشیاں تھیں جو وہ زیر لب دہراتی رہتیں پھر ایک پھونک اس کے وجود پر پھوار کی طرح برسا دیتی، وہ اس کے سر پر شفقت اور محبت سے ہاتھ پھیرتی اور وہ اسی محبت کی آغوش میں بے سدھ پڑی رہتی، بخار ٹوٹا تو پورے جسم پر نقاہت نے ڈیرہ ڈال لیا وہ ایک ہفتہ کمرے میں مقید باہر کی ہر سرگرمی سے لاتعلق بنی رہی، رامین کبھی سوپ اور کبھی ادویات دنے جاتی، لیکن اس کے وجود نے کمزوریوں کی اسی جڑ پکڑ لی تھی کہ وہ اپنے لب کشا کرنے کی جسارت بھی نہ کر سکتی تھی، رامین بھی خاموشی سے آتی اور چلی جاتی، آج وہ نہا دھو کر خود کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی، کمرے میں ایک ہفتہ بند رہنے سے اس کا بوجھل دل و دماغ خائف تھا، وہ باہر کی تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی تھیں، کھلا آسمان کو آنکھوں سے ایک بار دیکھنے کی خواہش کو اس کا دل رد نہ کر سکا، اس نے اپنے کمرے کا لاک کھولا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، سیڑھیوں سے نیچے کی طرف جھانکا تو کچھ غیر معمولی چہل پہل کا گمان ہوا، وہ آہستہ آہستہ نیچے کی جانب جاتی سیڑھیاں اترنے لگی، اسے اپنا سر اب بھی بھاری محسوس ہو رہا تھا۔

''بیٹا آپ کیوں کمرے سے باہر آ گئیں، ابھی آپ مکمل صحت یاب نہیں ہوئیں، جا کر آرام کرو، کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ میں رامین

سے کہہ دیتی ہوں۔'' تائی اماں اسے دیکھ کر پیار سے پچکار رہی تھیں۔

''شکریہ تائی اماں میں اب بہتر محسوس کر رہی ہوں، میں تو بس ایسی ہی......'' اس نے کہتے کہتے اپنا چکراتا سر تھاما تھا، اتنے دنوں بعد کمرے سے نیچے تک کا سفر اسے ایسا لگا جیسے کسی طویل مسافت کو طے کر آئی ہے شاید کمزوری جسم کے حصوں میں ابھی بھی پنہاں تھی جو اس کے یوں چلے آنے پر دماغ میں بوجھ کی طرح در آئی تھی۔

''میں آپ کو کہہ رہی تھی نہ...... آپ کی طبیعت ابھی بہتر نہیں، ڈاکٹر نے مکمل آرام کو کہا ہے، کچھ دن لگیں گے مکمل بہتر ہونے کے لئے۔'' وہ اسے بانہوں میں سمیٹے اپنے کمرے میں لٹا آئیں۔

اس کو کمرے میں لیٹے آدھا گھنٹہ گزرا تھا کہ دروازہ آہستگی سے کھلا، مخصوص انداز میں آہستہ آہستہ تائی امی کے پیچھے سر جھکاتی امی کمرے میں داخل ہوئی تھیں، ان کا انداز عجیب اور غیر مانوس سا لگا وہ اپنی جگہ سے کھسک کر سنبھلتے ہوئے شانوں پر دوپٹہ صحیح کرتے ہوئے ہونی اور انہونی کے احساس تلے بیٹھی تھی کہ تائی امی اس کے سر پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''کل مایوں کی تمہاری تقریب گھر میں رکھی ہے جمعہ کو رخصتی ہے، ہم چاہتے ہیں اس فرض سے اب جلد ادا ہو جانا چاہیے، تمہارا امتحان بھی ہو گیا ہے رزلٹ بھی آ ہی جائے گا اب اس نئے امتحان کی تیاری ذہنی طور پر کر لو جو تمہاری زندگی کا سب سے اہم اور ایسا امتحان ہے جس سے ہر لڑکی کو گزرنا پڑتا ہے، ہمیں امید ہے کہ تم امتیازی نمبروں سے اپنے اس امتحان میں بھی کامیاب و کامران رہو گی، لڑکیاں ماں باپ کی عزتوں کی امین ہوتی ہیں اور تم سے ہم سب کو بڑی امیدیں ہیں۔'' تائی امی کہہ کر امی کے ہمراہ واپس کمرے سے باہر جیسے آئیں تھیں ویسے ہی لوٹ گئیں وہ ششدر بنا لب کشا کیئے دونوں کو دیکھتی رہ گئی، اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر کے ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب بھی سمجھا گئیں جو وہ نہیں سمجھنا چاہتی تھی، وہ بے بس حالات کا شکار اتنے دن کتنی ہی ہو جانے والی باتوں سے ناواقف رہی، اسے رامین سے بھی گلہ تھا جو اتنا کچھ گھر میں طے ہو جانے کے باوجود اس کو لاعلم رکھا گیا، وہ تو اس کے ہر راز کی امین تھی اس کے دل کے ہر حال سے واقف تھی پھر کیوں اس نے اتنی بڑی بات اس سے چھپائی، وہ رونے لگی، نہ جانے اس فیصلے پر نبیل کا کیا ری ایکشن ہوا ہو گا وہ تو...... مہک ہے...... اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔

''یا اللہ یہ کیسا امتحان ہے جس کا نتیجہ وہ اچھی طرح جانتی ہے۔'' نور زیر لب اللہ کو پکارنے لگی۔

گلدان میں رکھے تازہ پھول مرجھائے مرجھائے سے گردن اٹھا کر پڑے تھے، جیسے اس کے غم میں برابر کے شریک ہوں۔

خیالات، وسوسوں، واہموں کے گرداب میں پھنسی نور نے خود کو بنا کسی مذاحمت کے وقت کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کیا، اس نے خود کو دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس کے حق میں کیا بہتر ہے کیا نہیں یہ فیصلہ وہ اب رب پر چھوڑ چکی تھی۔

☆☆☆

شادی کی تیاریوں کی چہل پہل میں تائی امی اور امی بے حد مصروف ہو گئیں تھیں، وہ آج بھی مایوں کی تقریب کے لئے صبح سے تین بار بازار کا چکر لگا چکی تھیں، مہک کی بات اپنی لندن

کی خالہ کے بیٹے سے تائی امی نے آناً فاناً طے کر دی تھی، کروڑوں کی پراپرٹی کے مالک اکلوتے لڑکے سے مہک کو شادی پر حیرت انگیز طور پر ذرا اعتراض نہ تھا، خوب سے خوب تر کی تلاش والی فطرت سے اس کی ماں بھی خوب واقف تھیں، مہک کو اپنے دولت منداور ہینڈسم منگیتر سے آنے والی خوشیوں کا شدت سے انتظار تھا، نور کو تائی امی نے ہی یہ سب بتایا تھا جسے سن کر اسے ہرگز حیرت نہ ہوئی تھی، وہ گم صم بنی بس سنتی رہی، جیسے کسی پتھر کے بت سے گفتگو کی جا رہی ہو۔

''تمہیں مہندی اپنے ہاتھ سے لگاؤں گی۔'' رامین اس کے سامنے بیٹھی اس سے بول رہی تھی، نور نے الجھی نظروں سے رامین کی طرف دیکھا تھا پھر اپنی دونوں ہتھیلیاں رامین کے سامنے پھیلا دیں، رامین کو اس کے خاموش رویے سے ٹھیس تو پہنچی لیکن وہ خود لاچار تھی لب کاٹنے لگی۔

''تم سے کسی بھی بات کا ذکر نہ کرنے کی امی نے مجھ سے قسم اٹھائی تھی۔'' وہ مہندی سے پھول پتیاں اس کی ہتھیلی پر بناتی بول رہی تھی اور اس کی نگاہوں سے چھلکتی شکایت رامین سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن وہ پھر بھی اس کی ہر بات کے جواب میں لب سیئے بیٹھی رہی جیسے لب نہ کھولنے کا عہد کر لیا ہو، رامین نے پھر کچھ نہ کہنے کی جسارت ہی نہ کی، وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھی کہ مہندی سے رچے ہاتھ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ مہندی لگانے سے ہی نہ انکار کر دے، ابھی اس کے دل کو شدید ٹھیس پہنچی تھی، وہ اپنوں کے ہر رویے پر شاکی ہو رہی تھی، حالات اس رخ پر جا رہے تھے کہ سب ہی وقت کے ہاتھوں بے بس و لاچار تھے، نہ جانے ان کے درمیان پنپنے والی غلط فہمیاں کب اپنا دم توڑیں گی، رامین نور کی خوشیوں بھری زندگی کی متمنی تھی، وہ اس کے مہندی سے رچاتے ہاتھوں کو تھامے دل سے اس کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا گو تھی، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ نور اس سے ناراض ضرور ہے لیکن بہت جلد ان کی صلح ہو جائے گی کیونکہ دونوں کی محبت ایک دوسرے سے سانسوں کی حد تک جڑی تھی اور نور رامین سے زیادہ دن ناراض رہ ہی نہیں سکتی تھی، دونوں ایک دوسرے کو انتہا کی حد تک چاہتی تھیں اور مانوس تھیں، دونوں کے دل جانتے تھے یہ بیگانگی محض چند دنوں کی ہے۔

☆☆☆

نور نے اپنی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھا جو مہندی کے رنگ میں رچی لال گلال ہو رہی تھیں، اسے لگا یہ مہندی کا رنگ نہیں اس کے ارمانوں کا لہو ہے، لہو کا یہ گہرا رنگ اس کی تقدیر نے کتنی آسانی سے ثبت کر دیا تھا، وہ چاہتے ہوئے بھی یہ رنگ اپنی زندگی سے کھرچ کر نہیں نکال سکتی تھی، اس نے اپنے نفس پر جبر کر لیا، اپنی انا کو اپنے ہی قدموں تلے مسل ڈالا تھا، نہ جانے کون کون سی رسموں کے بعد وہ آج بالآخر رخصت ہو کر دلہن بن بیٹھی تھی، پھپھو نے اس کی کئی بلائیں لے ڈالی تھیں، اسے محبت سے کمرے میں سجے سجائے بیڈ پر پھولوں کی مہکی کلیوں کے درمیان بٹھا کر جا چکی تھیں، وہ آدھے گھنٹے سے اپنی آنکھوں کے آگے مہندی سے رچے ہاتھ پھیلائے تقدیر کی لکیروں کو کھوج رہی تھی کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

ایک...... دو...... تین...... چار...... کئی لمحے منٹوں میں بدل کر خاموشی سے گزر گئے، وہ گہری سانس خارج کر کے مضبوط قدموں سے ڈریسنگ روم گھس گیا، اس نے تیکھے نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا جو کچھ زور سے بند ہوا تھا، کچھ دیر میں دروازہ کھلا تھا وہ کپڑے بدل کر آیا تھا۔

''یہ آپ کے لئے امی لے کر آئی تھیں۔'' وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھا اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ مخمل کی ڈبیا لہرا رہا تھا جس میں دل کی شکل کا وائٹ گولڈ نیکلس تھا، اس نے ایک نظر دیکھا اور دل ہی دل میں سراہا تھا۔

''کیسا لگا؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور اس کی ہتھیلی پر ڈبہ رکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''اچھا ہے۔'' وہ زبردستی ہونٹوں پر تبسم لا کر بولی، اس لمحے اس نے جانا تھا کہ جذبات کو سلیقہ سے چھپانا آتے آتے ہی آ ہی جاتا ہے۔

''آپ کپڑے بدل لیں کیا یونہی بیٹھی رہیں گی۔'' وہ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اب اپنے بال سنوارتے ہوئے بول رہا تھا، نہ جانے کیسا عجیب لہجہ تھا، مخمل کی ڈبیہ ہاتھ سے وہ سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر کسی ربورٹ کی مانند کھڑی ہوئی تھی، کھنکتی چوڑیوں سے اس نے دوپٹے کا آنچل درست کیا تھا پھر ڈریسنگ روم میں چلی گئی جب کپڑے بدل کر واپس دھلے چہرے کے ساتھ آئی تو نبیل بیڈ پر لمبی تان کر سو رہا تھا، دل یہ منظر دیکھ کر واویلا کرنے لگا لیکن وہ اب بہری ہو گئی تھی، دل کی کسی بات پر کان نہ دھرتے ہوئے بیڈ کے دوسرے کنارے پر چادر تان کر سو گئی، آنکھ بند ہوتے ہی اندھیرا چھا گیا تھا، اس نے اپنے بڑوں سے سنا تھا، شادی اندھا کنواں ہوتی ہے کوئی اوپر آ جاتا ہے تو کوئی اپنی کم عقلی کے باعث ڈوب جاتا ہے، وہ بھی ایک ایسا ہی کنواں دیکھ رہی تھی جہاں اسے اس وقت اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا لیکن اسے ڈوبنا نہیں تھا۔

☆☆☆

صبح کی کرنیں پھوٹیں تو اس کی آنکھ کھلی تھی پہلو میں دیکھا نبیل غائب تھا، بستر سے نکل کر وہ واش روم گھس گئی، شاور کا پانی زمین پر شڑاپ شڑاپ اس کو چھوتے گر رہا تھا، پانی کا یہ شور اسے اچھا لگ رہا تھا، پانی کے ساتھ ساتھ دل بھی چیخ چیخ کر شور مچا رہا تھا، دونوں جب ساتھ مل کر چلانے لگے تو اس کے اندر کا سارا غبار دھلنے لگا، آنکھیں نمکین پانی برسا رہی تھیں، وہ ہلکی پھلکی ہو کر نکلی تھی۔

''امی بلا رہی ہیں نیچے آ جائیں۔'' وہ گیلے بالوں کو برش کر کے سلجھا رہی تھی کہ کمرے میں اچانک نبیل داخل ہو کر بولا، اس نے اثبات میں بناء کچھ کہے سر ہلا دیا، نور نے نبیل کی نظروں میں لمحے بھر کی محویت محسوس کی تھی وہ جا چکا تھا، وہ مسرور بنی نہ جانے کیوں مسکرانے لگی، پھر ہلکا پھلکا تیار ہو کر اس نے اپنی بری کا ایک جوڑا پہنا تھا اور نیچے آ گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے پھپھو کو سلام کیا اور ان کے گلے میں بازو حائل کر دیئے، ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کا سامان رکھتی پھپھو نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور محبت سے دیکھتی کرسی میں نبیل کے بالکل برابر بٹھا دیا اور بولیں۔

''تم لوگ آرام سے ناشتہ کرو میں مہمانوں کو دیکھ لوں کچھ ہی دیر میں نور کے گھر والے آتے ہی ہوں گے۔''

سلائس، جام، مکھن، انڈے، پراٹھے، پوریاں، کباب، جوس، چائے، لوازمات کی بھرمار ٹیبل پر موجود تھی وہ گم صم ناشتے کے سامان کو دیکھ رہی تھی جبکہ نبیل پوری طرح ناشتہ کرنے میں مصروف تھا، اس نے ایک بار بھی اسے اپنے ہمراہ ناشتہ کرنے کی آفر نہیں کی تھی۔

''خود غرض کہیں کا جب اسے میری کسی بات کی پرواہ نہیں تو میں کس خوشی میں بھوک سے خودکشی کروں۔'' اس نے دل میں نبیل کو محویت

سے ناشتہ کرتے دیکھ کر غصے میں سوچا اور سلائس اور انڈے پلیٹ میں رکھ کر آرام سے کھانے لگی، پھر اسے چائے کی طلب ہوئی اس نے اور نبیل نے ایک ساتھ چائے دانی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، نور کا ہاتھ اچانک ہی نبیل کے مضبوط ہاتھوں سے ٹکرایا تو وہ گھبرا کر سمٹ گئی، نبیل نے اپنے ساتھ نور کی طرف بھی چائے کا کپ کھسکا دیا جسے اس نے تھام لیا تھا، وہ چائے کا پہلا سیپ ہی لے رہی تھی کہ پھپھو امی نے تایا، رامین اور مہک کے آنے کی نوید سنائی، مہک کا نام سنتے ہی نہ جانے کیوں چائے کا گھونٹ کڑوا کریلے جیسا بدمزہ سا ذائقہ لگنے لگا، اس نے دیکھا نبیل جلدی سے اٹھ کر ڈرائینگ روم کی جانب بڑھ رہا تھا، وہ چائے کی پیالی وہیں پٹخ کر نبیل کے پیچھے چلنے لگی پھر وہ جیسے ہی نبیل کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی رامین نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا، تایا ابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''کیسی ہو...... خوش ہو نہ۔'' رامین کی آنکھیں نم تھیں وہ اس سے لپٹ گئی۔

''ہاں خوش ہوں۔'' نور نے مسکرا کر مہک کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا تھا جو نبیل کے ساتھ سلام دعا میں مشغول تھی۔

''کیسی ہو مہک؟'' نور نے خود ہی مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہوں تم سناؤ۔'' اس نے ایک ادا سے چہرے پر آئی لٹ پیچھے دھکیلی۔

''نبیل بھائی ہم نور کو لینے آئے ہیں، اگر آپ کی اجازت ہو تو......'' رامین بولی۔

''رات کو ولیمہ ہے رامین اور پھپھو کہہ رہی تھیں کہ پارلر دوپہر میں جلد جانا ہے، ہم پھر چکر لگائیں گے۔'' نور نے نبیل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی مداخلت کرتے ہوئے بولی، نبیل نے حیرت سے نور کو جواب دیتے ہوئے دیکھا تھا، پنک کپڑوں میں بیٹھی نور سر پر دوپٹہ لئے پاکیزہ اور معطر سی لگ رہی تھی، نبیل نے اپنی نظروں کا زاویہ مہک کی طرف موڑا جو بلیک جینز اور کرتی پہنے اسی بے باک انداز میں گفتگو کر رہی تھی جو اس کا خاصہ تھی، شاید آج کل کے مردوں کو بے باک انداز ہی بھاتا ہے اس نے سوچا۔

پھپھو چائے کے لوازمات لائیں تو نور نے آگے بڑھ کر چائے کے ساتھ لوازمات سرو کیے، کچھ دیر بعد وہ دونوں رخصت ہوگئیں، تایا ابو ساتھ آئے تھے اور اسے امی کی طرف سے ڈھیروں دعائیں دے رہے تھے، وہ نم آنکھوں سے سنتی رہی، نبیل ان سب کو گیٹ تک چھوڑنے آیا تھا، پھر وہ پھپھو کے ساتھ دوسرے شہروں سے آنے والے مہمانوں سے ملاقات کرنے میں لگ گئی، نبیل نہ جانے کہاں تھا اسے خبر نہ ہوئی، اس کا دیور مطلوبہ وقت پر اسے پارلر چھوڑ آیا تھا، اس نے سوچا تھا رامین سے کبھی بات نہ کرے گی مہک کی شکل تک نہ دیکھے گی، لیکن آداب مہمان نوازی تو جو نبھائی رامین سے اسے جدا ہوئے محض ایک دن نے ہی بے چین کر ڈالا تھا، اس سے مل کر اسے ایسا لگا جیسے وہ ایک دن نہیں ایک صدی بعد مل رہی ہو، سارے گلے شکوے نہ جانے کہاں کھو گئے تھے، اب تو صرف اس کے ذہن میں نبیل تھا ایک ایسا پل صراط جسے اس نے پار کرتے وقت ذرا سی کوتاہی نہیں برتنی تھی، ذرا سی کوتاہی اسے جنت سے دوزخ تک لا کھڑا کر سکتی تھی، نکاح کے اس بندھن نے اسے شعور کی منزل پر پہنچا دیا تھا، وہ اب ہارنا نہیں چاہتی تھی جیت لینا چاہتی تھی، نبیل کو۔

☆☆☆

پندرہ دن گزر گئے۔

دونوں نے درمیان پہلے دن جیسی سرد مہری تھی، زندگی ولیمے کے دوسرے دن سے ہی کسی ربوٹ کی مانند گزر رہی تھی، نبیل اور فیصل صبح نو بجے ناشتہ کر کے دفتر چلے جایا کرتے تھے، گھر میں وہ اور پھپھو رہ جاتی تھیں، دوسرے شہروں سے آئے مہمان ہفتہ بھر میں آہستہ آہستہ رخصت ہو گئے تھے، اس کا پھپھو کے گھر بہت زیادہ آنا جانا نہ تھا یہاں گھر کی روٹین بے حد سادہ تھی، پھپھو فجر کی نماز پڑھ کر نبیل اور فیصل کا خود ناشتہ بناتی تھیں، انہوں نے صبح اٹھنے کے لئے اس پر پابندی نہیں لگائی تھی، وہ اب تک دن کے دس بجے ہی سو کر اٹھ رہی تھی، نہ جانے کیسی تھکن تھی جو اترنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی، آج وہ نو بجے ہی اٹھ گئی تھی، باہر لان میں پھپھو کرسی پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں وہ بھی وہیں چلی آئی اپنا ناشتہ کچن میں بنا کر۔

''السلام علیکم!'' ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے لئے وہ ان کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولی۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو، خوش رہو آباد رہو بیٹا۔'' وہ خوش ہو کر دعائیں دینے لگیں، نور کو دیکھتے ہی ان کے چہرے کی رونق بڑھ جایا کرتی تھی، نور کے تو وہم و گمان میں نہ تھا کہ پھپھو کی طبیعت میں اتنی انکساری اور محبت ہے کہ وہ خود بعض اوقات شرمندہ ہو جاتی تھی، ان میں ساس والی کوئی بات نہ تھی جسے وہ تلاش کرتی۔

''پھپھو آپ یہ کیا کھا رہی ہیں۔'' اس کے ہاتھ میں سلائس کے ساتھ انڈہ منہ میں جاتے جاتے ٹھہر سا گیا تھا، پھپھو کے سامنے باسی روٹی اور پودینے کی چٹنی رکھی دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

''رات کی باسی روٹی اور پودینے کی چٹنی میرا پسندیدہ ناشتہ ہے یہ۔'' وہ نوالہ منہ میں لے کر مزے سے بولیں تو نور کا منہ حیرت کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''پھپھو آپ باسی روٹی کیوں کھا رہی ہیں، میں آپ کے لئے تازی بنا لاتی ہوں، آپ کے پیٹ میں درد ہو جائے گا۔'' وہ اپنا ناشتہ چھوڑ کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تو پھپھو نے اسے آرام سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

''بیٹا اس ناشتے میں کیا برائی ہے، آج کل بچے ڈبل روٹی، انڈے پسند کرتے ہیں، ہم سے یہ ناشتے نہیں ہوتے، رات کی روٹی سے پیٹ درد نہیں ہوتا بیٹا بلکہ ہماری اماں کہتی تھیں کہ پیٹ کو معتدل رکھتی ہے، پودینے کی چٹنی کے ساتھ تو اس کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے، اگر باسی روٹی نہیں ہوتی تو میں اپنے لئے پراٹھا بنا لیتی ہوں اور مکھن کے ساتھ کھاتی ہوں۔'' وہ اپنی مخصوص ملائمت سے بولیں، کیسی شفقت تھی ان کے چہرے پر۔

نور نے ایک نظر مسکرا کر ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو ضعیف تھے لیکن وہ جسمانی طور پر تندمند تھیں، سارے گھر کا کام بڑی پھرتی سے کیا کرتی، صفائی کے لئے گھر میں صرف ماسی رکھی گئی تھی ورنہ کپڑے، برتن، کھانا پکانا، مہمان داری وہ سب ہی کچھ کرتے کبھی تھکن کا شکار نظر نہ آتی تھیں، وہ شوہر کے جانے کے بعد گھر اور باہر دونوں حالات سے نمٹ رہی تھیں، ان کے بات کرنے کا انداز اتنا میٹھا اور دل موہ لینے والا تھا کہ نور کو اپنے اندر کسی گھٹن کا احساس ہی رہتا نہ تھا، وہ پھپھو کی پرمغز باتوں سے خوب سیر ہوتی تھی سارا دن کیسے گزرتا پتا ہی نہیں چلتا۔

''پھپھو امی نے ایک بار بتایا تھا آپ کی شادی پندرہ برس کی عمر میں ہی ہو گئی تھی، آپ نے صرف آٹھویں کلاس تک ہی پڑھا، شادی کے بعد پڑھنے کا دل نہیں چاہا یا پھر پھوپھا نے روک ٹوک کی۔'' وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی، گزری

باتیں دہرانا اسے اچھا لگتا تھا۔

''بیٹا تمہارے پھوپھا نے کبھی کسی بات پر مجھ پر روک ٹوک نہیں کی، اللہ ان کا گھر جنتوں میں بنائے بہت ہی نفیس انسان تھے، میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا میں نے کسی مکتب سے اعلیٰ ڈگری حاصل نہیں کی۔'' وہی ملائمت والا انداز تھا۔

''لیکن پھپھو آپ کو دیکھ کر اور آپ سے بات کرکے تو ہرگز نہیں لگتا کہ آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ آپ تو مجھے کسی کالج کی لیکچرار معلوم ہوتی ہیں۔'' وہ سچ مچ پھپھو کی شاندار پرسنالٹی اور مرعوب کردینے والی باتوں کی مرید ہو گئی تھی۔

''بیٹا علم زمانے کے نشیب و فراز سے حاصل ہوتا ہے، علم انسانوں سے مل کر حاصل ہوتا ہے، ہر شخص اپنے دل و دماغ اور زندگی میں علم کے کئی راز پنہاں رکھے بیٹھا ہے، ہم مختلف لوگوں سے نہیں بلکہ دنیا کے کئی کرداروں سے ملتے ہیں ان سے اچھی باتیں سیکھتے ہیں، میں نے بھی اپنے آس پاس کے لوگوں سے مل کر علم حاصل کیا ہے۔'' وہ عاجزی سے بولیں۔

''میں بہت خوش قسمت ہوں پھپھو کہ میری زندگی میں آپ شامل ہیں اور میں سچ مچ آپ سے بہت کچھ سیکھتی ہوں۔''

''بیٹا انسان کا دماغ اس کی آنکھوں اور وجود پر چھا جاتا ہے، تم مجھے اپنی معصومیت کی بناء پر اچھی لگتی تھی، میرے بیٹے کے لئے تم ہی ہیرا ہو، لیکن بیٹا ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، وقت کے ساتھ انداز ضرور بدل جاتے ہیں لیکن انسان کی جبلت نہیں بدلتی، اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے لیکن تمہیں اسے حاصل کرنے کے لئے تھوڑی محنت کرنی پڑے گی۔'' وہ معنی خیز انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے زندگی کی تلخ حقیقت سے نہ صرف روشناس کروا رہی تھیں بلکہ اس مشکل سے نکلنے کا حل بھی بتا رہی تھیں، وہ سر جھکائے پھپھو کی باتیں سنتی رہی اور دل میں نئے عزم اور ولولے محسوس کر رہی تھی جو وہ اسے سونپ رہی تھیں۔

☆☆☆

''مہک کی شادی ہو رہی ہے۔'' نور، نبیل کو جانچتی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''پھر......؟'' وہ کمرے میں اخبار پھیلائے بیٹھا تھا، چھٹی کے دن ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں ہی اخبار پڑھتا تھا۔

''پھر یہ کہ اس کا ویزا آ گیا ہے، اسی لئے شادی دس دن میں ہو رہی ہے، کل تائی امی کا فون آیا تھا، وہ بتا رہی تھیں کہ کرنے کو کافی کام ہیں، شادی کے بعد رہنے کا موقع نہیں ملا، امی بھی کہہ رہی تھیں کہ کچھ دن رہنے آ جاؤ۔'' وہ نبیل کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی، اس کا اول دن سے لیا دیا سا رویہ اب بھی برقرار تھا، ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا، اس کا رویہ اس کے ساتھ اکثر دوستانہ بھی ہو جایا کرتا، لیکن دونوں کے درمیان حائل ان دیکھی دیوار نے ایک حد تک قید کر رکھا تھا، وہ جب بھی ایک قدم آگے بڑھنے کی کوشش کرتی نبیل اس سے ایک قدم پیچھے چلا جایا کرتا، وہ تو پچھلی ہر بات بھلا کر نئی زندگی کا آغاز چاہتی تھی۔

''پھر......؟'' وہ اب اخبار لپیٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا جو اچانک اس کی نظروں میں جھانکنے سے کنفیوژ سی ہو گئی تھی ایک مبہم سی مسکراہٹ نبیل کے ہونٹوں کے کنارے آ کر رک سی گئی، وہ اسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا اور نور بری طرح سٹپٹانے لگی۔

''میں امی کے گھر جاؤں؟'' وہ نظریں جھکائے صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''ہم نے ہر فیصلہ اب آپ کی مرضی پہ چھوڑ رکھا ہے جانا چاہتی ہیں جا سکتی ہیں، نہیں تو بھی کوئی مسئلہ نہیں۔'' نہ جانے کیسا انداز تھا، وہ کیا نام دیتی، ہاں...... ناں...... بات جو بھی تھی اس شخص کو اپنے جذبات کو چھپانے کا فن آتا تھا، اس وقت بھی وہ سپاٹ انداز میں اس سے بول رہا تھا۔

''میری اپنی شادی میں شرکت کے لئے کچھ تیاری باقی ہے، وہ کرلوں تو پھر چلی جاؤں گی دو دن بعد مایوں ہے اور میں پیلا جوڑا لینا چاہ رہی تھی۔''

''جیسے آپ کی مرضی، ضرور چلی جائیے گا۔'' وہ کہہ کر کمرے سے چلا گیا، تو اس نے پیچھے سے پکارا، وہ پلٹتے بنا رک سا گیا۔

''پھپھو کہہ رہی تھیں آپ کے ساتھ شاپنگ کے لئے چلی جاؤں۔'' وہ جلدی سے بولی تھی۔

''ٹھیک آپ ریڈی ہو جائیں میں باہر گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ خوش ہو کر اس کے کمرے سے جاتے ہی آئینے میں اپنے سراپے کا جائزہ لینے لگی، کپڑے ٹھیک تھے، اس نے ہلکا پھلکا میک اپ کیا، اپنی میرون چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر آ گئی، پھپھو کو اللہ حافظ کہہ کر وہ پورچ میں کھڑی گاڑی میں نبیل کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ نبیل کے ساتھ گاڑی میں شاپنگ کرنے تنہا جا رہی تھی، ورنہ پھپھو کے شدید اصرار کے باوجود بھی وہ اسے نہ کہیں گھمانے لے گیا نہ کہیں کھانا کھلانے، ان پچیس دنوں میں وہ گھر میں مقید رہی تھی، نبیل ولیمے کے دوسرے دن جو آفس گیا تو صبح کا گیا رات کو دیر سے آتا تھا، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس کے آنے تک وہ نیند سے بے حال سو چکی ہوتی تھی، سسرالی رشتہ دار جو دو چار تھے وہ شہروں سے باہر رہتے تھے، اس لئے دعوتوں کا سلسلہ بھی اس کی زندگی میں مفقود تھا، ان پندرہ دنوں میں البتہ نبیل کا رویہ اس کے ساتھ نارمل ہی رہا، لیکن نہ جانے کیوں وہ اس دیوار کو گرانے کے لئے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھا رہا تھا، وہ تو ایسی ضرب ہی کے انتظار میں تھی جو ان کے درمیان حائل سرد مہری کو محبت میں بدل دے، نکاح کے بولوں نے اس کے دل میں نبیل کی محبت کو پیدا کر دیا تھا، وہ اب اس کا شوہر تھا، نور نے ایک نظر نبیل کی طرف دیکھا جو گاڑی اب طارق روڈ کے ایک شاپنگ مال کی طرف موڑ رہا تھا، بلیو شرٹ پہنے ہلکی ہلکی شیو کھلتی رنگت میں وہ اس کی آنکھوں سے دل میں اتر رہا تھا، کاش یہ محبت وہ بھی اپنے دل میں اس کے لئے محسوس کرے، نور تلخی سے سوچ کر رہ گئی، گاڑی سے اتر کر اب وہ دونوں شاپنگ مال میں داخل ہو رہے تھے۔

''ہیلو مس نور کیسی ہیں آپ؟'' پیلے جوڑے کا انتخاب کرتی نور سے مخاطب شہزاد اس کے سامنے کھڑا مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''شہزاد!'' وہ ٹھٹکی اسے اس طرح اچانک دیکھ کر بولی تھی۔

''جی...... جناب شکر ہے آپ نے پہچان لیا ورنہ میں تو سمجھا تھا آج بھی آپ بنا دیکھے دوڑ لگا دیں گی اور ہم آپ کو بس جاتے ہوئے حیرت سے دیکھتے چلے جائیں گے، بہرحال آپ کہاں غائب ہو گئی تھیں، میں نے اپائمنٹ لیٹر آپ کو بھجوایا تھا شاید ملا نہیں آپ کو۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے بول رہا تھا۔

''جی نہیں ملا، مجھے جاب کی اب ضرورت نہیں۔'' وہ رخ موڑے اب اپنے انتخاب شدہ

سوٹ کو کاؤنٹر تک لے جانے کے لئے پلٹی تھی، اس دوران گلاس ڈور سے نبیل داخل ہوا۔

''او آئی سی جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا تھا۔

''سوٹ پسند آ گیا؟'' نبیل کاؤنٹر پر اس کے مقابل کھڑا تھا۔

''جی۔'' اس نے مختصراً کہا، پھر پلٹ کر دیکھا تو شہزاد اس کی طرف ہی آ رہا تھا۔

''اوکے۔'' وہ کاؤنٹر پر اپنا والٹ نکال کر پے منٹ کرنے لگا۔

''اوکے مس نور یہ میرا کارڈ رکھ لیں اگر......''

''سوری آپ کی تعریف؟'' نبیل نے نور سے اچانک بے تکلف ہو جانے والے شخص کی بات کاٹ کر پوچھا تھا، جسے وہ پہلے گلاس ڈور کے پیچھے دیکھ چکا تھا۔

''میں نور کا کلاس فیلو اور آپ؟'' شہزاد کا نور کی طرف بڑھا ہاتھ نیچے ہو گیا تھا۔

''میں نبیل اور یہ اب نور نہیں مسز نبیل ہیں۔'' وہ اس سے سخت لہجے میں بات کر رہا تھا، نور نبیل اور شہزاد کی طرف سہمی نظروں سے دیکھ رہی تھی شاید نبیل نے ان دونوں کو گفتگو کرتے دیکھ لیا تھا، جب ہی تیزی سے اس طرف آیا تھا، نہ جانے وہ کیا سمجھ رہا تھا، اس کے لہجے کی اجنبیت اور روکھا رویہ دل دہلا رہا تھا۔

''آئی ایم سوری مسٹر......نبیل...... نائس ٹو میٹ یو۔'' شہزاد نے مسکرا کر ایک نظر نور کی طرف ڈالنے کے بعد نبیل کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جسے روکھے انداز میں دیکھنے کے بعد وہ تیزی سے نور کا ہاتھ پکڑ کر شاپنگ مال کی سیڑھیاں تیزی سے عبور کرتا ہوا کار پارکنگ کی طرف آیا تھا، کار کے قریب پہنچ کر اس نے نور کی کلائی اپنے مضبوط ہاتھوں سے آزاد کی تھی، نور سارے راستے نم آنکھوں سے تیز ڈرائیونگ کرتے نبیل کی طرف دیکھتی رہی جس نے منہ سے پھر ایک حرف بھی نہ نکالا تھا، وہ اس کی لال ہوتی آنکھوں میں در آنے والی سختی سے سہمی بیٹھی رہی اپنے موقف کو بیان کر ہی نہ سکی، اس کے لب خاموش ہی رہے، اپنی بے گناہی میں کہنے کے لئے ایک حرف کہنے کی بھی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی، گاڑی گھر پہ روک کر وہ نور پر نظر ڈالے بغیر گاڑی سے اترا تھا، وہ بھی اتر آئی۔

''آ گئے تم لوگ، بڑی جلدی آ گئے میں تو سمجھی تھی کھانا کھا کر آؤ گے۔'' پھپھو گاڑی کی آواز سن کر باہر آ گئی تھیں۔

''امی میں ذرا کام سے جا رہا ہوں، رات کو دیر سے آؤں گا، ڈرائیور سے کہہ کر انہیں اپنی امی کے ہاں چھوڑ دیجئے گا۔'' نبیل کہہ کر دوبارہ گاڑی میں بیٹھا تھا پھر گاڑی ریورس کر کے تیزی سے مڑا، نور سرخ چہرہ لئے کھڑی رہی۔

''اسے کیا ہو گیا ہے سب خیریت تو ہے نہ بیٹا۔'' پھپھو کی جہاندیدہ آنکھیں نبیل کے اکھڑے رویے کو دیکھ کر بولی تھیں، نور کا چہرہ بھی بجھا ہوا تھا۔

''جی امی۔'' وہ سر جھکائے نم آنکھوں سے کمرے میں چلی گئی۔

پھپھو نے اس کے ہاتھوں میں ایک شاپر دیکھا پھر اس کے پیچھے کمرے میں ناک کر کے داخل ہوئیں، نور اپنے بیڈ پر گھٹنوں میں منہ دیئے رو رہی تھی۔

''کیا ہوا میری جان کیا بات ہو گئی؟'' وہ اس کا بھیگا چہرہ اپنے سینے میں چھپا کر بولیں تو نور پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور ساری کہانی پھپھو کو سنا دی جسے انہوں نے بہت غور سے سنا۔

''بس بیٹا رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے، تم نے اچھا کیا اپنے دل کی بات کہہ ڈالی، اگر تم آج مجھ سے یہ ساری باتیں چھپا لیتی تو ہو سکتا تھا کہ یہ مسئلہ سنگین صورتحال اختیار کر لیتا، بعض اوقات آنکھوں دیکھی باتیں حقیقت اور کبھی فریب لگنے لگتی ہیں، نبیل دل کا برا نہیں ہے، بعض اوقات انسان حالات کا شکار ہو جاتا ہے، اپنے جذبات اور نفس پر اس کا اختیار نہیں رہتا، لیکن تم ان حالات کا مقابلہ بہادری سے کرو۔'' وہ اسے نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔

''پھپھو میں اب کیا کروں؟'' وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''اپنا سامان پیک کر لو، امی کے ہاں تمہیں فیصل چھوڑ آئے گا، نبیل کو کچھ وقت دو، وہ پلٹ کر تمہاری طرف ہی آئے گا انشاءاللہ۔''

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟'' اس کے لہجے میں سسکی تھی۔

''اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں بیٹا، اپنی محبت اور سچائی کو اپنا ہتھیار بنا کر نبیل پر آزماؤ، فتح سچ کی ہی ہوتی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں تو نور کے ڈوبتے دل کو تقویت کا احساس ہونے لگا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

اس نے سلیقے سے اپنی کمر کے گرد رائل بلیو رنگ کی شیفون کی ہلکے کام والی ساڑھی لپیٹی، آئینے کے سامنے اپنے دمکتے چہرے پر ایک تنقیدی نظر ڈالی، شادی کے مقابلے میں آج ولیمے کے دن اس نے ڈارک میک اپ پارلر سے کروایا تھا، یہ دس دن اس کے مصروف ہی گزرے اتنے کہ اسے خود کو سوچنے کا بھی موقع نہ ملا، نبیل پھپھو کے ہمراہ ہر تقریب میں شرکت کرنے آتا رہا لیکن دونوں کے درمیان خاموشی کا فاصلہ حائل رہا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے نبیل کی بدگمانی دور کر کے اپنی محبت کا یقین دلائے، نبیل خاندان بھر کے لوگوں سے چہک چہک کر ملتا، اس پر کبھی ڈالی بھی تو ایک سرد نظر وہ بس اس کی رہ گزر پر پتھر کی طرح پڑی رہ جاتی تھی، لب کشا کرنے کی ہمت دم توڑ چکی تھی، دکھ کی اس بھٹی میں شاید وہ اکیلے تن تنہا جل رہی تھی، نہ جانے یہ جلنا اس کی ساری زندگی کا مقدر تھا کیا کبھی اس آگ پر محبت کی بوندیں بھی برسیں گی یا نہیں، وہ تلخی سے آئینے کے سامنے کھڑی سوچ رہی تھی، مگر میں کیا کروں؟ میں کیا کر سکتی ہوں؟

ایک مضبوط با اختیار مرد کے آگے ایک عورت کر بھی کیا سکتی ہے۔

''کر سکتی ہو بہت کچھ کر سکتی ہو۔'' اس کے دل سے آواز آئی، نور نے گھبرا کر خود سے سوال کیا

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اس کے لہجے میں سسکیاں پنہاں تھیں۔

''کیا کروں؟ اپنی محبت کی بھیک مانگوں۔''

''مانگ لو، اس میں حرج ہی کیا ہے، وہ تمہارا شوہر ہے، تم اس کی بیوی ہو۔'' دل آرام سے بولا تھا۔

اور پھر نور نے لپک کر کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور اپنے مضبوط قدم جماتی ڈریسنگ روم سے باہر آ کر ہوٹل کی شاندار عمارت میں داخل ہوئی تھی جہاں خاندان بھر کے لوگوں کا ہجوم موجود تھا، پھپھو نبیل بھی ایک طرف تھے، اسٹیج پر دولہا دلہن ایک دوسرے کی سنگت میں بیٹھے تھے، مہک کے چہرے پر قوس وقزاح کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

''آپ سے کچھ بات کرنی ہے؟'' وہ نبیل کے بمقابل فیصلہ کن لہجے میں کھڑی بول رہی تھی، نبیل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر نظریں پھیر لیں، پھر بے نیازی سے اپنے قدم ہوٹل کے بیرونی دروازے کے باہر کوریڈور میں جاتے جاتے اس نے تیزی سے اس کے مقابل سامنے آ کر راستہ روک کر کھڑی ہو گئی نبیل اس کے اس طرح اچانک سامنے آ جانے پر رک گیا اور پھر بولا۔

''کیا مسئلہ ہے تمہارا؟'' وہ اسے غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں...... میں...... وہ......'' وہ ہکلائی، سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

''کیا میں؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اب سینے پر ہاتھ باندھے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔''

''میں سب جانتا ہوں اور کسی تکرار یا بحث کے موڈ میں نہیں۔''

''آپ کچھ نہیں جانتے؟'' وہ منمنائی پھر آنکھوں سے آنسو ٹپکاتی بولی۔

''مجھے معاف کر دیں پلیز۔'' آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''کس بات کی معافی؟'' وہ اس کا جھکا سر دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہر بات کی۔'' وہ سر نہ اٹھا سکی شکستہ لہجہ ہر لفظ سے عیاں تھا۔

''ازالہ کرنا پڑے گا۔'' اس نے اب نور کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا تھا، نور نے چونک کر اپنا سر اٹھایا تھا، نبیل کی مسکراہٹ اسے الجھا رہی تھی، پہلے غصہ اب مسکراہٹ۔

''بیگم صاحبہ جس دن آپ گئی ہیں اسی دن مجھے امی نے سب بتا دیا تھا لیکن نکاح کے بعد جو بے گانگی آپ میرے ساتھ برتی رہی ہیں اس کا حساب کتاب تو ابھی باقی تھا، یہ جو ہمت آج آپ نے کی ہے اگر پہلے کر لیتی تو۔'' وہ اب شرارت سے بولتا ہوا اس کے گرد حلقہ تنگ کر رہا تھا وہ شرما کر پیچھے ہٹی تھی۔

''واپس چلیں پھپھو انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس نے یاد دلایا تو نبیل نے شوخ نظروں سے دیکھ کر قہقہہ لگایا تھا، نور نے نبیل کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں بھی وہی محبت تھی جو اس کے دل میں پنہاں تھی، دونوں کے درمیان حائل بیگانگی اور بدگمانی کی دیواریں گر چکی تھیں، اب اسے اپنی محبت کی سنگ میل صاف نظر آ رہی تھی، اس نے دیکھا نبیل اس پر جھکا سرگوشیاں کر رہا تھا۔

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

☆☆☆

ٹیلنٹ کی بلا

مصباح علی

اس نے دسویں بار موبائل کی چمکتی اسکرین کو انتہائی کوفت سے دیکھا پھر اسے الٹا کر رکھ دیا، سامنے ٹیبل پر ان سے جونیئر سر جھکائے صفحات الٹ پلٹ کر کہہ رہی تھی۔

''میم کس کا فون ہے، آپ اٹھا کیوں نہیں رہیں؟'' اس نے ناگواریت سے عینک کی اوٹ سے گھورکا پھر گردن جھٹک، تیزی سے صفحے پر کچھ اتارنے لگیں۔

جواب دینا ان کے نزدیک قطعاً ضروزی نہ تھا، ان کے ردعمل سے جونیئر کو بھی درست اندازہ ہوگیا تھا کہ کس کا فون ہوگا، وہ سب اس لڑکی سے بری طرح عاجز آگئے تھے، دن میں کم از کم اٹھ دس کالز ضرور کرتی تھی، اللہ سمجھے ان کالنگ پیکجز بنانے والوں کو کہ آدھے سے کچھ ہی کم یوزر اپنا پیکج ان کے ادارے پر ختم کرتے تھے جن میں یہ بنت صادقہ سرفہرست تھیں، واٹس ایپ پر گڈ نائٹ، گڈ ایونگ، کہانی پڑھی، کہانی پڑھی کی پوسٹ بھیجتی رہتی نہیں مجال جو وہ زچ ہو جائیں، زرہ برابر تنگ آ جائے، بہت ہی مستقبل مزاج تھی، ٹیبل کی سطح پر ابھرنے والی روشنی اور تھرتھراہٹ کو ایڈیٹر صاحبہ نے ایک بار پھر خاصی کوفت سے دیکھا، انہیں یقین تھا اب بھی وہی ہو گی اور دوسری جانب وہ بار باری ڈائل کر کے قدرے تھکی اور فون کو ایک جانب اچھال دیا، پھر کسمساتے اٹھی اور باہر صحن کی جانب بڑھی۔

''آخر کبھی تو اٹھائیں گی ناں، کبھی تو تنگ آ کر ریپلائے کریں گی، میں بھی باز آنے والوں سے میں نہیں ہوں بچو۔''

قارئین سمجھا کریں بھئی اس نے بہت جان جوکھوں سے مدیرہ کا نمبر حاصل کیا تھا اور چند طویل ترین کہانیاں لکھ، پوسٹ کروادیں، اب وہ دوسال سے مدیرہ کا مستقل دردسر بن چکی تھی، یہ نہ پوچھیں کہ تحریر لکھی کیسے، بڑی قربانی دینی پڑی اپنی بہن اپنے سے وابستہ ہر رشتے ہر چیز کی، ظاہر ہے اک تحریر اتنی آسانی سے تھوڑا لکھی جاتی ہے، تقریباً الٹا لٹکنا پڑتا ہے، بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور اکثر اوقات تو وہ سوکھے پاپڑ کھانے کو اور بیلن کندھوں کی ٹکور کے لئے استعمال ہوتا ہے، حرف عام میں قصہ مختصر یہ کہ کہانی کا پلاٹ دماغ میں کوندتے ہی کاغذ پنسل اٹھا اور بجہ جمورا دھما دھم ہو جا شروع، اختتام تک پہنچو تو یقیناً خود بھی پڑھنا اس قدر مشکل کہ دماغ گھوم جائے۔

☆☆☆

وہ مسودے ایسی حالت میں قطعاً نہ تھے کہ روانہ کرتے ہی باخوشی قبول ہو کر چھپنے لگے اور دھڑا دھڑ فرمائش آتی، یقین کریں پہلی نگاہ پڑتے ہی ایڈیٹر کا فون آنا تھا۔

''محترمہ خوش قسمتی سے ہمارے ہاں صرف اردو ڈائجسٹ چھپتے ہیں، برائے مہربانی آپ اپنا ٹیلنٹ ضائع نہ کریں بلکہ نیٹ سے کسی جاپانی، چائنیز میگزین کا پتا ڈاؤن لوڈ کریں، آپ کے ٹیلنٹ کو ضرور افاقہ ہوگا۔''

اتنی عزت افزائی سے بہتر ہے بندہ مزید وقت اور ہمت لگا کر الفاظ قدرے صاف کر لے، کام، کام، کام کے اصولوں پر عمل پیرا ہوتے وہ لفظ صاف کرنے لگتی، اب منظر یہ ہے۔

کمرے کے ایک کونے میں دونوں بڑے بچے ایک دوسرے کا ہیر اسٹائل بدلنے پر مصر ہیں، شدید دھینگا مشتی۔

ایک دوسرے کے منہ پہلے ہی چانٹوں سے لال ہو چکے تھے اس نے کاغذ قلم پٹخا اور ان کے لال چہروں پر مزید اپنے ہاتھ سے سرخی بھری اور چھوٹی کو بڑے کی گود میں تھما کر گلی کا رستہ دیکھایا شام تک کافی کام ہوگیا تھا، مگر کندھوں میں اکڑاو

کی وجہ سے گھر کا کوئی کام نہ ہوسکا، بھئی آخر وہ اتنی بڑی رائٹر بن رہی ہیں تو کیا گھر کے کام خود ہی کریں، میاں جی کے گھر آنے کا وقت تھا، وہ اپنی خیالی ہیروئن کی طرح سپنا سجائے آنکھیں دروازے پر بچھائے حسین مرغزار میں کھوئی تھی، میاں جی آئیں گے، مستقبل کی عظیم رائٹر بیوی کو بانہوں میں لے کر کم از کم ایک چکر تو ضرور ہی دیں گے، ساری تھکاوٹ اڑن چھو ہو جائے گی، سوچتے ہی اس نے اک سرد آور سانس اندر اتارا اور آنکھیں کھول دیں۔

سانولے چہرے کو مزید دہکا کر گرم تنور نما بنائے میاں جی سامنے کھڑے تھے جیسے امام صاحب کھڑے ہوں اور پیچھے میلے بچوں کی جماعت ہاتھ باندھے گردنیں جھکائے ماں کی ہونے والی ایوارڈ تقریب دیکھنے کو بے قرار تھے، میاں نے ایک تیز نگاہ کمرے میں پھیلے کچھ پھٹے، کچھ گول گول گیندیں بنی بکھری چیزوں پر کی، مزید رونق افزائی بچوں کے کپڑے، جوتے، کتابوں نے بخش رکھی تھی۔

''آج بھی صفائی نہیں کی۔'' جن نما سے ساجن نے دانت کچکچاتے اسے گھورا، کافی پری ناخنوں کے کنارے کترتے قدرے خفت سے بولی۔

''وہ......ایکچوئیلی کہانی پوری کر رہی تھی۔''

''ہوگئی؟'' لہجہ بے حد کاٹ دار تھا۔

''جی۔'' بہت فخریہ سا نکلا۔

''بہت اچھا، ابھی میں قلما بھی دیتا ہوں۔''

ظالم نے ایک موٹی سی کتاب اٹھا کر کندھے پر ایسی مہر لگائی کہ سارا دن لکھ لکھ کر اکڑ پٹھوں کو ٹکور ملنے سے نارمل ہونے کا احساس جاگا تھا، اس سے پہلے کہ کمرے میں بکھری نگارشات تابڑ توڑ حملوں کی طرح اس پر بجتی وہ جھٹ سے اٹھی، بچوں کے بازو پکڑ ساتھ لے گئی تھی، ان کے گندے چہروں پر ایک ایک رسید لگائی، کس کس کے صابن سے منہ دھوئے اور پھر تولیہ رگڑ کے اصلی شکلیں برآمد کیں۔

''کمینوں باہر گلی میں کھیلنے کے لئے بھیجا تھا یا جمعداروں کے ساتھ جھاڑو دینے، اتنا ہی شوق ہے تو گھر میں دے لیتے، کم از کم تمہارے جلاد باپ سے میری عزت افزائی تو نہ ہوتی۔''

بچے ہاتھ چھڑا کر اندر کو بھاگے اور ''بھوک'' لگی ہے کے نعرے مارنے لگے، عین اسی لمحے یاد آیا، پکایا تو کچھ بھی نہیں، پکاتی بھی کیسے، اپنی ہی لکھائی پڑھ پڑھ کر صاف کرنے میں اپنا بھیجہ خاصا پک چکا تھا، اس سے پہلے کہ جلاد میاں باتھ روم سے نکل کر کھانے کی جگہ اسے ہی کھا جائے وہ کچن میں بھاگی، ادھر ادھر ہر جانب نگاہ دوڑائی چہار اطراف ناشتے کے گندے برتن اس کا منہ چڑھا رہے تھے اور مکھیاں دھمالیں ڈال کر جا چکی تھیں البتہ مچھر ان پر سر تال الاپ رہے تھے، زندگی میں آج اس کا شدت سے جی چاہا۔

''کاش! الہ دین کا چراغ چند لمحوں کے لئے مل جائے، آج تو ہر قیمت پر خرید ہی لیتی، لمحوں میں کوکنگ کوئی آسان ٹاسک نہیں تھا۔''

اچانک نگاہ باسکٹ میں رکھی تازہ مولیوں پر گئی، مولیوں کا خون سفید سہی مگر ہمیشہ سے عزت بچانے میں کام آتیں تھیں، اس نے اٹھائیں چھیلیں کش کیں نمک مرچ اور زیرہ ملا کر مولیوں والے پراٹھے بنا لئے، ایک کٹورے میں کیچپ ڈال کر اپنے تئیں بہترین ڈنر کا اہتمام کیا تھا، جسے دیکھتے ہی میاں کی تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔

''آج پھر مولی کے پراٹھے، اوہ میرے اللہ!'' انہوں نے سر پیٹا۔

''سبزی دے کر گیا تھا وہ کیوں نہیں

پکائی؟''

اتنے مشکل سوال کے جواب میں اسے بروقت بچے ہی نظر آئے جو میاں کی واحد کمزوری تھے۔

''وہ...... بچے ضد کر رہے تھے، مولی کے پراٹھے کھانے ہیں۔''

بچے بھی اسی کے تھے مجال کیا ماں کی عزت رکھ لیتے۔

''نہیں نہیں مما، ہمیں تو ان سے بو آ رہی ہے، ہم نے نہیں کھانے۔''

لو بھلا بتاؤ ہو گی کسی کی اتنی بے مروت اولاد میاں نے پہلے بچوں کو پھر غصے سے اسے گھورا وہ تھوک نگلتی کچھ سوچ کر بولی۔

''تمہیں معلوم بھی ہے مولی کی افادیت، معدے کو صاف کرتی ہے اور جگر کو توانا، اسے کھاؤ تو رنگت مولی کی طرح دمک جاتی ہے۔''

''تمہیں ہمارے رنگوں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، انسان کی ناک بھی کوئی چیز ہے، بو اس میں سے بو اٹھ رہی ہے ناں اس کا کیا علاج کروں۔'' اسے اپنا دفاع کرنا تھا ہر صورت فوراً جواب حاضر تھا۔

''کبھی کسی شاعر یا مصنف سے پوچھو، خوشبو بھلے گلاب موتیے کی ہو یا مولی یا لک، گوبھی کی ہمیشہ بھینی بھینی لکھتے ہیں جو دل و دماغ کو سرور بخشتی ہے، ایک تم ہو۔''

وہ اسے تیز گھرکی دے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بچوں کے لئے ہوم ڈلیوری پیزہ آرڈر کرنے لگے۔

☆☆☆

بچے اور وہ ٹھیک بیس منٹ بعد برآمدے میں کرسی میز لگا کر پیزے سے لطف اندوز ہو رہے تھے ساتھ کوک کا دور چل رہا تھا، وہ اکیلی کمرے میں بچھے دسترخوان پر بیٹھی کچے پکے کہیں کہیں سے جلے مولی کے پراٹھے دیکھتی آنسو روکے بیٹھی تھی۔

''دنیا نے کبھی ٹیلنٹ کی قدر نہیں کی، ہر مصنف کو ابتدا میں ایسے ہی معاشرتی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے قدرے اچک کر پھر سے باہر دیکھا ایک پیس کے بعد دوسرا پیس دھڑا دھڑ کھا رہے تھے، پیزے کی پھیلی خوشبو نے نتھنوں کو اتنا بے چین کیا، پراٹھوں کا ایک نوالہ بھی اندر جانے سے انکاری تھا اور باہر والے اس قدر بے مروت صلح ہی مار لیں، میاں نے کوک کا آخری گھونٹ بھر کر اسے چڑانے کے لئے خود ساختہ ڈکار لی، پھر اندر کی جانب گردن کر کے پکارے تھے۔

''اگر تمہارے دماغ کی جھنجھناہٹ کم ہو گئی اور معدے جگر کو افاقہ ہو گیا ہے تو آ کر کھا سکتی ہو، تمہارے لئے پیس رکھے ہیں۔''

اتنی انسلٹ کے بعد تو اسے کبھی گوارا نہ تھا بھلے سونے کے نوالے ہوں اس نے صاف انکار کیا اور نا چاہتے ہوئے بھی جلے پراٹھے ہی زہر مار کیے۔

☆☆☆

میاں جی کو پہلے دن سے اس کے لکھنے سے پرخاش تھی، مستقبل کی ٹیلنٹڈ مشہور و معروف ہونے والی مصنفہ کا گلا سیڑھی کے پہلے اسٹیپ پر گھونٹ دینا چاہتے تھے، وہ تنگ آ گئے تھے، ایک جانب بکھرا کچن، پھیلا گھر، اوپر سے کاغذوں کی دشمن، پچھلے مہینے کی بات تھی، گھر میں کوئی فالتو کاغذ نہ تھا، بہت ادھر ادھر چھانٹا، آخر چھوٹے کے ہوم ورک والی کاپی اٹھائی آخری صفحات اپنے طور پر بہت مہارت سے کھینچے تھے، لیکن چشما تو ٹیچر کو فوراً علم ہو گیا، بچے کی خوب دھنائی

کی بیچارہ گول مٹول منہ پر ٹیچر کے فینگر پرنٹ لے کر پلٹا، ماں کا دل اندر تک ہول گیا تھا، فوراً اسے چمکارا۔

''آئے ہائے یہ کیا ہوا؟ کس منحوس نے مارا میرے بچے کو، کیا کر دیا تھا۔'' یک لخت اتنے سوال معصوم سا بچہ پانی بھری آنکھوں سے ماں کو دیکھتا رہا پھر منہ پھلا کر کہنے لگا۔

''آپ نے میری کاپی پھاڑی تھی ناں، ٹیچر نے اس لئے مارا ہے۔'' لمحہ بھر کی شرمندگی کو مجال کیا جو ماں نے خود پر سوار کیا ہو، کچھے میں ساری ممتا سمیٹتے بولی۔

''کوئی بات نہیں میرے لال، بس مجھے مشہور ہو جانے دے پھر دیکھ یہی مکھیچر جیسی تیری ٹیچر ترسے گی میرے آٹو گراف لینے سے، میں بھی کاپی کے بجائے اس کے گال پر ہی دوں گی، وہ بھی دونوں جانب۔''

بچہ تو بہل گیا مگر میاں کو بہلانا تو کیا سمجھانا بھی خاصا دشوار تھا، پورا ناول لکھ کر مسودہ انہیں تھمایا، وہ پکڑتے ہی چلا پڑے۔

''اے خبطی عورت، تجھے خدا کا واسطہ بس کر جا۔'' انہوں نے دونوں ہاتھ اس قدر زور سے جوڑے وہ قدرے سہم کر کچھ پیچھے ہوئی۔

''چھاپے خانے والے پڑھ پڑھ کر صرف ہنستے ہی نہیں ہونگے (تالیاں جو انہوں نے باقاعدہ قوالوں کی طرح زور سے بجا کر دیکھائی) بھی پیٹتے ہونگے، تمہاری فضول کہانی پر، کیوں ان کی ناک سے لکیریں نکلوا کر ہی ہٹو گی، بی بی تم مطالعے پر توجہ دو۔''

''پڑھتی تو ہوں۔''

وہ کمر کس کر کچھ آگے آئی میاں کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر پھر دو قدم پیچھے ہو گئی۔

''لکھنے کے بعد گن کر بیس دفعہ پڑھتی ہوں، صرف املا کی کچھ غلطیاں نکلتی ہیں۔''

''اوہ مجنوں کی ہم پلہ، اپنی ہی پڑھنے کی بات نہیں کر رہا، کسی اچھے رائٹر کو پڑھو، تاکہ تمہارے بھیجے میں کچھ آئے۔'' کہتے کہتے ہاتھ میں پکڑا فولڈ مسودہ کھول لیا، یقین مانوں ان کے سانولے رنگ پر چاند تارے سب چڑھ گئے، آنکھیں مشرق سے لے کر مغرب، شمال سے جنوب تک پھٹ گئیں۔

''اتنا لمبا نام۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''مسز بنت صادقہ ارتضٰی حسین گیلانی، جو دو چار نام رہ گئے تھے وہ بھی لگا لینے تھے تاکہ ایک صفحہ تو تمہارے تعارف میں پورا ہوتا۔'' پہلا اعتراض وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

''اور یہ میرا نام کس کی اجازت سے لکھا ارتضٰی حسین، اگر غلطی سے تمہاری کہانی چھپ بھی گئی اور میرے حلقہ احباب کو پتا چل گیا، میں منہ چھپاتا پھروں گا، جس قسم کا تم رومانس لکھتی ہو۔''

وہ مسودہ اس کے ہاتھ میں تھما اور چلے گئے، وہ بیچاری دل مسوس کر رہ گئی تھی، ان کی پیٹھ پیچھے چار گالیاں دیں، کسی خفیہ خزانے کی طرح دبے ٹیلنٹ سے سانولے موٹے میاں کو شروع سے ضد تھی، خود تو فائلز پر سائن کرنے کے علاوہ کچھ لکھنا نہیں آتا، مجھے میں ٹیلنٹ ہے، جلن تو ہو گی۔

☆☆☆

جب کوئی نیا آئیڈیا (جو اکثر و بیشتر جنوبی علاقوں کے سیلاب کی طرح آتا ہی رہتا تھا) آتا تو رات کی تنہائی میں میسر رومانٹک لمحات میں میاں کے گوش گزار کرتی، ان کا سارا موڈ غارت ہو جاتا، پہلے پہلے کسمساتے سنتے رہتے کہ شاید سمجھ جائے عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے مگر نہ جی، وہ جب باز نہ آتی تو وہ دو حرف اس کے

واہیات آئیڈے پر بھیج پہلو بدل سو جاتے، وہ اپنے ہیرو، ہیروئن کے بے سروپا جملوں اور گھٹیا ترین رومانس کے جوڑ توڑ میں الجھی تب چونکتی جب میاں جی کے خوفناک خراٹے بھیانک روپ دھار گئے۔

''اوہو، یہ تو سو ہی گئے، لگتا ہے کہانی بہت اچھی لگی تبھی تو پرسکون نیند آ گئی، یہ تو قارئین کو بہت پسند آئے گی، اینٹی ڈیپریشن واہ۔''

پھر کیا تھا کاغذ قلم منگوانے کی فرمائش جو کہ پوری نہ ہوئی، ہزار ہا منتیں کر لیں، کبھی بھول کا بہانہ، کبھی کام کا بہانہ، ایک دن اس کے ہاتھ میاں کی آفس فائل لگ گئی، اس میں خاصے کاغذ لگے تھے، جن کی پشت بالکل کور صاف تھی، ادارے والوں کو ویسے ہی صفحے کے ایک جانب تحریر چاہیے، ہوتی ہے، اس نے وہ چپکے سے نکالے اور کالے کرنے شروع کر دیئے، میاں صاحب نے دو دن میں ہر چیز اتھل پتھل کر دی، دس بار اس سے بھی پوچھا۔

''پرسوں میں نے خود یہاں رکھی تھی، آخر فائل چلی کہاں گئی۔''

بچوں سے باز پرس ہوئی وہ بھی چپ، آخر تھک کر صوفے پر ڈھے گئے اور دوسرے صوفے کے کشن کے نیچے سے کچھ کاغذ جھانک رہے تھے، اٹھ کر دیکھا، اوہو ہو پھر نہ پوچھو، بڑے بڑے راجاؤں مہاراجوں کو ان کا چہرہ مات دیتا تھا، وہ بلبلا کر اس پہ ٹوٹ پڑے تھے، غالباً اس نے چند کاغذوں پر باقی صفحات کی تحریر اتار کر ایک جانب رکھی اور باقی تمام کی پشت پر ناول۔

میاں جی کا غصہ تھا کہ کم ہو کر نہ دیا اور پھر وہ نئی مصنفہ کئی دن تک رضائی میں منہ دیئے ٹھسر ٹھسر روتے پائی گئی۔

دراصل اس کی ایک دور پار کی سہیلی بلکہ سہیلی کی سہیلی ایک مشہور و معروف رسالے میں لکھتی تھی، شہرت کا خوب ہی ڈنکا تھا، ایسے ہی عام بات چیت میں سہیلی نے بتایا، بلکہ بہت حد تک اپنے نمبر بنوانے کے لئے تعارف کروایا۔

''صادقہ تم فریال خالد کو جانتی ہو ناں۔''

''کون فریال خالد؟'' اس نے پوچھا۔

''ارے وہی جو فلاں ڈائجسٹ میں لکھتی ہے، وہی جس کی ہر ماہ تحریر بہت فرمائشوں سے چھپتی ہے۔''

''ہاں ہاں۔'' اسے یاد آ گیا۔

''ندا یقین مانوں میں تو اس کی بہت فین ہوں۔''

''ارے وہ میری بچپن کی سہیلی ہے۔'' ندا چمک کر بولی۔

''بلکہ یوں کہہ لو اکٹھے پنگوڑے جھولتے جوان ہوئے، اس کی اکثر کہانیوں کے آئیڈیاز تو میں ہی دیتی ہوں۔''

''اچھا۔'' اس کی متعجب سی آواز نکلی۔

وہ تو مصنفہ کی سہیلی سن کر خاصی مرعوب ہو گئی تھی، آئیڈیاز والی بات سن کر تو مغلوب ہی ہو گئی پھر تو ہر ملاقات میں فریال کا قصہ اور اس سے ملنے کی خواہش ایسے ظاہر کرتی جیسے زندگی کی آخری خواہش ہو۔

ایک دن خوب لش پش تیار ہوئی اور ندا کی منتیں ترلے ڈالے، یہاں تک کہ آنے جانے کا کرایہ بھی وہ اپنی جیب سے ادا کرے گی، اگلے چند گھنٹے بعد وہ فریال کے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں تھیں، اس نے سب سے پہلے فریال کے خدوخال خوب غور سے دیکھے۔

وہی دو آنکھیں درمیان میں جما ناک اس سے نیچے ہونٹ، چہرے کے اطراف دو کان، مختلف تو کچھ بھی نہیں تھا۔

''ہک ہا، بس قسمت ہی اچھی ہے اتنا نام کما لیا، ورنہ مجھ میں کون سا کمی ہے۔''

بہرحال فریال ایک وضع دار خاتون تھیں چائے پانی دیگر لوازمات کے ساتھ پیش کیے، چائے پینے اور گفتگو کے دوران ہی ڈور بیل بجی تھی، اس وقت فریال چونکہ اکیلی میزبان تھی خود ہی گیٹ کھولنے گئی تھی۔

وہ دس پندرہ منٹ بعد پلٹ کر آئی تھی، اس کے ہاتھ میں خاکی کاغذ میں لپٹا ایک پیکٹ اور چند نیلے نیلے کڑکتے نوٹ تھے، ندا نے اسے نظروں سے ویلکم کیا، اس کے لئے یہ کچھ نیا نہیں تھا البتہ صادقہ کی چنی منی آنکھیں ایسے پھیلیں جیسے بوتیک کا اسٹیچو ہو، سپاٹ پھٹی ہوئی۔

''یہ...... یہ...... یہ سب رسالے والوں نے دیا ہے۔'' بمشکل جوڑ جوڑ کے نکلا تھا۔

''ہاں۔'' فریال نے پیکٹ ٹیبل پر رکھا اور نوٹ پرس میں رکھ کر ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

''ظاہری بات ہے صادقہ، جب کوئی وقت نکال کر کسی کے لئے کچھ لکھے گا تو پھر ادھر سے بھی کچھ رسپانس ملے گا...... ناں...... کیوں فریال؟'' ندا کے جتاتے تبصرے پر فریال صرف مسکرائی اور دھیرے سے کہا۔

''فن کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ندا! فن کا اعزاز یہ نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ کوئی وصول کر سکتا ہے بس یہ تو شوق ہے، ہم لکھ کر خود کو مطمئن اور قارئین کو خوش کرتے ہیں، جواب میں ادارہ ہمیں خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بس۔''

ندا فریال کی انتہائی فضول اور بھاری باتوں سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، اس کی نظر مفت میں ملے رسالوں اور پرس میں دبکے نوٹوں پر تھی، جو مفت میں ملے اور پرس میں گھسے، اس نے چکنی چپڑی باتوں میں لکھنے کے گر جاننے کی کوشش کی۔

''کوئی خاص نہیں۔'' فریال اس کے سوال پر مسکرائی۔

''بس ذرا لکھنے کی پریکٹس ہو تو خود ہی آ جاتا ہے، اک بار قلم چلنے لگے تو سب خود بخود ہوتا جاتا ہے، مجھے تو پتا بھی نہیں چلتا کب ناول مکمل ہو گیا۔''

''اچھا صرف لکھنے کی پریکٹس۔'' اس کے متجسس دل نے سوچا۔

''بھلا مجھ سے زیادہ لکھنے کی پریکٹس کسے ہو سکتی ہے۔'' اسے اپنی طالبعلمی کا زمانہ خوب یاد تھا، سزا کے طور پر استانی پرنسپل صاحبہ کے آفس کے باہر ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیتیں اور تقریباً سو بار لکھواتیں تھیں۔

''آئندہ ہوم ورک گھر سے کر کے آؤں گی۔'' اور ایسی سزا لگ بھگ ہر پریڈ میں ہی ملتی تھی، کچھ فائدہ ہوا یا نہیں البتہ لکھنے کی خوب پریکٹس ہو گئی تھی، اس نے گھر آتے ہی کاپی پنسل ڈھونڈی بچے ہوم ورک لے کر بیٹھے تھے اس نے چھوٹے کی کاپی اٹھا لی، کچھ لکھنے لگی بچہ چیخ کر بولا۔

''ماما میں اپنا کام خود کروں گا، آپ جس دن لکھ کر دیتیں ہیں میم زیادہ مارتی ہے، کہ خود لکھا کرو، تمہاری مما کا لکھا پڑھا بھی نہیں جاتا۔'' اس نے منہ بسورتے بیٹے کے پاس رکھا فٹا (اسکیل) اٹھا ران پر ٹھوکا۔

''بے ادب ماں کا مذاق اڑا رہا ہے، ابھی تمہیں میرے ٹیلنٹ کا پتا نہیں، ایک دن آئے گا سب سے بڑی لکھاری ہونگی، وقت مانگو گے مجھ سے بات کرنے کے لئے۔'' بولتے بولتے بڑے بیٹے کے بستے پر نگاہ گئی، اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھاتی بچے نے بستہ بغل میں دابا اور باہر برآمدے میں جا بیٹھا۔

''بک ہا، بس قسمت ہی اچھی ہے اتنا نام کما لیا، ورنہ مجھ میں کون سا کمی ہے۔''

بہر حال فریال ایک وضع دار خاتون تھیں چائے پانی دیگر لوازمات کے ساتھ پیش کیے، چائے پینے اور گفتگو کے دوران ہی ڈور بیل بجی تھی، اس وقت فریال چونکہ اکیلی میزبان تھی خود ہی گیٹ کھولنے گئی تھی۔

وہ دس پندرہ منٹ بعد پلٹ کر آئی تھی، اس کے ہاتھ میں خاکی کاغذ میں لپٹا ایک پیکٹ اور چند نیلے نیلے کڑکتے نوٹ تھے، ندا نے اسے نظروں سے ویلکم کیا، اس کے لئے یہ کچھ نیا نہیں تھا البتہ صادقہ کی چنی منی آنکھیں ایسے پھیلیں جیسے بوتیک کا اسٹیچو ہو، سپاٹ پھٹی ہوئی۔

''یہ...... یہ...... یہ سب رسالے والوں نے دیا ہے۔'' بمشکل جوڑ جوڑ کے نکلا تھا۔

''ہاں۔'' فریال نے پیکٹ ٹیبل پر رکھا اور نوٹ پرس میں رکھ کران کے ساتھ آ بیٹھی۔

''ظاہری بات ہے صادقہ، جب کوئی وقت نکال کر کسی کے لئے کچھ لکھے گا تو پھر ادھر سے بھی کچھ رسپانس ملے گا...... ناں...... کیوں فریال؟'' ندا کے جتاتے تبصرے پر فریال صرف مسکرائی اور دھیرے سے کہا۔

''فن کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ندا! فن کا اعزاز یہ نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ کوئی وصول کر سکتا ہے بس یہ تو شوق ہے، ہم لکھ کر خود کو مطمئن اور قارئین کو خوش کرتے ہیں، جواب میں ادارہ ہمیں خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بس۔''

ندا فریال کی انتہائی نضول اور بھاری باتوں سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، اس کی نظر مفت میں ملے رسالوں اور پرس میں دبکے نوٹوں پر تھی، جو مفت میں ملے اور پرس میں گھسے، اس نے چکنی چپڑی باتوں میں لکھنے کے گر جاننے کی کوشش کی۔

''کوئی خاص نہیں۔'' فریال اس کے سوال پر مسکرائی۔

''بس ذرا لکھنے کی پریکٹس ہو تو خود ہی آ جاتا ہے، اک بار قلم چلنے لگے تو سب خود بخود ہوتا جاتا ہے، مجھے تو پتا بھی نہیں چلتا کب ناول مکمل ہو گیا۔''

''اچھا صرف لکھنے کی پریکٹس۔'' اس کے متجسس دل نے سوچا۔

''بھلا مجھ سے زیادہ لکھنے کی پریکٹس کسے ہو سکتی ہے۔'' اسے اپنی طالبعلمی کا زمانہ خوب یاد تھا، سزا کے طور پر استانی پرنسپل صاحبہ کے آفس کے باہر ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیتیں اور تقریباً سو بار لکھواتیں تھیں۔

''آئندہ ہوم ورک گھر سے کر کے آؤں گی۔'' اور ایسی سزا لگ بھگ ہر پریڈ میں ہی ملتی تھی، کچھ فائدہ ہوا یا نہیں البتہ لکھنے کی خوب پریکٹس ہو گئی تھی، اس نے گھر آتے ہی کاپی پنسل ڈھونڈی بچے ہوم ورک لے کر بیٹھے تھے اس نے چھوٹے کی کاپی اٹھا لی، کچھ لکھنے لگی بچہ چیخ کر بولا۔

''ماما میں اپنا کام خود کروں گا، آپ جس دن لکھ کر دیتیں ہیں میم زیادہ مارتی ہے، کہ خود لکھا کرو، تمہاری مما کا لکھا پڑھا بھی نہیں جاتا۔'' اس نے منہ بسورتے بیٹے کے پاس رکھا فٹا (اسکیل) اٹھا ران پر ٹھوکا۔

''بے ادب ماں کا مذاق اڑا رہا ہے، ابھی تمہیں میرے ٹیلنٹ کا پتا نہیں، ایک دن آئے گا سب سے بڑی لکھاری ہونگی، وقت مانگو گے مجھ سے بات کرنے کے لئے۔'' بولتے بولتے بڑے بیٹے کے بستے پر نگاہ گئی، اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھاتی بچے نے بستہ بغل میں دابا اور باہر برآمدے میں جا بیٹھا۔

''باہر روشنی زیادہ ہے اور ہوا کی تازگی بھی۔''

''ہائے ری قسمت، ظالم دنیا چاہتی ہی نہیں میرا ٹیلنٹ باہر آئے، ویٹ لگے کوکر کی طرح پھڑکتی رہوں، میرے ٹیلنٹ کی بھاپ تک نکلنے نہ پائے، چند دن پہلے کا واقعہ تھا۔''

بڑے بیٹے کی کاپی کے آخری صفحات پر جانے کیا جملے لکھ دیئے، اب یہ اللہ جانتا ہے جملے دماغ میں آئے تھے یا کہیں بالی ووڈ کی فلم میں سن لئے تھے، بہر حال جب بچے کا ہوم ورک چیک ہونے لگا، بند کرتی کاپی پر میڈم کی نگاہ گئی مشکوک نگاہ سے بچے کو دیکھا۔

''یہ کیا واہیات جملے لکھے ہیں، کس کو دو گے۔'' بچہ شرمندگی کے مارے بول بھی نہ سکا کہ میم میں نے نہیں میری والدہ نے لکھے ہیں، اس کے کان پکڑ کر جو میڈم نے درگت بنائی اور ڈائری پر الگ لکھا۔

''کل والدین کے ساتھ آنا۔''

اس نے گھر آ کر اپنے باپ کو رو رو کر سارا قصہ سنایا، وہ چپ کر کے سنتے رہے، پہلے ہی بیگم کی عادت سے عاجز تھے، بر فیلی آہ بھر کر اسے سمجھایا تھا۔

''بیٹا کچھ بیماریوں کا ہوتا ہے علاج اور کچھ ہوتی ہیں لاعلاج، بس تم صبر کرو، تمہاری ماں بھی لاعلاج ہو گئی ہے۔''

وہ بیچارے کیا کرتے، بہت سمجھا لیا تھا، مگر عقل مبارک میں جو سمایا تھا وہی رہا، پھر پیار چھوڑ چھاڑ پر اتر آئے، بھلا ٹیلنٹ کو بھی کبھی فرق پڑا ہے، کبھی اس کاغذ پر لکھ، کبھی اس کاغذ پر، بچے گندے، گھر جھاڑ منہ پہاڑ، اس نے انتہائی تگ و دو سے تین چار سلسلے وار کہانیاں لکھ لیں، صرف پوسٹ کروانے کی باری اور چیک ملنے کا انتظار تھا، کیا لکھا کیسا لکھا یہ اس کا سر درد نہیں تھا، جب میاں جی کو پوسٹ کروانے کے لئے دیا تو کالے کال جیسے جیلسی میاں نے صاف انکار کر دیا، انہیں پیسے لگا کر بے عزتی خریدنے کا کوئی خبط نہیں تھا، ان کے آفس نکلتے ہی اس نے انہیں دس گالیاں دیں اور دو حرف اس دن پر بھیجے جس دن نکاح نامے پر دستخط کئے تھے۔

''ایسا بے ادب ملا ہے کہ قسمت ہی پھوٹ گئی۔''

اس چادر کی بکل ماری اور ڈاک خانے خود چل پڑی، پوسٹ کا مرحلہ طے ہوا، ایک دو تین چار پورے چار ماہ گزر گئے، انگلیوں پر گن گن دن گزار ڈائجسٹ کے صفحات چھان چھان پڑھ لئے لیکن کہیں کوئی ذکر نہیں اور ان چار مہینوں میں کم از کم چار ہزار کالز تو کر ہی لی تھیں اور ہر کال پر ایک درخواست پڑھ لیں، پڑھ لیں، آخر کب پڑھیں گے۔

ایک دن مدیرہ نے تنگ کر آ کر کہا۔

''بی بی کیا تم نے پڑھ کر نہیں بھیجیں تھیں جو اتنی بے قرار ہو۔'' اور فون ٹھک بند۔

''اب کیا کرے وہ۔''

☆☆☆

ٹھنڈی ہوا بدن کو سرور بخش رہی تھی اور بیگم محترمہ کاغذ قلم لئے ٹیرس پر براجمان تھیں، ارتضی حسین کچھ دیر پہلے ہی گھر آئے تھے روز کی بک جھک سے قدرے تنگ بھی تھے، موسم کے تیور دیکھ کر پکوڑوں کو دل چاہا، بیگم سے کہنے کا مطلب تھا ایک اور طویل ناول جو انہوں نے پکوڑے پکانے پر ہی لکھ دینا تھا، اس سے کہیں بہتر ہے بازار سے لے آئے، کچھ ہی دیر میں لے بھی آئے، بچوں کو کھانے کے لئے پکارا، بچوں سے پہلے برآمدے میں رکھے لینڈ لائن نے شور مچا دیا،

فون ارتضٰی نے ہی ریسو کیا تھا اور مقرر کی بات سن کر خاصے حیران بھی ہوئے، پھر کھنکار کر بیگم کو بلایا گیا۔

''صادقہ بیگم آپ کا فون ہے، کوئی ڈائجسٹ والے ہیں، آپ کو بلا رہے ہیں۔''

وہ تو سنتے ہی بے ہوش ہونے کو تھی پھلانگتی نیچے آئی فون کان سے لگالیا اور ایک سوال۔

''محترمہ آپ مصنفہ صادقہ بات کر رہی ہیں؟'' ہاں کہتے ساتھ ہی اس نے اتنی اونچی خوشی سے چھلانگ ماری بس جی چھت سے بالشت بھر کا فاصلہ رہ گیا ہوگا، ورنہ پلٹ کر آتیں اور خودکشی کے زمرے میں جاتیں، ریسور کا پلگ بھی نکلتا نکلتا رہ گیا تھا، سرکس دیکھ کر بچوں کے منہ کھل گئے البتہ میاں آنکھیں پھیلائے گہری سوچ میں تھے۔

''پاگل خانے والے میگزین کب سے نکالنے لگے۔'' ان کی نگاہیں بیگم کے چہرے پر جمی تھیں جو کہ حتی المکان شرقاً غرباً پھیلائے ہیلو کے بعد حال چال پوچھ رہی تھی، وہاں سے جواب آیا۔

''بی بی ہمارا حال بالکل ٹھیک ہے، خدارا مستقبل کی چال خراب نہ کریں۔'' وہ سمجھی نہیں۔

''آپ نے بہت شاندار تحریر بھیجی (چبا چبا کر لفظ ادا ہوتے تھے) ہمارا سارا عملہ آپ کو تمغے لگانے کے لئے بے قرار ہے۔''

خوشی سے اس کا کلیجہ منہ تک اچھل آیا، سمجھ نہیں لگ رہی تھی اتنی تعریف کیسے سنبھالے۔

''آپ کی تحریریں پڑھ پڑھ کر ہمارے دماغ کی لسی بن چکی ہے۔''

''اچھا۔'' اسے تعجب ہوا۔

''پھر مکھن مجھے ضرور بھیجئے گا۔''

مدیرہ نے کڑوا گھونٹ بھرا، آج سے پہلے کبھی اس قسم کی مصنفہ سے واسطہ نہیں پڑا تھا، کچھ توقف سے وہ پھر کہنے لگیں۔

''بی بی سعیدہ صادقہ بتول حسین ارتضٰی حسین صاحبہ آپ سے مودبانہ التماس ہے کہ زیادتی کام کے بنا ہمارا آفس یہاں سے شفٹ ہو رہا ہے، برائے مہربانی اب اس پتے پر بھی کچھ ارسال مت کیجئے گا ورنہ آپ کو صرف ڈاک خرچ کی زحمت ہوگی۔''

''ارے ہاں۔'' وہ پھر سے بولیں۔

''ہمارے لینڈ لائن کے نمبر کی تبدیلی کی درخواست خوش قسمتی سے منظور ہو گئی ہے، تو اپنا قیمتی وقت ڈائل کو گھمانے میں صرف مت کریں۔''

کھڑاک، ریسور زور سے کریڈل پر رکھا گیا، مجال کیا جو کوئی لفظ بھی اس کے پلے پڑا ہو، وہ یہی سوچ رہی تھی۔

''ابھی تو تمغے اور مکھن دینے کو تیار تھے اور پھر کہہ دیا مزید کچھ نہ بھیجوں۔''

بہت دیر تلک ایک ایک جملے کو دوہرایا، پھر کاغذ پر اتارا شاید مطلب کچھ واضح ہو، رات تک گم صم متفکر بنی سوچتی رہی، بدحواسی میں ہی پکوڑے کھائے پانی پیا، پھر ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے سوچے گئی اور پھر میاں جی نے ہی کچھ سمجھایا، بیگم کی ساری رات کی صدماتی کیفیت پر اگلے دن آفس سے چھٹی کر لی، اسے شام تک قدرے افاقہ ہوا رو رو کر آنکھیں سوجا لیں اور روندھی آواز میں بڑبڑائیں۔

''مجھے تو پہلے ہی شک تھا یہ فریال خالد ڈائجسٹ والوں کی کچھ لگتی لگاتی ہے، تبھی تو ہر مہینے ڈائجسٹ میں چڑھی ہوتی ہے کوئی لمبی سفارش ہو گی اس کے پیچھے ورنہ میری تحریریں بھلا اس سے کم ہیں، اس سے زیادہ رومانس لکھا میں نے مگر

نہ جی مجھ نماڑی کی کیوں پسند آنے لگی۔'' اس نے دوپٹہ پکڑ کر پہلے آنکھیں رگڑیں پھر ناک زور سے رگڑ لیا۔

''بیگم حسد نہیں کرو، کوشش کرو۔''

اپنی فیورٹ مصنفہ کے بارے میں نازیبا بات ان سے بھی برداشت نہ ہوئی، غالباً آفس لنچ ٹائم میں وہ خود رسالہ منگواتے، وہیں پڑھ کر فارغ کر دیتے، گھر لانے کا رسک نہیں لے سکتے تھے، ظاہر ہے صادقہ صاحبہ سر چڑھ جاتیں کہ اس کی پڑھنے کے بجائے دوسروں کی پڑھ رہے ہو، میرا مسودہ پڑھا کبھی؟ اب وہ کیا حال دل بتاتے۔

''کوشش تو بہت کی مگر کچھ پلے بھی تو پڑے۔''

انہیں فون پر باتوں کے دوران اس کی بگڑتی بنتی شکلیں دیکھ کر کچھ اندازہ ہو گیا تھا، کچھ اس نے واضح کیا، تو ہمت کر کے روتی دھوتی بیگم کو پرسا دینے آگے بڑھے تھے، بچے بھی دیوار کے ساتھ چپکے ان کا شو دیکھنے کو تیار تھے۔

''دیکھو صادقہ بیگم۔'' وہ پاس ہی بیٹھ گئے۔

''تم دل چھوٹا مت کرو، یہ ڈائجسٹ میں لکھنا ہر کسی کا کام نہیں ہوتا، اس کے لئے حالات پر گہری نگاہ عمیق مطالعہ اور سب سے زیادہ طبیعت میں ذوق از حد ضروری ہے۔''

''تم نے تو ویسے میری قدر نہ کی، تم تو یہ کہو گے ہی۔''

''یہ بات نہیں ہے میری جان۔'' وہ جان کے کچھ زیادہ ہی قریب ہو گئے۔

''میں تمہاری بہت قدر کرتا ہوں، دیکھو اگر تم ڈائجسٹ کے معیار کا نہیں لکھ سکتیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم میں کوئی ٹیلنٹ ہی نہیں، اللہ نے اپنے ہر بندے میں کوئی نہ کوئی صلاحیت مخفی رکھی ہوتی ہے، بس اسے ڈھونڈنا بندے کا کام ہے، ہمارا گھر ہے، بچے ہیں، ان پر توجہ دو۔''

ان کے لفظوں کے جادو کا کسی قدر اثر ہوا اور ٹسوے بہاتی آنکھوں کو دوپٹے سے اور ناک کہنی سے رگڑی روندھی آواز میں حد درجہ بشاشت پیدا کی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، واقعی یہ رسالے والے میرے معیار کے ہیں ہی نہیں، ایویں لکھ لکھ دماغ پلپلا ہو گیا ہے، بس اب ایک ارادہ کیا ہے۔'' میاں جی دل سے مسکرائے، اس کا ارادہ سننے کے لئے کان چوکنے اور شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے قریب کیا اور محترمہ فرمانے لگیں۔

''میں آئندہ کسی ڈائجسٹ میں نہیں لکھوں گی ہونہہ۔'' ہاں تو ابھی پوری طرح سے خوش بھی نہ ہوئے تھے کہ اگلا جملہ کانوں میں پڑا۔

''بلکہ اب ٹی وی پر لکھوں گی۔'' میاں کے منہ سے بھاپ جتنی سانس بھی نہ نکلی اور وہ کہہ کر ڈھیرے سے اٹھتی خود کلامی کر رہی تھی۔

''ٹی وی پر بھلا کام ہی کیا ہوتا ہے سارا تو پروڈیوسر، ڈائریکٹر اور اداکار کرتے ہیں، رائٹر نے تو چند جملے لکھنے ہوتے ہیں وہ مجھے بہت اچھے آتے ہیں۔'' اس کا رخ اپنے سیل کی جانب تھا اگلے دو منٹ بعد وہ مختلف چینلز کے نمبرز نیٹ پر سرچ کر رہی تھی، ہونق زدہ بچوں نے باپ کو دیکھا اور انہوں نے بیگم اور پھر بچوں کو دیکھ کر ہلکے سے شانے اچکاتے بے ساختہ کہا۔

''کوئی تعویذ ہو، رد بلا کا، بیگم کے پیچھے ٹیلنٹ پڑ گیا ہے۔''

☆☆☆

نایاب جیلانی

پچیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام، نشرہ سے نکاح کے بعد اسے اپنے گاؤں لے آتا ہے جہاں عشیہ کے ساتھ تلخی پیدا ہوتی ہے، عشیہ اپنی والدہ کی وجہ سے انتہائی خوفزدہ دیکھائی دیتی ہے کہ اگر مورے کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا، ہیام بہن کو ساری صورت حال بتاتا ہے جس کی وجہ سے اسے یہ قدم اٹھانا پڑا، عشیہ اپنے بھائی کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس کا کھویا ہوا مقام ضرور لے کر دے گی۔

امام کا زندہ بچ جانا ایک معجزہ ہی ہوتا ہے، امام کی خالہ اسے فوری طور پر نوکری سے ریزائن کرنے کو کہتی ہیں۔

امام کو حمت کی یاد آتی ہے جس کی شکل اس کی بہن کومے سے ملتی ہے، وہ اپنی الجھن کا ذکر اپنی خالہ سے کرتا تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔

نیل برا کیلی رہ کر گھبرا جاتی ہے اور وہ جہاندار سے کہتی تو جواباً وہ گھر کے کام کرنے کے لئے اسے کہتا ہے۔

پری گل کسی نہ کسی طرح امام کا نمبر حاصل کر لیتی ہے اور لا کر حمت کو دیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چھبسویں قسط

بے یقینی کی یہ کیفیت کئی لمحوں پہ محیط تھی۔

وہ ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے بی جاناں کے الفاظ پہ یقین نہیں آ رہا تھا، کیا وہ شاہوار کے لئے ایسے الفاظ بھی کہہ سکتی تھیں؟

''بنو محل کے دروازے تم پر بند ہیں۔'' انہوں نے اس کی خوش گمانی کو چکنا چور کرتے ہوئے جتلایا تھا۔

''بولو، منظور ہے؟'' وہ جیسے اس کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہی تھیں، شاہوار کئی پل کچھ بول ہی نہ سکا اور خاموش تو صندیر خان بھی تھا، اسے بی جاناں سے انتہائی اقدام کی امید نہیں تھی اور اب گیند شاہوار کی کوٹ میں تھا، بھلا وہ کیا فیصلہ کرتا؟

سبا خانہ پہ کسی اور کو ترجیح دینے کا فیصلہ کتنا غلط تھا یہ شاہوار کو اس وقت معلوم نہیں تھا اور صندیر خان پہلے سے ہی جانتا تھا کہ شاہوار اچھا فیصلہ نہیں کر سکتا؟ اپنا فائدہ کہیں نہیں دیکھتا، نہ دماغ سے سوچتا ہے۔

''یہ شادی کا معاملہ ہے، پوری زندگی کا معاملہ ہے، کوئی کاروباری معاہدہ نہیں جس پہ منظوری کی مہر لگانا یا نہ لگانا ضروری ہو۔'' شاہوار نے جزبز ہوتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''مجھے جواب چاہیے۔'' بی جاناں کا لہجہ سرد، روکھا اور اجنبی تھا، وہ جواب کے بغیر ٹلنے والی نہیں تھیں۔

''تو پھر مجھے منظور ہے۔'' فیصلہ کٹھن تھا، مگر ہو گیا، صندیر خان نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے۔

''سبا خانہ کی شادی غیروں میں ہو گئی تو اس کے حصے کی جائیداد باہر چلی جائے گی۔'' وہ شاید کسی نہ کسی طریقے اسے قائل کر لینا چاہتی تھیں، لیکن شاہوار اپنے فیصلوں میں اٹل تھا۔

''یہ میرا دردسر نہیں۔'' وہ پرسکون تھا۔

''تو پھر سوچ لو، یہ انکار تمہیں اپنے خاندان سے دور لے جائے گا۔'' بی جاناں کا انداز غصیلا تھا، ساری عمر اپنے فیصلوں کا اختیار اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے والی اس عورت کو بغاوت کا یہ الم اٹھتا نظر آ رہا تھا اور اس نے اس بغاوت کو کس رخ پہ دبانا تھا؟ فی الحال کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

''تم دونوں بھائی ہمیشہ کے لئے دور ہو جاؤ گے؟ کیونکہ خاندانی روایت سے بغاوت کی سزا تم جانتے ہو، بنو محل کا کوئی فرد تم سے عمر بھر کبھی نہ ملے گا۔'' وہ مہرے پہ مہرہ چل رہی تھیں، لیکن ان کا ہر مہرہ ہی الٹی چال پہ پڑ رہا تھا۔

''رشتوں کی یہ جذباتی بلیک میلنگ مجھے میرے ارادوں سے باز نہ رکھ سکے گی۔'' شاہوار نے ایک دکھ بھری نگاہ اپنے بھائی پہ ڈالی تھی، وہ ایسے خاموش تھا جیسے یہاں موجود ہی نہیں۔

''تم نقصان اٹھاؤ گے شاہوار! جیسے کبیر بنو نے اٹھایا تھا، ایک فرنگن سے بیاہ رچا کر، یا جیسے گلفام خان (حمت کے والد) نے اٹھایا تھا، اس شہری لڑکی کی بہن سے چوری چھپے نکاح کر کے، ایسے ہی تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔'' وہ اسے ڈرا رہی تھیں، تا کہ کسی بھی طریقے سے وہ اپنے ارادوں

پہ قائم نہ رہ سکے، وہ اپنی ضد اور خواہش کو ترک کر دے۔

''اگر خسارہ میری قسمت میں لکھا جا چکا ہے تو میں ضرور خسارہ اٹھاؤں گا۔'' اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا، صندیر خان نے گہرا سانس بھرا اور شاہوار کو دیکھنے لگا، جیسے بہت دیر کی سوچ کے بعد وہ کسی نتیجے پہ پہنچ گیا تھا۔

''اگر تم اپنی اسی ضد پر قائم ہو تو پھر بی جاناں کا فیصلہ بھی سن لو۔''

''کون سا فیصلہ؟'' وہ جاتا جاتا پلٹ آیا تھا اور کچھ چوکنا ہو گیا تھا، اس کا چال باز بھائی یقینی طور پر کوئی اچھی چال سوچ چکا تھا، شاہوار کو اندازہ ہو گیا، صندیر خان بغیر فائدے کے کبھی کچھ سوچ نہیں سکتا تھا۔

''یہاں بیٹھو اور ٹھنڈے دل کے ساتھ سنو۔'' وہ ملائمت سے بولتا ہوا اپنے برابر اشارہ کر رہا تھا، شاہوار نے نخوت سے اسے ٹوک دیا۔

''تم بات کرو، باقی چھوڑو۔''

''تسلی سے سن لیتے تو بہتر تھا، اینی وے میں تمہیں اپنی خاندانی روایات کا بتانا چاہتا ہوں، جو تم یقینی طور پہ بھول چکے ہو، تمہیں یاد نہیں ہو گا، گلفام چچا نے جب شہر میں دوسری شادی کی تھی اور ودھا کی ماں پہ سوکن آ گئی تھی تو تب انہیں گھر اور جائیداد سے بے دخل کر دیا گیا تھا، کئی سال تک ایسا ہی رہا، پھر دادا کی وفات پہ گلفام چچا کو گھر آنے کی اجازت ملی، لیکن جائیداد میں کوئی حصہ تب بھی نہ ملا، اسی وجہ سے حمت کو ہمارے بڑھوں کی جائیداد میں سے حصہ نہیں ملے گا۔'' صندیر خان کا انداز نرم تھا، سمجھانے والا، جیسے وہ اسے روک بھی نہیں رہا تھا اور ارادوں سے باز بھی رکھ رہا تھا، شاہوار نے گہرا سانس بھرا، اسے امید تھی، صندیر خان اسے یہی بات باور کروانے کے لئے آخری پتہ سنبھال کر بیٹھا تھا۔

''تو پھر......؟'' اس نے استہزائیہ انداز میں اپنی خود غرض دادی اور مادیت پرست بھائی کو دیکھا تھا، یقینی طور پر صندیر خان اس بات کی خواہش رکھتا تھا کہ شاہوار اپنے ارادے سے نہ ہٹے۔

''تمہیں قانونی طور پہ اپنے حصے کی پراپرٹی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔'' صندیر خان کے الفاظ شاہوار کے استہزائیہ میں اضافہ کر گئے تھے، وہ جانتا تھا، اس کا بھائی رشتوں کے نام پہ کھیل رچا کے ایسے ہی حق داروں کے پتے کاٹ ڈالتا تھا، نیل بر کے بعد اب شاہوار خان کو بھی ہر شے سے بے دخل کر دیا جانا تھا۔

صندیر خان غضب کا پلانر بندہ تھا، ہمیشہ اپنی پلاننگ میں کامیاب رہتا، شاہوار نے ایک نخوت بھری نگاہ ان دونوں پہ ڈالی اور اس عام سی اجنبی نخریلی اور غصیلی لڑکی کی بے نیازی پہ اپنے باپ کی دھن کو ٹھوکر سے اڑاتا بنو محل سے ہمیشہ کے لئے نکل آیا۔

وہ ایسا جوا کھیل کے آیا تھا، جس میں پیچھے بھی مات تھی اور آگے بھی مات تھی، پیچھے بھی ہار تھی اور آگے بھی ہار تھی۔

☆☆☆

ہٹ میں آ کر بھی بے سکونی دل و دماغ پہ چھائی رہی تھی، اسے رو رو کر اپنے بھائی کی خود غرضی

پہ غصہ آ رہا تھا، کوئی اس قدر بھی کٹھور اور سیلفش ہوتا ہے؟

پھر اسے بی جاناں کی فرمائش پہ تاؤ آنے لگا تھا۔

''ہونہہ، میری کوئی خوشی کوئی مرضی نہیں، ان کی پسند سے شادی کروں، حد ہے صندیر خان سے کیوں نہیں کہتیں، وہ ان کی مرضی کے تابع کیوں نہیں ہوتا۔'' وہ اپنے دل کی بھڑاس تنہائی میں نکالتا سر جھٹک کر اصطبل کی طرف چلا گیا تھا، اپنے من پسند گھوڑے پہ رائیڈنگ کرنے کے بعد دماغ کا تندور کچھ ٹھنڈا ہوا تو واپس گھوڑا ولی خان کو دے کر پیدل ہی گھر کی طرف آ گیا۔

''بٹو محل کے دروازے بند ہوئے تو کیا مجھ پر زندگی کے دروازے بند ہو جائیں گے؟ ہونہہ سوچ ہے ان کی۔'' واپسی میں سوچوں کا رخ ایک مرتبہ پھر بٹو محل کی طرف پلٹ گیا تھا۔

''سباخانہ تو کسی قیمت پر نہیں اور عشیہ؟ تو کیا وہ مان جائے گی؟ کیا مجھے اس سے ملنا چاہیے؟ اس موضوع پر بات کرنی چاہیے۔'' اس کا دل اسے ایک اور راہ دکھا رہا تھا۔

''بہتر ہے کہ ایک مرتبہ عشیہ سے مل لوں، جانے وہ کہاں ملے؟ کیا بہتر ہے کہ اس کے گھر چلا جاؤں؟'' دل کی تجویز پہ دماغ نے نفی کی تھی۔

''اوں ہوں، یہ غیر مناسب ہے، مجھے عشیہ کے لئے کوئی مشکلات کا پہاڑ کھڑا نہیں کرنا۔'' وہ سوچتا ہوا واپس ہٹ کی طرف آ رہا تھا، جب اچانک ہی اسے رکنا پڑا، بہت دور سے اس کا ملازم آوازیں دیتا آ رہا تھا۔

''خان...... خان...... رکو...... ٹھہرو۔'' وہ پھولی سانسوں کے ساتھ چیخ رہا تھا۔

''قیامت آ گئی ہے کیا؟ ان نوکروں کو تمیز نہیں آ سکتی۔'' شاہوار نے ایک خفا نگاہ اپنے ملازم فقیر خان پہ ڈالی تھی۔

''اتنا چلا کیوں رہے ہو؟ بندہ قریب آ کر بھی بات کر سکتا ہے۔'' شاہوار نے خفگی سے اسے ڈانٹا تھا، فقیر خان بغیر شرمندہ ہوئے بولا۔

''بات ہی کچھ ایسی ہے خان!'' فقیر خان کا سرخ چہرہ کچھ اور لال ہو رہا تھا۔

''مارا، خیریت تو ہے نا؟'' شاہوار اب کے کچھ پریشان ہوا تھا۔

''وہ خاناں، مہمان لڑکی، جو اس دن بارش میں بھیگی تھی، ادھر ہٹ میں تمہارا پوچھنے کو آیا تھا، ام نے کہا، خان تو اصطبل میں ہے، وہ ادھر اصطبل کی طرف جانے لگا۔'' فقیر خان تیز تیز لہجے میں بتا رہا تھا، شاہوار کا دل دھڑک اٹھا، وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''کون عشیہ؟'' وہ تیزی سے اصطبل کی طرف مڑنے لگا تھا، جب فقیر خان کے اگلے الفاظ نے شاہوار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''وہ ادھر کھائی میں گر پڑا، اس کو بہت چوٹیں آیا۔'' فقیر خان کے بتانے پر شاہوار کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی تھی، وہ تیزی سے بھاگتا ہوا اصطبل کی طرف دوڑنے لگا، اس حال میں کہ اس کا دل قابو سے باہر تھا اور اس کے حواس کھوتے جا رہے تھے، وہ خود کو تو کھو سکتا تھا مگر عشیہ کو کھونا محال تھا۔

☆☆☆

اس نے کب سے سوچوں میں غرق پلوشہ کو دیکھ کر گہرا سانس بھرا، وہ جانتا تھا، پلوشہ کیوں پریشان ہیں؟ پریشانی کی وجہ بھی معلوم تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس پریشانی کا فی الحال کوئی حل بھی نہیں تو پھر خواہ مخواہ وہم پالنے کی کیا ضرورت تھی؟

''اس سے بہتر تھا، آپ کومے کو ٹرپ پہ جانے کی اجازت ہی نہ دیتیں۔'' امام نے گہرا سانس بھر کے گہری ہوتی اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا تھا، وہ گھر پہ پھیلے سناٹے سے تنگ آ چکا تھا، ہمان بھی نہیں تھا اور کومے ٹرپ پہ چلی گئی تھی، جب سے کومے گئی تھی شانزے نے ادھر جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا، حد تھی بے اعتنائی کی، لوگ ایسے بے مروت ہوتے ہیں، امام کو جانے کس کس بات پہ دکھ تھا، اپنے رویئے کو وہ کسی کھاتے میں شمار نہیں کرتا تھا، حالانکہ اس کے کٹھور پن سے دل برداشتہ ہو کر شانزے نے یہاں آنا کم کر دیا تھا۔

جب جذبوں کو کہیں سے پذیرائی نہ ملتے تو وہ خزاں کے پھولوں کی طرح مرجھاتے اور سوکھتے چلے جاتے ہیں، ایسے ہی شانزے کے جذبات بھی سوکھ سوکھ کر تنکا تنکا بکھر گئے تھے، اب تو دل پہ ایک ہی موسم ٹھہر گیا تھا اور وہ تھا ویرانی کا موسم، اس نے خود بھی اس طرف آنا کم کر دیا تھا، بس پھپھو سے امام کی خیریت پوچھ کر چلی جاتی تھی۔

امام فی الحال بستر پہ تھا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ سات آٹھ ماہ بعد پلستر کھلنے اور مختلف ٹیسٹ ایکسرے کے بعد ہی کچھ حتمی طور پر پتا چل سکے گا کہ اس کی ٹانگیں اس کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو سکیں گی؟ وہ بیڈ ریسٹ کا یہ عرصہ امید اور خوش گمانی کی کیفیت میں گزارنا چاہتا تھا، اسے سوچوں میں گم دیکھ کر پلوشہ چونک گئی تھی۔

''اب خود کس مراقبے میں گم ہو چکے تم۔''

''ایسے ہی دل گھبرا رہا ہے، جانے کچھ ہونے والا ہے، عجیب سے محسوسات ہیں میرے۔'' امام نے قطعاً ایک الگ بات کر کے پلوشہ کے وسوسوں کے مارے دل کو کچھ پریشان کر دیا تھا، تو کیا جو کچھ ان کا دل محسوس کر رہا تھا، وہی کچھ امام کا دل بھی محسوس کر رہا تھا؟

''بہتر تھا، کومے کو نہ ہی جانے دیتے، لیکن یہ آج کل کے بچے۔'' پلوشہ نے افسردگی سے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہمان بھی پردیس میں ہے اور تم بستر پہ، خدا مجھے کسی نئی آزمائش سے بچائے۔'' امام نے دیکھا کہ پلوشہ کو اس نے پریشان کر دیا ہے، سو اس نے سوچا کہ بات ہی بدل دے۔

''یہ آپ کی بھتیجی کچھ زیادہ ہی مصروف ہو چکی ہے۔'' کومے کی طرف سے پلوشہ کا دھیان بٹانے کے لئے شانزے کا ذکر ناگزیر تھا، ورنہ تو وہ کبھی شانزے کو یاد نہ کرتا، ایسے تو ایسے ہی سہی، وہ رکھائی برت رہی تھی تو بہتر تھا امام بھی کٹھور ہی رہتا، جب راستے جدا تھے، منزل ایک نہ تھی تو پھر ساتھ چلنے کا کیا فائدہ تھا؟

''نہیں تو، باقاعدگی سے آتی ہے، تمہارا روز پوچھتی ہے۔'' پلوشہ کے بتانے پر وہ لحظہ بھر کے لئے چونک گیا تھا۔

''اچھا۔'' اس کا انداز معنی خیز قسم کا تھا۔

''لگتا ہے میرے سونے کے ٹائم میں آتی ہے۔'' امام کے انداز میں ہلکا سا طنز تھا، جسے پلوشہ سمجھ نہیں سکی تھیں۔

''اتفاق ہی سمجھ لو، تم عموماً دوا لے کر سوئے ہوتے ہو۔'' پلوشہ نے سادگی سے بتایا تھا۔

''آں، ہاں۔'' امام بری طرح سے چونکا تھا۔

''میں کیسے اتفاق سمجھ لوں، جبکہ وہ جان بوجھ کر ایسے وقت میں آتی ہے۔'' یہ بات اس نے دل میں کہی تھی، اس کا موڈ عجیب سا ہو گیا، یہ نہیں تھا کہ شانزے کی رکھائی اسے پریشان کر رہی تھی، اسے شانزے کا رویہ اس لئے برا محسوس ہوا تھا کہ وہ دوستی اور رشتے داری کو یکطرفہ محبت کے ترازو میں تول کر ایک طرف ہو بیٹھی تھی، یعنی اپنی محبت سے دستبردار ہو چکی تھی، ظاہر ہے، جب امام حوصلہ افزائی نہیں کرے گا تو اس کے قدم پیچھے تو ہٹیں گے، یہ عمل اس انکار سے کہیں بہتر تھا جو امام کے منہ سے سن کر شانزے کو تکلیف دیتا، ماموں مامی کو بھی تکلیف ہوتی، کیونکہ ایک بات تو طے تھی، امام دیامر سے لوٹا ضرور تھا مگر خالی جسم کے ساتھ، اس کا دل اس کی روح تو دیامر کی وادیوں میں ہی بھٹک رہی تھی اور جس دن وہ اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جاتا، ابھی تو اس کی ٹانگیں اس کے جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں تھیں، جس دن وہ اپنی ٹانگوں پہ کھڑا ہو جاتا اسی دن اس کے پیروں میں پہیے بندھ جاتے تھے، اسے واپس جانا تھا، حمت کے لئے، حمت کی خاطر اور اسے واپس جانا تھا، ظالموں سے انتقام لینے کے لئے، اپنے بے مول ہوئے خون کی بوند بوند کا حساب لینے کے لئے۔

☆☆☆

اس کے چھوٹے سے مکان میں مورے کی گونج دار آواز چار سو گونج رہی تھی، مورے کی آواز کے الارم سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ صبح اس گھر میں اپنے قدم رکھ چکی ہے۔

مجال ہے کوئی فجر کی اذان کے بعد بستر میں گھسے رہنے کی جرأت کرتا، گرمی ہوتی یا سردی، مورے اپنا بھونپو بجا کر نماز فجر کے بعد تخت پہ براجمان ہو جاتی تھیں، یہ تخت نما ہال میں رکھا تھا، سارے کمروں کے دروازے اسی ہال میں کھلتے تھے، یوں مورے کی نگاہ سے کوئی بچ نہ سکتا تھا۔

عمکیہ ہوتی تو صبح صبح قہوہ بنا کر لے آتی، اس کی شادی کے بعد یہ ڈیوٹی عشیہ کے سر آ چکی تھی، اس وقت وہ باورچی خانے میں تھی اور قہوہ بنا رہی تھی جب مورے کی اونچی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ہیام اٹھا کے نہیں۔''

''مسجد گیا ہے نماز کے لئے۔'' عشیہ نے وہیں سے جواب دیا تھا، مورے مطمئن نہ ہو سکیں۔

''ابھی آیا کیوں نہیں، پو پھٹ گئی اور نمازی گھروں کو بھی چلے گئے۔'' مورے نے اونچی آواز میں فکر مندی سے کہا تھا، ہیام گھر سے باہر جتنی دیر رہتا، مورے ایسے ہی ہولتی رہتی تھیں، انہیں اپنے نادیدہ دشمنوں سے ہمہ وقت دھڑ کا لگا رہتا تھا۔

''آ جاتا ہے کسی دوست کے پاس کھڑا ہو گیا ہو گا، یا کوئی علاقے کا مریض مل گیا ہو گا، آپ کو پتا تو ہے اسے کھڑے کھڑے مریض دیکھنے اور نسخے لکھنے کا کتنا شوق ہے، گلی کا کوئی کتا بھی بیمار دکھائی دے تو اسے بھی پیراسٹامول پلانے کھڑا ہو جاتا ہے۔'' یہ آواز سیڑھیوں سے آئی تھی، جہاں

عروفہ کھڑی جلے کٹے لہجے میں طنز کر رہی تھی، اسے آج کل ہیام بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا، اوپر سے اس کی پراسراریت اور یہ لڑکی؟ اسے تو ہیام کا کوئی اپنا چکر لگتا تھا، حالانکہ اسے پتا بھی تھا اس کا بھائی بالکل ایسا نہیں ہے۔

''اس کا دل بہت نرم ہے، وہ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' عشیہ نے گہرا سانس بھر کے جواب دیا تھا۔

''جانے ظالموں، سنگدلوں اور جابروں کی اولاد میں ''مارا بچہ'' اتنا نرم دل کیسے ہو گیا؟۔'' مورے نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے تسبیح اٹھالی تھی، عشیہ نے ان کی بات سن کر سر ہلایا اور چونک گئی۔

''ظالموں اور جابروں کی اولاد میں؟ صرف ہیام ہی نہیں شاہوار بھی اتنا نرم دل کیسے پیدا ہو گیا؟'' اسے بے ساختہ شاہوار کے کیئرنگ اور نرم انداز یاد آئے تھے، وہ بلا کا حلیم طبع تھا یا عشیہ کے لئے اس قدر نرم پڑ جاتا تھا؟ شاہوار کے خیال کو چھوتا ایک اور خیال عشیہ کو اس آرکیالوجسٹ کی طرف لے گیا تھا اور اس کے دل سے اک ہوک اٹھی تھی، ایسے ہی سر راہ چلتے چلتے کوئی اجنبی اتنا قریب کیسے ہو سکتا تھا؟ کہ اس کے دل اور اپنے دل کے تار اتنے ملتے جلتے محسوس ہونے لگے تھے، یوں لگتا تھا جیسے کوئی حاصل زیست بن گیا ہو؟ مگر کون جانے کہ نصیب میں کون کون سی کہانیاں درج تھیں، ابھی جانے وقت کیسے روپ دکھاتا؟ کون جانے راہ زیست میں کسے کون ملتا اور کون ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتا؟ عشیہ کی آنکھ کے کونے بھیگنے لگے تو وہ عروفہ کی آواز پہ بے ساختہ چونک کر باہر نکلی تھی۔

''ہیام کا فون بج بج کر پاگل ہو رہا ہے۔''

باہر کی پکار اندر تک بھی با آسانی پہنچ رہی تھی، جائے نماز لپیٹتی نشرہ نے دل میں اٹھتی ہوک دباتے ہوئے جائے نماز تہہ کیا اور کان باہر کی آوازوں پر لگا دیئے تھے۔

''ہسپتال سے نہ ہو۔'' نشرہ کو عشیہ کی آواز سنائی دی تھی، شاید وہ ہیام کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

''ہسپتال سے؟ تو کیا ہیام جانے والا تھا؟'' نشرہ کا پہلے سے افسردہ دل ڈوبنے لگا، ایک ہیام تھا جس کے آسرے پہ وہ وہاں سے یہاں تک آئی تھی؟ آگے کیا ہونا تھا کچھ خبر نہیں تھی؟ ابھی تو اس کی ناؤ بیچ منجدھار میں پھنسی تھی، کیسے نکلتی؟ کس طرح سے نکلتی؟ اور جانے ہیام اس پھنسی ناؤ کو دھکا لگانے میں کامیاب ہو پاتا یا نہ۔

دوسری طرف عشیہ نے ہیام کا موبائل کان سے لگایا ہی تھا کہ چونک اٹھی، آواز اجنبی نہیں تھی، نہ لہجہ غیر شناسا تھا، اوپر سے لہجے میں اتنی اپنائیت اور بے تکلفی، جیسے برسوں سے واقف کار ہوں۔

''زہے نصیب، مجھے امید نہیں تھی، خاکسار کی دعائیں اتنی جلدی قبولیت کا درجہ پا لیتی ہیں۔'' دوسری طرف اسامہ کی چہکتی آواز نے عشیہ کا دل افسردگی کے لبادے میں لپیٹ ڈالا تھا، اسے اپنا فیصلہ تڑختا ہوا محسوس ہوا، کیا وہ اپنے اس فیصلے پہ قائم رہ سکے گی؟ کیا وہ ہیام کا جائز حق اسے لوٹانے

کی خاطر اپنے دل کو قربان گاہ پہ چڑھا کر سکھ سے جی پائے گی؟ کیا وہ اس نٹ کھٹ آر کیالوجسٹ کو بھول پائے گی؟

''کون بات کر رہے ہیں؟'' اس نے سنبھل کر اجنبیت کا مظاہرہ کیا تھا، اگر اسے اپنے فیصلے پہ قائم رہنا تھا، تو کیا یہ بہتر نہیں تھا، وہ اسامہ کے بڑھتے قدموں کو زنجیر پا کر دیتی، وہ اتنا آگے نہ بڑھتا، جہاں سے واپسی ممکن نہ تھی۔

''واہ لوگ بھول بھی جاتے ہیں وہ بھی دہری رشتے داریوں کے ساتھ۔'' اسامہ نے جتلا کر کہا تھا، وہ دہری رشتے داریوں پہ چونک گئی تھی۔

''خوب کہی، چھپ چھپا کر بنائی گئی رشتے داریاں۔'' اس کا لہجہ خود بخود روکھا ہو گیا تھا، دوسری طرف اسامہ کو بھی احساس ہو گیا تھا، اس لئے قدرے سنبھل گیا۔

''آئم سوری۔'' وہ شرمندہ نظر آیا۔

''میں جانتا ہوں، میں نے اپنی دوستی میں ہیام سے بہت زیادہ مانگ لیا ہے۔''

''ہاں، ماں بہنوں کے مان اور ارمان۔'' عشیہ کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''اس کے لئے میں ہمیشہ شرمندہ رہوں گا۔'' اسامہ نے دھیمی بوجھل آواز میں کہا تھا۔

''مگر کیوں؟'' عشیہ نے بے ساختہ کہا۔

''آپ نے تو اسے آپشن دیا تھا جناب، وہ رضا مند تھا تبھی یہ سب ہوا، میرا خیال ہے کہ تمہیں شرمندہ ہونا نہیں چاہیے۔''

''بہر حال گلٹ تو ہے، مورے اور باجیاں کیا سوچتی ہوں گی۔'' اسامہ نے پشیمانی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''ابھی ان لوگوں کو خبر نہیں اور تم بھی محتاط رہنا، ہم موقع دیکھ کر بتا دیں گے۔'' عشیہ کو اسے مزید شرمندہ کرنا اچھا نہیں لگا تھا، اسامہ کو ڈھارس سی ہوئی۔

''نشرہ ٹھیک ہے؟ وہ پریشان تو نہیں۔''

''ابھی مہمان ہے، سو پریشان نہیں، پریشانیاں تو تب شروع ہوں گی جب مہمانیاں ختم ہوئیں۔'' عشیہ نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''مجھے اپنا آپ مجرم محسوس ہوتا ہے۔'' اسامہ نے بھرے دل سے کہا تھا۔

''مورے کا سب کا، ہیام کے حوالے سے تم سب کے ارمان ٹوٹ گئے لیکن تم جانتی نہیں عشیہ، وہ وقت بہت مشکل تھا، بہت کٹھن، اور پھر ہیام پہ کوئی دباؤ بھی نہیں تھا، وہ چاہتا تو انکار کر سکتا تھا۔'' کچھ دیر بعد گہرا سانس بھرے اسامہ عشیہ کو ایک ایک بات بتا رہا تھا، یہاں تک کہ قصہ تمام ہو گیا تھا عشیہ نے ساری بات سن لی، یہ وہ ہیام سے بھی سن چکی تھی۔

''مگر وہ انکار کیسے کرتا؟ سامنے تمہاری دوستی نہیں تھی، اس الو کی محبت تھی۔'' عشیہ کی نرم آواز اسامہ کی سماعتوں سے بمشکل ٹکرائی تھی، وہ بہت دھیما بولی تھی، جیسے خود کلامی کی ہو۔

''دیکھو نشرہ کے ساتھ کوئی۔'' اسامہ اب اپنے برادرانہ جذبات اس تک پہنچا رہا تھا۔

''زیادتی نہیں ہو گی۔'' عشیہ نے گہرا سانس بھرا۔

''میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتی، کیونکہ آگے کے حالات کا کچھ پتا نہیں اور ہیام کو میں اتنا سمجھدار نہیں سمجھتی، وہ اپنی بیوقوفیوں اور جذباتی محبت کی وجہ سے ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ کرے گا۔''

''تم ہینڈل کر لو گی عشیہ؟'' اسامہ نے کسی آس بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

''ہاں میں یہ وعدہ کرتی ہوں، اپنی ذات کی حد تک، میں نشرہ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی، کیونکہ وہ اس سارے قصے میں بے قصور ہے۔'' عشیہ نے کچھ دیر بعد نرم لہجے میں کہا تھا، اسامہ کے دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا۔

''میں تمہارا شکریہ۔'' اسامہ نے احساس تشکر کے مارے کہنا چاہا۔

''ہرگز ادا نہ کرو کیونکہ میں جو کچھ کروں گی اپنے بھائی کے لئے کروں گی، کیونکہ مجھے اپنے بھائی سے بہت محبت ہے۔'' عشیہ نے محبت بھرے نرم لہجے میں کہا تھا، اس کے لہجے میں ہیام کے لئے نرمی اور محبت کی افراط تھی۔

''کیا نشرہ سے بات ہو سکتی ہے؟'' کچھ دیر بعد اسامہ نے دریافت کیا تھا۔

''کیوں نہیں۔'' وہ جلدی سے باہر آئی، پھر فون کان سے لگائے لگائے چھوٹے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، جو فی الحال نشرہ کا مسکن تھا۔

''اسامہ کا فون ہے۔'' عشیہ کے بتانے پر نشرہ کی آنکھیں بھل بھل بہنے لگیں، اسامہ کی آواز سن کر تو سونامی رواں ہو گیا تھا، ادھر عشیہ کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے تھے، دوسری طرف اسامہ سیلاب میں بہہ رہا تھا اور گھبرا رہا تھا، بار بار نشرہ کو چپ کروا رہا تھا، اللہ اللہ کر کے وہ خاموش ہوئی تھی، پھر چند منٹ بات کر کے فون عشیہ کو پکڑا دیا، عشیہ نے اسے تسلی دی تھی۔

''جذباتی ہو گئی تھی، ابھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔'' عشیہ نے نرمی سے کہا، جو کہ اس کی شخصیت کا خاصا نہیں تھی۔

''اسے چپ کرواؤ، امی سے بات کرواتا ہوں، یہ روئے گی تو وہ ایویں ہی افسانے بنا لیں گی، اسے سمجھاؤ پلیز۔'' وہ عاجزی سے التجا کر رہا تھا، اب کہ نشرہ بھی سنبھل گئی تھی، اسی لئے تائی سے ٹھیک بات کر لی اور تائی نے بھی کرید کرید کر سارے ہی راز اگلوانے چاہے تھے، نشرہ عشیہ کے سامنے شرمندہ ہو رہی تھی۔

''اس کی ماں بہنوں نے کوئی ہنگامہ تو نہیں کیا؟ ہیام ٹھیک رہا، تم اچھی تو ہو نا، کوئی ٹینشن تو نہیں؟'' تائی کے سوالوں کے جواب دے کر نشرہ نے ان کی خاصی تشفی کروا دی تھی، اتنا تو وہ جانتی تھی کہ تائی کو کچھ بتانے کا مطلب اپنا پورے خاندان میں جھنڈا لگوانا تھا، تائی نے وہ آہ و بکا کر کے اسامہ کو بے نقط سنائی تھی، جس نے نشرہ بے چاری کو پٹھانوں کے بیچ پھنسا دیا تھا۔

اور نشرہ کو اپنی تو پرواہ نہیں تھی مگر اسامہ کی سبکی کیسے گوارا کر لیتی؟ ایک وہ ہی تو تھا، اس کا مان اس کا آسرا اس کا سہارا، اپنی طرف سے اسامہ بھائی نے اچھا ہی فیصلہ کیا تھا، آگے اس کی قسمت، جو ابھی معلوم نہیں ہوتی تھی، فون بند ہوا تو عشیہ نے نرمی سے اسے سوچوں کے گرداب سے نکالا۔

''تم خود کو مہمان نہ سمجھو، یہ تمہارا گھر ہے، آج نہیں تو کل اس گھر میں تمہاری حیثیت بھی واضح ہو جائے گی، ہر کام کے لئے ایک وقت ہوتا ہے اور وہ وقت دور نہیں، تم غم نہ کرو، پریشان نہ ہو،

میں اور ہیام تمہارے ساتھ ہیں۔'' عشیہ کی ہمدردی اور اپنائیت پا کر نشرہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا، جیسے اس کی ساری بات اسے سمجھ آگئی تھی۔

''اچھی لڑکی۔'' عشیہ نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''اب تم باہر آیا کرو، باہر ناشتہ کیا کرو، ہمارے ساتھ کھانا کھایا کرو۔''

''مگر وہ ہیام؟'' نشرہ نے ہکلا کر کہا تھا۔

''آپ کی امی کو اچھا نہیں لگے گا، ہیام کی موجودگی میں۔''

''ہیام تو بس جانے والا ہے، آج شام تک نکل جائے گا اور اس سے پردہ داری کی ضرورت نہیں، اس کے سامنے اس کچھار سے باہر نکلا کرو تا کہ اسے تمہیں دیکھنے کے لئے چوری چھپے اندر نہ آنا پڑے، ورنہ مورے کو اچھا نہ لگے گا، میری بات سمجھ رہی ہو۔'' عشیہ نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ چلے جائیں گے۔'' نشرہ نے حواس باختہ ہو کر پوچھا، اس کی آنکھوں میں سراسیمگی اتر آئی تھی۔

''ہاں اس کی نوکری کا مسئلہ ہے، مگر تم فکر نہ کرو، میں ہوں نا۔'' اس نے ملائمت سے نشرہ کے ہاتھ دبائے تھے، یہ ساری ملائمت نشرہ کے لئے تھی، ورنہ وہ بہت روکھی اور خشک مزاج لڑکی تھی، لیکن اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی، کچھ بھی۔

''میں ناشتہ بناتی ہوں تم باہر آجاؤ۔'' عشیہ موبائل سمیت باہر نکلی تو نشرہ بھی دوپٹہ لپیٹتی باہر جانے کے لئے ہمت مجتمع کرنے لگی تھی، اسے ہیام کی امی اور بہن سے ڈر لگتا تھا، وہی جو بہت بدمزاج تھی، بات بہ بات طنز کرتی۔

کچھ دیر بعد جب وہ باہر جانے کے لئے نکلنے لگی تھی تو اسے بیرونی کھڑکی پہ کھٹکا محسوس ہوا تھا، پھر یہ آواز متواتر آنے لگی تھی، نشرہ گھبرا گئی، کھڑکی بند تھی، کیا وہ کھولے یا نہیں؟ جانے باہر کون تھا؟ وہ ڈر گئی۔

کچھ دیر بعد پھر سے دستک ہوئی، نشرہ نے دل کڑا کیا اور کھڑکی کی چٹخنی گرا دی، دوسرے ہی پل وہ اونچا لمبا وجود اندر تھا بلکہ نشرہ کے اوپر اور وہ جو چیخنے لگی تھی، اس افتاد پہ دہشت زدہ رہ گئی تھی، اوپر سے اس کا منہ دبا کر چیخ بھی روک لی گئی تھی، نشرہ کا سانس تک گھٹ گیا۔

''ہش، پاگل...... سب کو سناؤ گی کیا؟'' ہیام کی آواز کے ساتھ ہی اس کا دہشت زدہ دل قدرے خوف کے شکنجے سے باہر آیا تھا، وہ ابھی تک اسے دبوچے کھڑا تھا، نشرہ شرم سے کسمسائی تو ہیام کو بھی احساس ہوا، اس نے نشرہ کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا اور اپنے بازو پہلو میں گرائے، کچھ ہی دیر میں اس نے کمرے کی کنڈی چڑھا دی تھی اور پھر کھڑکی بھی بند کر دی، اب وہ محفوظ تھا، اس نے گہرا سانس بھرا اور نشرہ کا ہاتھ پکڑ کر پلنگ پہ گر گیا۔

''اللہ اللہ اپنی حقیقی بیوی سے چھپ چھپ کر ملنا بھی کتنا امیزنگ ہے۔'' ہیام نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس کا نام ہاتھ جوش سے دبایا تھا، اس میں امیزنگ کیا تھا؟ نشرہ سمجھ نہ سکی۔

''اس طرح، ہائے اللہ کوئی دیکھ لے گا؟'' نشرہ کی جان نکل رہی تھی، اس کے جسم پہ زلزلہ طاری تھا۔

''اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھ رہا بے فکر رہو۔'' ہیام نے مزے سے ٹانگیں جھلائی تھیں۔

''مگر آپ کس طرح اندر آئے؟ کوئی دیکھ لیتا تو۔'' نشرہ پہ کپکپی طاری تھی، خوف، دہشت، خفقان۔

''کوئی کیسے دیکھتا؟ میں پیچھے سے آیا ہوں، دیوار پھلانگ کر، پھر گول چکر کاٹا، باورچی خانے میں جھانکا، سب مصروف تھے، تب ہی تمہاری کھڑکی بجائی۔'' اب وہ اپنا کارنامہ بتا رہا تھا، نشرہ نے اپنے کانپتے پھڑکتے دل پہ ہاتھ رکھا۔

''اتنا بڑا رسک لیا؟''

''تمہاری خاطر کچھ بھی لے سکتا ہوں، یہ تو پھر چھوٹا سا رسک تھا۔'' وہ خواہ مخواہ ہیرو بنا۔

''رہنے دیں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، اب جائیں یہاں سے۔'' نشرہ بار بار گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھتی تھی اور پھر ہیام کے پرشوق چہرے کو، جہاں ایک شوق کا جہان آباد تھا، اس کی آنکھوں میں چہرے پر ایک ایک نقش میں، نشرہ کا دل اچھل پچھل ہونے لگا تھا۔

''لو جاؤں کیا؟ حد ہے، میں نے اتنا رسک اٹھایا، دیوار پھلانگی اتنی پلاننگ کی اور تم کو جی بھر کے دیکھا بھی نہیں اور چلا جاؤں؟'' اس کا منہ پھول گیا تھا، نشرہ کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

''مجھے ڈر ہے بس۔'' اس نے گھبرا کر وضاحت کی تھی۔

''ڈرو نہیں، بس مجھے دیکھ لو، جی بھر کے، یہ موہنی صورت تمہیں دو مہینے سے پہلے دکھائی نہ دے گی۔'' ہیام نے لاڈ سے کہا تھا، نشرہ ٹھٹک گئی، تو کیا اب وہ دو ماہ بعد آئے گا؟ اس کے دل کو کچھ ہوا، یہ نکاح کم بخت اور اس کے منہ زور بول، دل میں کیسے کیسے ٹھاٹھیں مارتے جذبات بھر گئے تھے، کون ولید اور کہاں کا ولید، اب تو کچھ یاد نہ تھا، بس کچھ یاد تھا تو یہ باتوں کا فنکار پورا اداکار۔

نشرہ کا دل بھرا تو آنکھیں بھی لبالب بھر گئیں، ہیام نے پلنگ پہ کروٹ لی اور ایک ہی جست میں نشرہ کے قریب بلکہ بہت ہی قریب۔

''میری جان۔'' ہیام کے بے قابو جذبات مچھلی کی طرح ہاتھوں سے پھسل پھسل گئے۔

''رونا مت ورنہ ہیام اس سونامی میں بہہ جائے گا۔'' اس نے نشرہ کے آنسو پونچھے، اس نے ناک سڑکی تو رومال پیش کیا۔

''دو ماہ۔'' نشرہ کی جان پہ بن آئی تھی۔

''دو ماہ زیادہ ہیں کیا؟'' ہیام نے فکرمندی سے حساب کیا تھا، وہ تو چھ چھ ماہ بعد آتا تھا، بچت کرتا، کرایہ بچاتا، اپنی طرف سے بڑے حساب کتاب کے بعد دو ماہ کا فیصلہ کیا تھا۔

''نہیں بہت کم ہیں، ایک سال بعد آنا، تا کہ مجھے تمہاری شکل بھول جائے۔'' وہ آپ جناب کا جان جوکھم والا تکلف بھول کر تڑخ کے بولی تھی، ہیام کا منہ کھل گیا، آؤ یہ لمبی زبان؟ کیا تالو سے چپکی تھی؟

''اچھا...... تو ایک ماہ، اور پندرہ دن۔'' ہیام نے فوراً حساب کتاب میں دنوں کو پیچھے کی

طرف دھکا لگایا تھا، نشرہ کے بھل بھل گرتے آنسو بے چارے ہیام کے دل پہ گر رہے تھے۔
''بڑا احسان کرتا ہے۔'' وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی۔
''چلو ایک ماہ بعد، اب خوش؟'' ہیام نے خود ہی باچھیں پھیلائیں، مگر نشرہ کے چہرے پہ مسکراہٹ نہ آئی تھی۔
''رہنے دیں۔'' نشرہ بسوری تو ہیام نے سر پکڑ لیا۔
''لو میں جاتا ہی نہیں، اسی پلنگ پہ ڈھیر ہوں۔'' وہ پھیلتا ہوا سیدھا لیٹ گیا تھا، نشرہ سٹ پٹا گئی تھی، اب اس نے یہ بھی نہیں کہا تھا، یہ ہیام نا، عشیہ باجی ٹھیک ہی کہتی ہیں، ہیام گدھا الو کا پٹھا۔
''اوف توبہ، میں یہ کیا سوچ رہی ہوں۔'' اس نے فوراً توبہ کی، کانوں کو ہاتھ لگائے تھے، ہیام اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتا رہا، اسے لگا، کل کی بات تھی، جب وہ بھوت بنگلے کی کھڑکی سے نشرہ کو کپڑے پھیلاتا دیکھ رہا تھا۔
''ویسی کی ویسی ہو۔'' ہیام نے خواب آگیں لہجے میں کہا، فرط محبت سے ہاتھ پکڑ لیا اور خود بھی قریب کھسک آیا، اتنا کہ نشرہ کی گرم سانسیں اس کی سانسوں سے الجھ گئیں، نشرہ شرم سے لال پڑ گئی، یہ ہیام اور اس کی گستاخیاں؟ بس جان نکالنے کی کسر چھوڑ دیتی تھیں۔
''کیسی؟'' اس کے خوبصورت چہرے پہ گلال بکھر گیا، آنکھیں بار حیا سے جھک گئیں۔
''ویسی ہی دھوبن، باورچن، مالن، درزن۔'' وہ خواب آگیں لہجے میں بولتا جا رہا تھا، نشرہ نے بوکھلا کر اسے دیکھا، وہ سٹ پٹا کر رہ گئی تھی، یہ ہیام بھی نا، ادھر ہیام نے قہقہہ لگایا اور نشرہ اچھل پڑی تھی۔
''آہستہ۔'' اس نے بے ساختہ ہیام کے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا، ہیام اس ادا پہ قربان ہو گیا، اس نے نشرہ کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر چوم لیا، نشرہ نے کسمسا کر اپنا ہاتھ کھینچا مگر ہیام کی گرفت سخت تھی، ہیام نے اسے بہت محبت سے دیکھا اور پھر سیدھا ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا، یکا یک وہ سنجیدہ ہو گیا تھا، نشرہ نے اس کے موڈ کو واضح بدلتے محسوس کیا تھا۔
''نشرہ!'' کچھ دیر بعد اس نے کہنا شروع کیا۔
''جانتا ہوں جو تم ایکسپیکٹ کر رہی تھی، وہ تمہیں نہیں مل سکا، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہو گا، میری کچھ مجبوریاں ہیں، اس سے تم نے کمپرومائز کرنا ہو گا، دیکھنا اچھے دن دور نہیں، ہم ایک محبت بھرے گھر کی بنیاد رکھیں گے، جہاں ہمارے ساتھ آٹھ پیارے پیارے بچے ہوں گے، جو مجھے تنگ کریں گے تو لاہور بھاگ جاؤں گا پھر تم ہی نمٹتی رہنا۔'' وہ سنجیدگی سے بولتا ہوا آخر میں شریر ہو گیا تھا، نشرہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی، اس نے چہرہ موڑ لیا۔
''نہ بیگانگی سے چہرہ موڑو، میں ویسے بھی جا رہا ہوں، دو مہینے سے پہلے اپنی موہنی صورت نہیں دکھاؤں گا، کیونکہ چاند کبھی کبھی ہی نکلتا ہے، دیامر کا چاند۔'' اس نے نشرہ کے سر پہ چپت لگائی اور پلنگ سے اٹھ گیا تھا اور نشرہ کا دل بھی ساتھ ہی ڈوب گیا۔
''ہیام!'' اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ہیام کی طرف دیکھا تھا، ہیام کا دل وہیں کہیں نشرہ

کے پہلو ساتھ ہی اٹک گیا۔
''ایسے بیویوں والی نگاہ سے مت دیکھو، خدا کی قسم، شوہر بن جاؤں گا، اصلی والا۔'' اس کا انداز دھمکانے والا تھا، اس کا اشارہ سمجھ کر نشرہ دھک سے رہ گئی تھی۔
''توبہ۔'' وہ کانوں تک سرخ ہوئی۔
''یہ ہیام کتنا منہ پھٹ ہے۔''
''چلتا ہوں۔'' وہ کھڑکی کی طرف جا کر مڑ آیا تھا، واپس قریب اس نے نشرہ کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ لئے اور اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکرائی تھی اور پھر بہت نرمی سے خود سے بھینچ کر چھوڑ دیا، اب وہ بغیر پلٹے تیزی سے کھڑکی کی طرف گیا اور دوسرے ہی پل کھڑکی سے باہر تھا، جبکہ نشرہ کئی ساعتیں گم صم سی اس کی خوشبو کے حصار میں کھڑی رہی، ایسی خوشبو جو وہ ہمیشہ کے لئے نشرہ کے پاس چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

حلوہ پوری کی سوندھی مہک ہال میں چکرا رہی تھی، تکونی ہال میں، جس کے ایک کونے میں تخت تھا اور ساتھ ہی خارجی دروازہ، جس کے اندر سے ہیام تیزی سے چلتا اور بولتا آ رہا تھا۔
عشیہ میز پہ ناشتہ چن رہی تھی، میز کے اوپر خوان پوش بچھا تھا اور تام چینی کے برتنوں میں حلوہ اور پوریاں، تام چینی کی چینک میں بھاپ اڑاتی چائے بھی تھی۔
کچھ ہی دیر میں عروفہ بھی آ گئی، ناشتے والی میز تخت کے سامنے رکھی تھی اور مورے ہیام کے انتظار میں بیٹھی تھیں، اسے اندر آتا دیکھ کر عروفہ نے فوراً طنزیہ لہجے میں کہا۔
''جلدی لوٹ آئے ہو، ظہر ادا کر کے آنا تھا۔''
''آں ہاں۔'' ہیام سلیپر اتارتا چونکا تھا، پھر قالین پہ سہولت سے بیٹھتا ہوا بولا۔
''یہ طنز ہے یا مشورہ۔''
''کیا تم نہیں سمجھ رہے۔'' عشیہ نے جتا کر پوچھا تھا، وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا۔
''بھولا سا بچہ ہوں، ایسی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔'' اس نے کندھے اچکائے۔
''اچھا تو پھر اشراق پڑھ آئے ہو؟'' عشیہ نے بھی اس کے پٹھے پہ ہاتھ دھرا تھا، وہ بلبلا بھی نہ سکا۔
''تم نے کب سے مورچے سنبھال لئے۔''
''جب سے تم نے بات ماننا چھوڑ دی الو۔'' عشیہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا، وہ سمجھ گیا، عشیہ نے کچن کی کھڑکی سے دیوار پھلانگتے دیکھ لیا تھا، ہیام اچھا بھلا کھسیانا ہو گیا تھا۔
''محبت بھی عبادت ہے۔'' وہ بہن کے کان میں منمنایا تھا، دوسری بہن سن نہ سکی تھی، اس لئے تلملا گئی تھی۔
''عبادت میں اتنا بھی مشغل نہیں ہو جانا چاہیے تھا کہ ماں کو ڈنڈا لے کر پہلے مسجد جانا پڑتا اور پھر تمہاری گم شدگی کا ڈھنڈورا پیٹ جاتا اور تمہاری برآمدگی کہاں سے ہوتی؟'' نشرہ کو باہر آتا دیکھ کر عشیہ کی آواز کچھ اور دھیمی ہو گئی تھی۔

''کم از کم مہمان لڑکی کے کمرے سے نہیں۔'' اس نے بے چاری سی شکل بنالی تھی۔

''اسے خدا حافظ کہنے گیا تھا، پھر شاید موقع نہ ملتا اور وہ کیا سوچتی۔'' ہیام نے دھیمی آواز میں وضاحت کی تھی، عشیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''چاہے موقع واردات سے پکڑے جاتے۔''

''اب ایسی بھی بات نہیں۔'' ہیام نے مصنوعی کالر کھڑے کیے تھے، پھر اک چور نگاہ نشرہ پہ ڈالی، وہ مورے کے بلانے پر ان کے قریب تخت پہ بیٹھ رہی تھی، ہیام محتاط ہو گیا، کیونکہ عروفہ کی نگاہیں اسی پہ تھیں۔

آج اتنے دن بعد وہ ان سب کے درمیان آئی تھی، ایسی ہی جھجکی ہوئی، سمٹی سمٹائی، مورے کو اچھا لگا تھا، اس کا باہر آنا، وہ اس سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں پوچھنے لگیں، حال احوال، پڑھائی، ماں باپ کا افسوس، ناشتے کے دوران اس کا پورا انٹرویو ہو گیا تھا۔

ہیام چائے پیتا ہوا بظاہر اخبار پڑھ رہا تھا مگر دھیان سارا ان کی باتوں کی طرف تھا، پھر عشیہ نے کہا۔

''یہ تمہارا اپنا گھر ہے، شرم اور جھجک کو ترک کر دو، آزادی سے رہو۔'' عشیہ نے لفظ اپنا پہ خاصا زور دیا تھا، ہیام نے اخبار کچھ اور منہ کے سامنے کر لی تھی، عروفہ جانے کیوں تلملائی۔

''ہاں ہاں، اپنا گھر ہے، بچے فکر نہ کرو، اللہ نے چاہا تو سب اچھا ہو جائے گا۔'' مورے نے بھی نشرہ کو تسلی دی تھی، ان کے الفاظ پہ نشرہ کی آنکھیں بھیگ گئیں، اگر انہیں پتا چل جاتا تو؟ کیا پھر بھی اس کے لئے اتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ ہوتا؟ شاید نہیں، وہ اسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیتیں۔

''اچھا...... اب میری طرف توجہ کریں۔'' ہیام سے اپنا نظر انداز کیا جانا برداشت نہ ہوا تھا، اس کے اعلان پہ عشیہ چونکی اور جلدی سے اس کی پیکنگ کرنے اندر کی طرف بھاگی، جاتے جاتے اس نے نشرہ کو بھی آواز دی تھی۔

''آؤ ذرا، میرے ساتھ ہیلپ کروا دو، میں استری کرتی ہوں، تم ہیام کے کپڑے بیگ میں رکھنا، تمہیں مصروفیت مل جائے گی اور مجھے مددگار۔'' وہ اسے سہولت سے عروفہ اور مورے کے نرغے سے اٹھا کر اندر لے آئی تھی، نشرہ نے تشکر بھرا سانس کھینچ کر اک نظر ہیام کی طرف دیکھا، جانے کیوں وہ مسکرایا تھا، جیسے کہہ رہا ہو۔

''میری بہن بڑی سیانی ہے، تمہیں میرے کاموں کے سارے طریقے سکھا دے گی۔'' نشرہ جلدی سے نگاہ چرا کر اندر بھاگ گئی۔

☆☆☆

اور پھر بنو محل نے بی جاناں کا سارا کروفر ٹوٹتے دیکھ لیا۔

آہ وہ بھی کیا دن تھا، جب بی جاناں بڑے نخرے اور غرور سے شاہوار کی ہٹ میں گئی تھیں، سباخانہ کی شادی کے معاملات طے کرنے اور جب واپس آئیں تو ان کے شانے ڈھلکے تھے اور چہرہ غم و غصے کی تصویر بنا ہوا تھا، اس کا مطلب تھا، شاہوار خان ان کے فیصلوں سے ٹکرا گیا تھا، کیا

اس لڑکی کی خاطر؟

حمت کی کھد بد کو پری گل ہی ختم کر سکتی تھی، اسے شاہوار کی جی داری پہ بڑا ہی پیار آیا تھا۔

''لالا نے انکار کر دیا، دیکھ پری گل ہمارے مرد کتنے مضبوط ہیں، ایک وہ جہاندار تھا، ایسے ڈٹ گیا، جیسے چٹان، نیل بر کو بھڑکتی آگ سے نکال کر لے گیا، ایک شاہوار لالا جو اپنی محبت کی ڈھال بن گیا اور ایک وہ امام جس نے اپنی زندگی تک داؤ پہ لگا دی۔'' پری گل حیرت سے حمت بی بی کو بولتا ہوا دیکھ رہی تھی، وہ ہمارے مرد پہ اٹک گئی، جہاندار اور امام ان کے مرد کہاں سے ہو گئے؟

پر پری گل کو کون سمجھاتا؟ اپنوں اور غیروں میں خون کی نہیں خلوص کی دیوار ہوتی ہے، خلوص جو غیروں کے اندر سے پھوٹ نکلے تو انہیں اپنا بنا ڈالتا ہے، جیسے جہاندار اور اما، وہ غیر تھے، اجنبی تھے، مگر اپنوں سے بہت بڑھ کر نکلے تھے۔

''اب کیا ہو گا بی بی!'' پری گل نے حمت کو موجودہ مسئلے کا احساس دلایا تھا۔

''دیکھ لینا، کچھ برا نہیں ہو گا۔'' وہ مطمئن تھی۔

''لکھوا لیں مجھ سے، کچھ اچھا بھی نہیں ہو گا، جانے خاناں کسے بیاہ کر لائیں گے؟'' پری گل کو بڑی بے چینی تھی۔

''ہاں بھابھی جانے کیسی ہو گی؟'' حمت کو اس تصور نے بڑا ہی خوش کیا، ایک جیسی مورتیں دیکھ کر دل بھر آیا تھا، کوئی تو نیا چہرہ آتا، جس سے زندگی میں رنگ نظر آتے، وہ لوگ قید تنہائی کاٹ کاٹ کر تنگ آ چکے تھے۔

''اور سباخانہ؟ وہ کتنا ہرٹ ہو گی؟'' حمت کو اچانک خیال آیا اور اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

''بی جاناں کو لالا پہ دباؤ ہی نہیں ڈالنا چاہیے تھا، اس طرح سباخانہ کے دل کو ٹھیس نہ پہنچتی۔''

''پر بی جاناں کو کون سمجھائیں۔'' پری گل نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے، معاً بی جاناں کی اونچی آواز نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ بھاگتی ہوئی باہر آئیں، آواز بڑے خان کے کمرے سے آ رہی تھی، وہ دونوں ہی ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

''شاہوار ہماری نسل میں کسی اور کا خون شامل کرے گا، تاریخ گواہ ہے، باہر سے آئی عورتوں نے کہاں وفا کی؟ وہ غنچہ گل ہو یا کریشان یا حمت کی بھگوڑی ماں، باہر کی عورتوں نے بنو محل کی عزت کو ہمیشہ داغ لگایا، اب دیکھو شاہوار بھی کوئی گند اٹھا کر لے آئے گا، مگر میں اسے اپنے پاک محل میں گھسنے نہیں دوں گی۔'' بی جاناں کے اعلان نے ہر ایک کو تھرا کر رکھ دیا تھا، سباخانہ نے دل پہ ہاتھ رکھا اور بیٹھتی چلی گئی تھی، جہاندار کے بعد شاہوار نے بھی اسے ٹھکرا دیا تھا؟ اس صدمے نے سباخانہ کو پاگل کر ڈالا۔

☆☆☆

حویلی کے بڑے پھاٹک سے ایک جیپ تیزی سے اندر آتی دکھائی دی تھی، اس نے کھلی کھڑکی کے دونوں پٹ جلدی سے بند کیے اور بھاگتی ہوئی بستر پہ قبضہ جما کر لیٹ گئی۔

اب وہ بالکل فرشی بستر پہ لیٹنا افورڈ نہیں کر سکتی تھی، اتنی شدید سردی میں نیچے سونے کا انجام بھگت لیا تھا، اس پیارے سے ڈاکٹر کی دی دوائیاں کھا کر وہ بھلی چنگی ہو چکی تھی مگر فی الحال بیماری

کے اس ڈھونگ کو طویل کرنا چاہتی تھی، کیونکہ تندرستی کا مطلب تھا کہ گھر کے معاملات میں دلچسپی لینا، صفائی ستھرائی، دھلائی اور کھانا وانا، یہ سب بابا کرتا تھا، گندا مندا سندا جیسا بھی بناتا، کپڑے ان دھلے ہی رہتے، استری کا عذاب الگ اور یہاں جہاندار ایک بھی نوکرانی اپائنٹ کرنے کے حق میں نہ تھا۔

''فالتو روپیہ نہیں میرے پاس، نوکروں کی فوج کہاں سے بھرتی کروں؟ یہ کام تمہی کو کرنے ہیں، چاہے جیسے بھی کرو۔'' چلو یہ سہولت تو تھی ہی کہ وہ جب بھی کرتی؟

امریکہ میں قیام کے وقت اس نے برتن، دھلائی، صفائی یہ سب کام وہ خود ہی کرتی تھی، مگر بڑ محل کے شاہانہ قیام نے اسے بہت نازک اندام بنا دیا تھا، یہ نہیں تھا کہ اسے کچھ بھی کرنا نہیں آتا تھا، بلکہ وہ پرانی عادتیں بھول گئی تھی، وہ سب کچھ جو پیچھے تھا، بڑ محل میں تو اس نے کبھی خود سے پانی نہیں پیا تھا، وہ ان آسائشات کی عادی ہو چکی تھی اور اب یہاں کی مشکل زندگی بہت کٹھن لگتی۔

حالانکہ امریکہ میں زندگی یہاں سے دس گناہ زیادہ کٹھن اور مشکل تھی، نیل بر کی زندگی اذیت کا ہر باب وہاں بند کر چکی تھی۔

اس نے سمجھا تھا، آزمائش کا وہ دور امریکہ میں ختم ہو چکا تھا، اسے یہ خبر نہیں تھی کہ بہت سے بھگتان اسے ابھی بھگتنے تھے، کچھ سزائیں اپنے حصے کی ہوتی ہیں اور کچھ ماں باپ کے حصے کی۔

وہ اپنی پہلی زندگی میں بھی ماں کے حصے کی سزا بھگت کر آئی تھی اور اس زندگی میں باپ کے حصے کی سزا رہتی تھی، جو بھگتنی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور آہٹوں پر کان لگا دیئے، جہاندار صاحب تشریف لا رہے تھے، وہ جان بوجھ کر سوتی بن گئی تھی۔

کچھ دیر بعد جہاندار اندر آ گیا تھا، نیل بر نے منہ پر کمبل لے لیا۔

وہ کافی دیر دراز کھول کھول کر جانے کیا کچھ رکھتا رہا، پھر اچانک پلنگ کی طرف آیا، چھوٹی تپائی پر دو تین شاپر رکھے اور پھر اسے آواز دی تھی۔

''نیل بر بی بی! اٹھ جایئے کہ بہت سو لیا اب تو دو پہر ہو گئی، میرے خیال میں آٹھ دس گھنٹے نیند کے لئے بہت ہوتے ہیں۔'' اس نے کمبل نیل بر کے چہرے سے ہٹایا تو وہ جان بوجھ کر کسمسانے لگی تھی۔

''بہت ہو گیا نیند کا ڈرامہ۔'' جہاندار نے زبردستی اسے اٹھا دیا تھا، اس حال میں کہ اس کے بال اردگرد بکھر گئے تھے، جنہیں سمیٹنے کا تکلف کیے بغیر اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔

''پھر تو بخار بھی ڈرامہ ہی ہو گا۔''

''میرہ تبصرہ اس حوالے سے محفوظ ہے، ہاں اب اٹھو، برش کرو، منہ دھولو، میں کھانا لایا ہوں اور تمہاری دوائیں بھی۔'' جہاندار نے بولتے ہوئے اسے زبردستی زمین پہ کھڑا کیا تھا، پھر کمرے سے باہر دھکیلا، واش روم اٹیچ نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کسلتی ہوئی ٹھنڈ میں ٹھٹھر کر اندر آئی تو وہ کمبل سمیٹ کر خود پلنگ پہ نیم دراز تھا، شاید تھک گیا تھا۔

''پوری رات نچائے رکھا، ایسا بھی ڈینجرس بخار نہ تھا۔'' اس الزام پہ وہ ہکا بکا بھی نہ ہو سکی،

تولیے کی طرف بڑھتے ہاتھ رک گئے تھے۔

''تو کیا ڈرامہ تھا؟'' نیل بر نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے یہ بھی نہیں کہا۔'' اس نے کندھے اچکائے تھے، نیل بر کو بلا کا غصہ آیا، مگر پی گئی، اب کرتی بھی کیا؟ ادھر بھوک سے انتڑیاں سوکھ رہی تھیں۔

جب جہاندار نے کوئی توجہ نہ دی تو نیل بر نے خود ہی کھانا برتنوں میں نکالا، دو پہر کا وقت نکل رہا تھا، وہ اسی حساب سے کھانا ہی لایا تھا۔

''اب اٹھ جائیں عالی جاہ۔'' نیل بر اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''تم شروع کر لیتیں، ایسی بیویوں جیسی ادائیں دکھانے کا کیا مطلب ہے؟ وہ بھی مشرقی بیویوں جیسی۔'' جہاندار اسے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے دیکھ کر طنز کرنے سے باز نہ آیا تھا، نیل بر کو بڑا ہی غصہ آیا، اس سے برداشت ہی نہ ہو سکا تھا، وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

''تو کیا ہوں میں؟'' اس کے جارحانہ لب و لہجے پہ جہاندار کو اپنے لفظوں کا احساس ہو گیا تھا۔

''بیوی نہیں تو کیا تم مجھے نکاح کر کے نہیں لائے؟ کیا ہم شادی کے بنا ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں، ہاؤ اسٹرینج۔'' اس کے الفاظ پہ جہاندار قدرے خفیف ہو گیا تھا۔

''میری بات کا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔

''چلو کھانا شروع کرو۔''

''تمہیں ہی مبارک ہو، مجھے نہیں کھانا۔'' نیل بر غصے میں اٹھ کر ٹیرس پہ چلی گئی تھی، دل ایک دم بھر آیا تھا، اس کی ہر تلخ کلامی، بے اعتنائی، غصے سب کچھ سہنے کا یہ صلہ تھا؟ حد تھی؟ اتنی گری ہوئی بات، اس کے آنسو بھل بھل گرنے لگے تھے اور جانے وہ کب تک روتی رہی، معاً کوئی اس کے پیچھے چپکے سے آ کھڑا ہوا تھا، اس نے مڑ کر نہیں دیکھا وہ اس کی خوشبو کو پہچان لیتی تھی۔

''جتنا مرضی رو لو، مجھ پہ آنسو اب اثر نہیں کرتے۔'' وہ دھیمی آواز میں گویا ہوا تھا۔

''اندر آؤ ٹھنڈ ہے بہت، پھر بخار آ جائے گا اور آج کی رات میں نے تیمار داری نہیں کرنی، تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دینا ہے، میری نیند کی دشمن، اچھا بھلا سونے لگا تھا، جگا کر لڑائی شروع کروا دی۔'' جہاندار آف موڈ کے ساتھ بولا تھا۔

''میں نے لڑائی کی؟'' وہ اس الزام پہ تڑپ اٹھی۔

''تو اور کس نے، بہت جھگڑالو ہو اب چلو، بھوک اور نیند سے برا حشر ہے، اپنی حشر سامانیاں سمیٹو۔'' وہ اس کے فسوں خیز حسن سے نگاہ چرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھ گیا تھا، کمرے میں آ کر اس نے نیل بر کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کھانے کی ٹرے پلنگ پہ رکھی۔

''شروع کرو۔'' اس نے حکم دیا۔

''مجھے بھوک نہیں۔'' نیل بر کے نخرے اللہ اللہ، وہ کہاں اتنی آسانی سے موڈ بحال کرتی تھی۔

''میری سات نسلوں پہ احسان کر دو، کھانا کھا کر دوائی کھا لو، میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔'' جہاندار نے لاڈ سے کہا، اب اس کے سوا چارہ نہیں تھا، اس اکڑی ہوئی خانزادی کو مناتے ہوئے

اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔

اللہ اللہ کر کے اس نے کھانا کھا لیا اور دوائی بھی، اس کے بعد جہاندار نے اسے بتایا۔

''اب برتن اٹھا کر دھونے کی زحمت گوارا کر لینا، طبیعت میں افاقہ ہو تو، بابا بیمار ہے اور اس کی بہو بھی، وہ شہر دوائی لینے چلے گے اور شاید کچھ دن اپنے بیٹے کے پاس رہیں۔'' نیل بر کا منہ کھل گیا، حیرت اور شاک، تو اب اس وسیع و عریض حویلی کے الٹے سیدھے کام کون کرے گا؟ اس کی جان نکلنے لگی تھی۔

''بابا بیمار ہے اور اس کی بہو پریگنٹ، وہ شاید کام نہ کر سکے۔''

''تو ہمارا کام کون کرے گا؟'' وہ رو دینے کو تھی۔

''تم اور کون؟'' جہاندار نے نرمی سے کہا تھا، وہ اسے بیماری کی حالت میں پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''میں کسی کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کرتا ہوں، مگر مجھے امید نہیں کوئی مل جائے، اس طرف لوگ کم ہی آتے ہیں۔'' وہ بستر پہ لیٹا ہوا بتا رہا تھا، نیل بر چونکی۔

''مگر کیوں؟''

''ایک تو حویلی دور ہے بستی سے بہت اور دوسرا بابا کی فیملی ہی ہمارا کام کرتی تھی شروع سے، یوں ہمارے خاندانی ملازمین تھے یہ لوگ، بڑی اماں کو کسی پر بھروسہ نہ تھا۔'' جانے کیوں وہ کسی رو میں اسے بتا رہا تھا، نیل بر چونکی، پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

''ایک بات پوچھوں؟'' کچھ دیر بعد اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا، مبادا اسے برا نہ لگ جائے اور ابھی خلاف توقع وہ موڈ میں تھا، اسی لئے سابقہ جھونک میں ہی بولا تھا۔

''ہاں پوچھ لو، اجازت کیسی؟ اتنی تم ہو نہیں، باتہذیب۔'' وہ بولتے ہوئے کروٹ لے گیا، اب اس کا رخ دوسری طرف تھا، صد شکر اس کی بات پہ غصہ تو آیا مگر پی لیا، حسب معمول، غصہ پینا اسے آ گیا تھا۔

''اتنی بڑی حویلی کے مالک ہو اور زمینوں کے، پھر تم بابا کی ملازمت، مطلب یہ سب تمہاری پلاننگ تھی؟ بابا کی ملازمت میں آنا؟'' نیل بر نے جھجکتے ہوئے پوچھ ہی لیا تھا اور جہاندار نے جھٹکے سے اس کی طرف رخ کیا تھا اور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کا چہرہ دیکھتا رہا، جانے کیا کھوج رہا تھا، پھر ایک دم ہی تکیے پہ سر گرا لیا۔

''ہاں۔'' اس کی آواز مدہم تھی، بہت مدہم، نیل بر کو حیرت ہوئی، اس نے بہت آسانی سے تسلیم کر لیا تھا۔

''جانتی ہو، گنہ گار پہاڑی والی ساری زمین قانوناً میری ہے، ہماری، میرے بابا اور بھائیوں کی، جس پہ سردار بٹو نے ناجائز قبضہ کر لیا تھا، ہمارا خاندان اپنی طرف سے ختم کر کے، ہماری وارثت پہ تسلط جما لیا، اس لئے کہ سردار کو خبر نہ تھی، اس خاندان کا کوئی وارث ابھی تک زندہ ہے اور اسی زمین پر ہے۔'' وہ بہت دھیمی بوجھل آواز میں کہہ رہا تھا، نیل بر بمشکل ہی سن سکی۔

''تو اب تم وہ سب زمینیں واپس لو گے؟ ہاں بتا دو مجھے اور یقین رکھو، میں ان لوگوں کو کچھ نہیں

بتاؤں گی۔'' نیل بر نے آہستگی سے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا تھا، جہاندار کی بوجھل ہوتی پلکیں ذرا سی اٹھیں۔

''وہ لوگ تمہیں چھونے والی ہوا تک بھی نہیں پہنچ سکتے، تم انہیں کیسے بتا سکتی ہو؟ مجھے یقین ہے۔'' جہاندار کے الفاظ پہ نیل بر چپ کی چپ رہ گئی تھی، ہاں وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، اس کا کہا غلط نہ تھا۔

اس حویلی سے بہت دور پربتوں کے اس پار کسی کو خبر نہیں تھی، نیل بر کبیر خان پہ نیل بر، جہاندار بن کر کیا بیت رہی ہے؟ اس نے گہرا سانس بھر کے جہاندار کو دیکھا، وہ سو چکا تھا، نیل بر نے پہلی مرتبہ بہت استحقاق کے ساتھ اس کے برابر تکیہ سیدھا کیا اور لیٹ گئی، اتنے لمبے چوڑے کام اس کے ذہن سے محو ہو چکے تھے۔

☆☆☆

''یہ تو زخمی ہے بہت۔'' اس نے تفکر کے عالم میں کراہتی ہوئی عشیہ کو دیکھا تھا، وہ جس قدر تکلیف میں تھی، اس سے بہت کم اظہار کر رہی تھی، وہ واقعی خاصی مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی، شاہوار متاثر ہوا تھا۔

اور پھر کچھ سوچ کر اسے جیپ میں ڈالا اور ہسپتال لے آیا تھا، ڈیڑھ گھنٹے تک اس کا خون رک گیا اور پیر پہ پٹی بندھ گئی تو شاہوار اس کے قریب روم میں آیا تو عشیہ چونک گئی تھی۔

''ہوا کے گھوڑے پہ سوار رہنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' شاہوار نرمی سے کہتا ہوا اس کے قریب رکھے اسٹول پہ بیٹھ گیا تھا۔

''خاتون آپ کو اپنی زندگی عزیز ہو یا نہ ہو، لیکن جان لیجئے، کہ ہمارے لئے آپ بہت قیمتی ہیں، کم از کم خود کی حفاظت کر لیا کریں۔'' شاہوار کے الفاظ نے عشیہ کو خفت میں مبتلا کر دیا تھا، اسے یاد آیا، وہ صبح بل جمع کروانے اور سودا سلف لانے گھر سے نکلی تھی، ہٹ کے قریب اس کا پیر رپٹ گیا تھا اور وہ کھائی میں گر گئی تھی، شاید اس کا بی پی لو ہو گیا تھا، سر چکرایا اور وہ گر گئی۔

''اب کیا ارادے ہیں؟'' وہ آنکھوں میں زمانوں کی نرمی لئے پوچھ رہا تھا۔

''مطلب؟'' عشیہ نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

''گھر نہیں جانا کیا؟''

''کیوں نہیں؟'' وہ خفت زدہ سی اٹھنے لگی تھی جب ایک کراہ کے ساتھ واپس بیٹھ گئی، شاہوار نے اسے سہارا دیا اور پھر اسی طرح واپس جیپ میں لا کر بٹھایا۔

ہسپتال کے ایم ایس سے باتیں کرتا صندیر خان انٹرس سے باہر آتا ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

☆☆☆

حمیرا نوشین

''سمیہ تمہاری عقل پر پردے تو نہیں پڑ گئے جوان جہان الہڑ دوشیزہ کو تو نے اپنے گھر پر ملازمہ رکھا ہوا ہے اپنے مرد کو آنکھیں سینکنے کے مواقع تو تو نے خود فراہم کر رکھے ہیں کچھ ہوش کے ناخن لو اس لڑکی کو فوراً چلتا کرو مجھے اس کی منہ زور جوانی کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے۔''

''ارے نہیں خالہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، جو کچھ آپ سوچ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے، چھ ماہ ہو گئے ہیں اس کو میرے ہاں کام کرتے ہوئے میں نے ایسی کوئی فضول حرکت کرتے ہوئے اس کو نہیں دیکھا اور ساجد کی طرف سے تو آپ بالکل بے فکر ہو جائیں وہ درویش بندہ ہے بیوی کو انہوں نے نظر بھر کر نہیں دیکھا تو اس ملازمہ کو کیا خاک جی بھر کر دیکھیں گے انہوں نے تو کبھی اپنے کام سے بھی اس کو مخاطب نہیں کیا یہ بھی اپنے کام سے کام رکھتی ہے کبھی ساجد کے قریب نہیں پھٹکی۔'' میں نے فصیح اور نرمل کے بال بنائے بیگ ان کے کندھوں سے لٹکا کے انہیں ٹیوشن کے لئے روانہ کیا۔

''دیکھ لو...... دنیا دیکھی ہے میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے، ابھی سے محتاط ہو جاؤ ایسا نہ ہو کل کو پچھتانا پڑے۔'' خالہ اب بھی اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھیں اور نظریں مسلسل باہر لاؤنج میں صفائی کرتی ملازمہ ''پینی'' پر تھیں، میں ان کی بات سن کر مسکرا دی۔

''وہ زمانہ گزر گیا خالہ جب مرد حضرات گھروں میں کام کرتی ملازماؤں سے عشق لڑایا کرتے تھے اب تو باہر بہت مواقع مل جاتے ہیں تو ان کو کون منہ لگاتا ہے مجھے ساجد پر مکمل اعتماد ہے انہوں نے کبھی حسین سے حسین لڑکی پر توجہ نہیں دی تو یہ تو ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' میں نے ساجد کی بھرپور وکالت کی۔

''زمانہ تو بدل گیا مگر مرد کی فطرت نہیں بدلتی جہاں موقع ملے بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے لگتے ہیں۔'' وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھیں مگر میں نے کوئی توجہ نہ دی، جتنے دن وہ میرے گھر رہیں، پینی مسلسل ان کی نظروں کی زد میں رہی ساجد جب گھر پر ہوتے ان پر بھی خالہ کی کڑی نظر ہوتی باوجود کوشش کے وہ ان دونوں میں کوئی کمزوری نہ تلاش کر سکیں مگر جاتے جاتے بھی مجھے چوکنا رہنے کا مشورہ دینا نہ بھولیں بلکہ ان کا تو یہ اصرار ہی رہا کہ اسے پہلی فرصت میں یہاں سے چلتا کر دو۔

میں نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی پہلی فرصت میں کیسے اس کو چلتا کر دیتی میرے پورے گھر کا بار اس پر تھا سارے کام وہ بحسن و خوبی پورے کر رہی تھی چوری چکاری کی عادت اس میں نہ تھی آئے دن پیسے کپڑا لتا گھریلو ضرورت کی اشیاء مانگنا تو ملازماؤں کا وطیرہ تھا اور پینی ان فضول عادتوں سے بالکل ماورا تھی اسے صرف اپنی تنخواہ سے غرض تھی باقی اس نے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہ کی، اس کا صاف ستھرا کام اور ایمانداری دیکھ کر میں نے خود ہی اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا، وہ اسی پر خوش ہو گئی میں اس کی طرف سے مکمل مطمئن تھی۔

پتا نہیں یہ خالہ کی باتوں کا اثر تھا یا میں واقعی ساجد کو جانچنا چاہتی تھی اگلے پورے ایک ہفتے جب ساجد گھر پر ہوتے اور پینی کام کر رہی ہوتی میں ان دونوں کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھتی مگر پورے ایک ہفتے کے دوران میں نے ان دونوں کو اپنے کام سے کام رکھتے دیکھا۔

''خالہ تو بس یونہی مجھے پریشان کر گئیں کہاں ساجد ویل ایجوکیٹڈ بندہ انیسویں گریڈ کا آفیسر اور کہاں یہ چند ہزار روپے لیتی کم عمر ملازمہ

محبت کا بھی کوئی معیار ہوتا ہے ساجد اتنی معمولی حیثیت کے بھی نہ تھے کہ وہ ایک ملازمہ سے عشق بگھارتے۔'' میں خالہ کی سوچ پر مسکرا دی۔

☆☆☆

میں نے شادی سے پہلے اچھے پارلر سے بیوٹیشن کا کورس کر رکھا تھا اور اپنے ہی محلے میں پارلر بنا رکھا تھا محلے کی سبھی لڑکیاں مجھ سے فیشل کٹنگ، میک اپ وغیرہ کروایا کرتی تھیں ایک تو میرے ریٹس بھی کم تھے دوسرے کام اچھا تھا اور تیسرا انہیں گھر کے قریب ہی میری خدمات حاصل ہو جاتی تھیں تو کوئی بھی محلے سے باہر جانے کا نہ سوچتی۔

سب لڑکیاں میرے پاس ہی کام کروانے آتیں دو سال تک میں نے خوب کام کیا اور میرے کام میں اچھا خاصا نکھار آ گیا، ارادہ تھا کہ اپنا اچھا سا پارلر اسٹیبلش کر لوں کہ انہی دنوں ساجد کا رشتہ ہماری دور پار کی رشتے دار خاتون کے توسط سے آیا لڑکا اکلوتا تھا ماں باپ وفات پا چکے تھے پڑھا لکھا شریف جوان تھا سرکاری جاب تھی ماں باپ نے فوراً ہاں کر دی ان کا خیال تھا کہ ایسے اچھے رشتے تو قسمت والوں کو ملتے ہیں، انہوں نے زبانی کلامی بات پکی کی اور چند مہینوں میں ہی میں اپنے پانچ مرلے کے مکان سے ساجد کے دس مرلے کے خوبصورت وکشادہ ڈبل سٹوری مکان میں آ گئی۔

زندگی کے حسین رنگوں میں ایسی کھوئی کہ اپنے اور ساجد کے علاوہ کچھ نظر ہی نہ آتا تھا دن بھر ساجد کے کام کرنا گھر کی آرائش میں دن گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا تھا ساجد کے آنے سے پہلے خوب اچھا سا تیار ہو کے ان کا والہانہ استقبال کرتی اور پھر دونوں اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے، ساجد فطرتاً ایک شریف اور کم گو شوہر تھا گھما پھرا کر بات کرنا لفظوں سے عورت کے دل کو لبھانا انہیں ہرگز نہیں آتا تھا وہ عملاً میرا خیال رکھتے بلاوجہ کی روک ٹوک کی عادت ان میں نہ تھی، جو جائز کہا وہ مان لیا میں نے بھی ان کی فطرت سمجھ لی تھی، مجھے یا میرے گھر والوں کو ان کی طرف سے کوئی پریشانی نہ تھی زندگی سبک خرام ندی کی مانند رواں دواں تھی، پھر فصیح اور نزل نے ہماری زندگیوں میں آ کر مزید رنگ بھر دیئے خوشی اور سکون ہمارے چہروں سے ہویدا تھا احباب رشتہ دار ہماری ازدواجی زندگی پر رشک کرتے تھے۔

بچے ذرا بڑے ہوئے تو میں نے ساجد سے پارلر میں کام کرنے کی خواہش کی پارلر میں کام کرنے کی تو انہوں نے اجازت نہ دی البتہ اوپر والے پورشن میں مجھے ایک ہال کمرہ پارلر کے طور پر سیٹ کروا دیا میں کام کاج سے فارغ ہو کر اوپر پارلر میں چلی جاتی اوپر کے پورشن کی سیڑھیوں کا گیٹ الگ سے بھی تھا، اس لئے خواتین کے آنے جانے سے ساجد کو بالکل بھی پریشانی نہ ہوتی، دوپہر کو جب بچے اور ساجد آتے تو میں ان کو کھانا وغیرہ دے کر کچھ دیر آرام کرتی اور پھر اوپر کی راہ لیتی چند ہی مہینوں میں محلے کی بیشتر خواتین میرے کام اور اخلاق سے متاثر ہو چلی تھیں دن بھر خواتین کا آنا جانا لگا رہتا بعض اوقات تو اتنا کام آ جاتا کہ مجھے اپنے گھر کے کاموں کے لئے فرصت ہی نہ ملتی جب میں نے دیکھا کہ گھر میری بے توجہی کا شکار ہو رہا ہے اور ساجد بے شک منہ سے کچھ نہیں کہتے مگر میں نے ان کے چہرے کے تاثرات سے ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ بے ترتیبی انہیں سخت ناگوار گزر رہی ہے اس سے پہلے کہ گھر میں کسی قسم کی رنجش جنم لیتی میں نے پہلی فرصت میں ملازمہ کا بندوبست کیا وہ

ادھیڑ عمر کی عورت تھی سستی اور کاہلی سے کام کرتی کچھ اس کے آئے روز کے مطالبات سے میں تنگ آ چکی تھی، کام بھی کوئی ایسا ستھرا نہیں کرتی تھی، میں نے پارلر میں آئی خواتین سے ذکر کیا تو ایک خاتون نے پنی کو میرے پاس بھیج دیا وہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی تھی سلونی رنگت تیکھے نین نقوش اور اس کا دراز قد ایک دم سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا، مجھے بھی وہ اچھی لگی تھی صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہلکی پھلکی باتوں سے اس نے میرا دل موہ لیا بچے بھی اسے دیکھ کر خوش ہو گئے، پہلے والی ملازمہ کا کرخت لہجہ انہیں پسند نہ تھا، میں نے پنی کو فوراً اپنے ہاں ملازمہ رکھ لیا اور پہلی والی کی چھٹی کرا دی جب میں پارلر سے فارغ ہو کر آتی تو شام کو پنی میری موجودگی میں صفائی وغیرہ کا کام کر دیتی وہ اتنی پھرتیلی تھی کہ پورے گھر کو گھنٹہ بھر میں چمکا کر رکھ دیتی، ہفتہ بعد مشین لگاتی اور اگلے دن پورے ہفتے کے کپڑے پریس کر کے رکھ دیتی میری کچھ کہنے کی نوبت ہی نہ آتی بغیر کہے وہ میری طبیعت کے مطابق کام کر دیتی اور میرا دل خوش ہو جاتا کچھ دیر وہ بچوں کے ساتھ گپ شپ لگا کر اپنے گھر سدھارتی اس دوران میں نے اسے کئی بار آزمایا اپنی رنگ باتھ روم میں رکھ کر بھول جاتی کبھی لاؤنج میں کان کی بالی گرا دیتی اور وہ جھٹ سے لا کر میرے ہاتھ میں تھما دیتی۔

''باجی جی آپ کی بالی صوفے کے ساتھ پڑی ہوئی تھی آپ دھیان سے پہنا کریں سونا اتنا مہنگا ہے گم ہو جاتی تو خواہ مخواہ کا نقصان ہو جاتا۔''

''ارے تمہارے ہوتے ہوئے میرا کوئی نقصان ہو سکتا ہے تمہاری عقابی نگاہوں سے کوئی چیز بچ کر جائے گی کہاں۔'' میں ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے بالی لے لیتی اور وہ مسکرا پڑتی آہستہ آہستہ اس نے میرا مکمل اعتماد حاصل کر لیا تھا شام کو پارلر میں مصروف ہوتی تو وہ نیچے اکیلی ہی صفائی کر کے چلی جاتی ساجد شام کو آفس سے آ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے میں ان کی طرف سے بالکل بے فکر تھی۔

بچوں کو تیار کر کے ٹیوشن بھیج دیتی سبزی وغیرہ کاٹ کر رکھ دیتی میرا آدھا کام آسان ہو جاتا شام کو میں فٹافٹ کوکنگ کر لیتی، پارلر میں رش روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا میں نے اپنے ساتھ دو ہیلپر بھی رکھ لی تھیں جنہوں نے مجھ سے ہی کام سیکھا تھا اور کافی ٹرینڈ ہو چکی تھیں، پھر میں دن میں بھی پنی کو بلا لیتی بچے سکول سے آتے تو ان کا یونیفارم وغیرہ چینج کروا دیتی ساجد لنچ کے لئے آتے تو میں فوراً نیچے آ جاتی، شام کو پنی پھر آ جاتی اور آتے ہی پورے گھر کو سمیٹ کر رکھ دیتی مجھے اس کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ جس دن وہ چھٹی کر لیتی کاموں کا انبار مجھے چکرا دیتا سمجھ نہ آتا کون سا کام کس طرح سمیٹوں، بچے بھی اس کے عادی ہو چلے تھے البتہ ساجد سے وہ ہم کلام نہ ہوتی تھی اور نہ ہی ساجد نے کبھی اس سے بات چیت کی کبھی کبھار میرے کہنے پر وہ ساجد کو چائے بنا کر دے دیتی ان دونوں کی طرف سے بالکل بے فکر تھی کسی فرسودہ خیال نے میرے ذہن کو نہ چھوا۔

اس دن شام کو میں کوکنگ کر رہی تھی بچے ٹیوشن سے واپس آ چکے تھے پنی بھی صفائی کر کے فارغ ہو گئی تھی اور بچوں کے ساتھ مستی میں لگی ہوئی تھی میں اسے اور بچوں کو دیکھ کر مسکرا دی بچوں کے ساتھ وہ بالکل ہی بچی بن جاتی تھی ساجد کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے دروازے پر بیل ہوئی تو پنی نے گیٹ کھول دیا۔

''تو ابھی تک یہیں بیٹھی ہے باہر ہنیرا (اندھیرا) پھیل رہا ہے تیرے ابے کے منہ سے میرے لئے گولیوں کی طرح تڑا تڑ گالیاں نکل رہی ہیں چل جلدی کر گھر چل ورنہ میرے ساتھ تیری مرمت بھی کر دے گا۔''

''سلام باجی۔'' میں پینی کی ماں کی آواز سن کر کچن سے نکلی تو اس نے جھٹ سلام کر دیا میں نے اشارے سے جواب دیا۔

''اس کو کیوں ڈانٹ رہی ہو نذیراں میں نے ہی روک لیا تھا کہ کھانا کھا کر چلی جانا۔''

''باجی آپ برا نہ ماننا سارا دن یہ آپ کے گھر کے کام کرتی ہے دوسری جگہ بھی جانا ہوتا ہے وہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا کام الٹا سیدھا کر کے چلی جاتی ہے آپ اسے ایک ٹیم (ٹائم) بلایا کریں، صبح دوسرے گھر کا کام کرے گی شام کو آپ کا اور ہاں اسے جلدی فارغ کر دیا کریں اس کا ابا دیر سے گھر آنے پر بڑا ناراض ہوتا ہے۔'' نذیراں خاصی تپی ہوئی تھی۔

''تم کیوں پریشان ہو رہی ہو ایسا کرو دوسرے گھر کا کام اسے چھڑوا دو دونوں ٹائم اسے میری طرف ہی آنے دو جو تنخواہ یہ وہاں سے لے رہی ہے اس سے زیادہ میں دے دوں گی۔''

''ہاں اماں باجی ٹھیک کہہ رہی ہے ان کے گھر والوں کے نخرے بھی بہت زیادہ ہیں جتنا مرضی اچھا کام کر لو کبھی میرے کام سے خوش نہیں ہوتے میں بس باجی کی طرف ہی کام کیا کروں گی اتنی اچھی عادت کی ہیں میری باجی۔'' پینی جھٹ سے بولی اور اس کی اماں سوچ میں پڑ گئی۔

''سوچنے کی ضرورت نہیں ہے نذیراں، کیا تمہیں سارا دن میرے گھر رہنے پر اعتراض ہے۔'' میں نے اس سے پوچھا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''اعتراض تو کوئی نہیں ہے جی، آپ کے گھر تو میں بڑی مطمئن ہو کر بھیجتی ہوں پر شام کو آپ اسے ویلے سے بھیج دیا کریں جوان جہان ہے گھر بھی تھوڑا دور ہے مجھے بڑی فکر رہتی ہے۔''

اس نے اپنی رضا مندی دے دی تو میرے ساتھ ساتھ پینی بھی خوش ہو گئی۔

''بے فکر رہو، میں اسے جلدی فارغ کر دیا کروں گی اور اگر کبھی دیر ہو گئی تو ساجد اور بچے اسے گھر چھوڑ آیا کریں گے۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا اور فریج سے کچھ پھل نکال کر شاپر میں ڈال کر اسے پکڑائے وہ دونوں خوشی خوشی چل دیں اور میں گیٹ بند کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے پینی صبح نو بجے آتی اور شام کو میں اسے مغرب سے پہلے فارغ کر دیتی سارا دن وہ گھر پر رہتی اب میں سکون سے اپنے کام میں مصروف رہتی چونکہ اتوار کو ساجد کی چھٹی ہوتی تھی لہٰذا میں بھی پارلر سے اتوار کو چھٹی کرتی اس دن میں بچوں کے کپڑوں کی الماری سیٹ کر رہی تھی پینی میرے ساتھ باتیں بھی کیے جاتی اور کپڑے بھی پریس کرتی جاتی۔

''باجی جی! صاحب جی روزانہ اپنے جوتے خود پالش کرتے ہیں آپ کہیں تو میں ان کے جوتے پالش کر دیا کروں۔'' کام کرتے کرتے اس نے میری طرف دیکھا۔

''کر دیا کرو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ساجد کی اس ایک کام سے بھی جان چھوٹ جائے گی انہوں نے تو کبھی مجھے اپنے جوتوں کو ہاتھ لگانے نہیں دیا اسی لئے ہمیشہ خود کرتے ہیں۔''

میں نے اسے اجازت دے دی تو اس دن سے وہ ساجد کے جوتوں کو بھی چمکانے لگی گیسٹ وغیرہ

آتے تو بھی مجھے کوئی پریشانی نہ ہوتی میں آرام سے ان سے گپ شپ کرتی اور وہ سب کچھ ہینڈل کر لیتی میری فرینڈز اور امی نے بھی دبے لفظوں میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس لڑکی کو اپنا اتنا عادی نہ بناؤ پورا گھر اس کے حوالے کر رکھا ہے مگر میں نے درخور اعتناء نہ جانا۔

☆☆☆

صبح سے رم جھم بارش ہو رہی تھی ہوا نے موسم کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا پارلر میں کسٹمر برائے نام ہی تھے ساجد نے بھی آفس سے چھٹی کی ہوئی تھی میں پارلر لڑکیوں کے سپرد کر کے نیچے چلی آئی پارلر کا راستہ الگ سے بھی تھا اور درمیان سے بھی دروازہ تھا میں آنے جانے کے لئے درمیان کا دروازہ استعمال کرتی تھی مین گیٹ بند ہوتا تھا میں نے درمیان والا دروازہ کھولنا چاہا تو دوسری سائیڈ سے کنڈی لگی ہوئی تھی میرے دروازہ بجانے پر پینی نے فوراً کھول دیا۔

''کیا بات ہے تم نے کنڈی کیوں لگائی تھی۔'' میرا ماتھا ٹھنکا۔

''وہ باجی جی صاحب جی نے لگا دی ہو گی میں نے تو دھیان ہی نہیں دیا، میں تو کچن کی کیبنٹس صاف کر رہی تھی۔'' وہ کہتی ہوئی دوبارہ کچن میں جا گھسی اور میں تیزی سے بیڈ روم میں آئی تو ساجد کو فون پر مصروف پایا میں بیڈ پر بیٹھ گئی اور ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی، دل کو ایکدم ہی عجیب سی بے کلی نے آ لیا تھا۔

''آپ نے درمیان والے دروازے کی کنڈی کیوں لگائی تھی۔'' ان کے فارغ ہوتے ہی میں جھٹ سے بولی تو انہوں نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا، آج سے پہلے تو میں نے ان سے ایسا استفسار نہیں کیا تھا۔

''میں لاؤنج میں لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا ہوا سے دروازہ بار بار دھڑ دھڑ بج رہا تھا جس کی وجہ سے ڈسٹربنس ہو رہی تھی میں نے اٹھ کر کنڈی لگا دی۔'' وہ لاپروائی سے بولے تو میرے دل کو قدرے تسلی ہوئی۔

''اچھا ہوا تم نیچے آ گئیں ایمان سے سخت بور ہو رہا تھا، اب تو ماہر بیوٹیشن ہمیں لفٹ ہی نہیں کراتیں کبھی کبھار آپ کے نازک ہاتھوں کی مالش پرسکون کر دیتی تھی اب تو ہم اس سے بھی محروم ہو گئے ان ہاتھوں سے تو اب دوسرے ہی مستفید ہو رہے ہیں۔'' شوخی و شکوے سے کہتے ہوئے انہوں نے میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ لگایا تو میرے دل سے سارے خدشے دور ہوتے چلے گئے، ان چند منٹوں سے میرے ذہن میں پتا نہیں کتنے شک کے ناگ پھن پھیلا کر کھڑے ہو گئے تھے، میں نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

دن سبک رفتاری سے گزر رہے تھے، پینی کو میرے ہاں کام کرتے دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا وہ میرے ماحول سے کافی کچھ سیکھ گئی تھی بچوں سے بات کرتے ہوئے انگریزی کے لفظ بولتی طریقے و سلیقے سے گیسٹ وغیرہ کو ریفریشمنٹ سرو کرتی اس کے لب و لہجے اور صاف ستھرے پہناوے سے کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایک میڈ ہے میں نے بھی اس کے نک سک سے رہنے پر کبھی اعتراض نہ کیا صبح جب وہ آتی تو بڑی فریش ہوتی آنکھوں میں کاجل کی لکیر ہوتی۔

''بھئی پینی تم اپنی ساری تنخواہ کریموں پر تو نہیں لگا دیتیں، بڑی نکھرتی جا رہی ہو۔'' میں اس کی چمکدار اور شفاف جلد کو سراہے بنا نہ رہ سکی۔

''باجی جی گھر کے خرچے ہی پورے نہیں ہوتے اماں آپ کی دی جانے والی تنخواہ فوراً قابو

کر لیتی ہے، چھمو نے کچھ دن ہوئے ایک کریم دی تھی کہ لگا کر دیکھو تیرا رنگ بڑا گورا ہو جائے گا شاید اسی کریم کا اثر ہے۔'' وہ اپنی تعریف سن کر فوراً آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی مسکرانے لگی۔

میں بھی اسے دیکھ کر مسکرا دی، یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے دل خود بخود سجنے سنورنے کو چاہتا ہے مگر وہ تو روز بروز نکھرتی ہی جا رہی تھی کئی دنوں سے میں نوٹ کر رہی تھی کہ اس کے لب مسکراتے رہتے روشن آنکھیں مزید چمکتی دکھائی دیتیں اور اس دن جب وہ ڈیزائنر سوٹ پہن کر آئی تو میں نے اسے فوراً پکڑ لیا۔

''سچ بتا پینی تیرے پاس یہ سوٹ کہاں سے آیا کس نے دیا ہے یہ سوٹ تجھے اس سوٹ کو خریدنے میں تیری پوری تنخواہ چاہیے اور تیری تنخواہ تو تیری اماں تجھ سے ساری لے لیتی ہے سچ سچ بتا تجھے یہ سوٹ کس نے دیا ہے۔'' میں نے تھانیداری کی طرح اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیا اور وہ گھبرا گئی۔

''باجی جی! آپ کو سچ سچ بتاتی ہوں پر اس بات کا ذکر میری اماں سے نہ کرنا ورنہ وہ مجھے میرے ابا سے بھی پہلے گلا گھونٹ کے دفن کر دے گی۔'' اس کی ہرنی سی آنکھوں میں آنسو جھلملائے تو میں اپنے لہجے کو تھوڑا نرم کرتے ہوئے اس سے حقیقت پوچھنے لگی۔

''وہ میری دوست چھمو کے ماموں نے دیا ہے پسند کرتا ہے مجھے دوسرے شہر میں رہتا ہے، چھمو کے ہاں میرا آنا جانا ہے وہیں پر اس نے مجھے دیکھا تھا، دیکھتے ہی مجھ پر دل ہار بیٹھا مجھے بھی وہ اچھا لگنے لگا میں نے سوٹ لینے سے بہت انکار کیا پر اس کی ضد دیکھ کر لے لیا، چھمو ہماری راز دار ہے، باجی یہ سوٹ کیا بہت مہنگا ہے؟'' تفصیل بتاتے ہوئے اس نے مجھ سے پوچھا۔

''ہزاروں کی مالیت کا سوٹ تم نے پہنا ہوا ہے لگتا ہے کوئی بہت بڑی آسامی ہے۔'' میں نے اندازہ لگایا۔

''ہاں جی بہت بڑا کاروبار ہے اس کا۔'' اس نے آنکھیں مٹکائیں۔

''اچھا تو کیا وہ تم سے شادی کر لے گا؟''

''پتا نہیں باجی ابھی تو میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا ہے بس وہ میرے دل کو اچھا لگنے لگا ہے اور میں اس کے دل میں بسی ہوئی ہوں ابھی تو ہم اپنی محبت میں گم ہیں۔'' پینی کی آنکھوں میں محبت کے رنگ ناچنے لگے اور میں اس کی بیوقوفی پر تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

''نادان عمر ہے کہیں اپنی عزت ہی نہ گنوا بیٹھے۔''

میں نے اسے کسی اور وقت سمجھانے کا ارادہ کر لیا اس کے بعد تو اکثر ہی اس کے تن پہ کوئی نہ کوئی مہنگی چیز سجی نظر آتی رسٹ واچ برانڈڈ سوٹ، کانوں میں گولڈ کی چھوٹی چھوٹی بالیاں، میں حیران ہوتی۔

''پینی بے وقوف نہ بنو، تم اس کے جھانسے میں آ رہی ہو کہیں ایسا نہ ہو تم بہت بڑا نقصان کر بیٹھو۔'' میں نے اسے رسانیت سے سمجھایا مگر اس پر تو عشق کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

''باجی جی! جو کچھ آپ سوچ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے بڑا شریف ہے مجھے اپنے دل کی رانی کہتا ہے اور کوئی اپنی رانی کی عزت کو بھلا رولتا ہے۔'' خوش فہمی کی پٹی اس کی آنکھوں پر کس کے بندھی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ یہ کھیل تو کب تک کھیلے گی آخر ایک دن تو تیری ماں کو پتا چلے گا ناں اور اسے یہ تیری مہنگی مہنگی چیزیں نظر نہیں آتیں۔''

''میری اماں نے ساری زندگی سونا نہیں پہنا تو سونے کی پہچان کیسے ہو گی وہ تو انہیں آرٹیفیشل چیزیں سمجھتی ہے۔''

وہ اپنی ماں کی سادگی سے فائدہ اٹھا رہی تھی اور مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا۔

میری بلا سے جو دل چاہے کرے جب اسے اپنی عزت کا احساس خود ہی نہیں ہے تو میں کیوں اسے سمجھانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی ہوں، میں نے سر جھٹکا اور بچوں کے پاس چل دی۔

☆☆☆

کل سے ساجد کی طبیعت ناساز تھی وہ آفس سے جلدی آ گئے تو میں بھی نیچے آ گئی، پینی آج گھر جلدی چلی گئی تھی اس کی ماں بیمار تھی میں نے سوچا ساجد کو کوئی ٹیبلٹ اور چائے وغیرہ بنا کر دے دیتی ہوں نیچے بیڈروم میں آئی تو وہ بے سدھ سو رہے تھے، ماتھے کو ہاتھ لگایا تو اچھا خاصا ٹمپریچر محسوس ہوا وہ جوتوں سمیت بستر پر دراز تھے میں نے آہستگی سے ان کے جوتے اتار کر سائیڈ پر رکھ دیئے اور ٹانگیں بیڈ کے اوپر کیں جو بے ترتیبی سے سوتے ہوئے نیچے لٹک رہی تھیں ساجد نے کروٹ لی تو ان کا والٹ نیچے گر پڑا کئی چیزیں والٹ سے نکل کر گریں میں اٹھا کر انہیں واپس رکھنے لگی تو ایک بلیو کلر کا کاغذ باقی کاغذات میں الگ ہی لگ رہا تھا میں نے وہ فولڈ ہوا کاغذ یونہی سرسری سا کھولا جونہی میں نے اسے کھولا اندر کی تحریر نے میرے پورے وجود کو لرزا کے رکھ دیا جوں جوں تحریر پڑھتی جاتی تھی غصے و صدمے سے میرا تنفس بڑھتا جاتا تھا۔

''میرے دل کے راجا کو محبت بھرا سلام، رات کے بارہ بج گئے ہیں نیند میری آنکھوں سے روٹھ کر لگتا ہے غیر ملک چلی گئی ہے، آنے کا نام ہی نہیں لیتی اماں کب سے کہہ رہی ہے بتی بند کر دے باہر تک روشنی آ رہی ہے میں اچھا اماں کہہ کر پھر سے محبوب کی یادوں میں کھو جاتی ہوں اماں سمجھ رہی ہے کہ میں رسالہ پڑھ رہی ہوں اسے جھلی کو کیا پتا کہ میں تو اپنے دل کے راجا کے چہرے کو تصور میں بسائے اس سے اپنے من کی باتیں کر رہی ہوں پتا نہیں آپ نے اپنی پینی پہ کیسا جادو کر دیا ہے کہ میرے دل کو کسی پل چین ہی نہیں آتا بس صبح کے انتظار میں رات جاگ کر گزارتی ہوں آپ گھر سے نکل رہے ہوتے ہیں اور آپ کی پینی گھر میں داخل ہو رہی ہوتی ہے، بس یہی ایک جھلک میری رات کی جاگنے کی تھکن پوری کر دیتی ہے آپ کا بھی تو حال میرے سے مختلف نہیں ہے اپنی پینی کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر کیسی رونق آ جاتی ہے میں سب جان لیتی ہوں شام کو ملنے کی خوشی میں سارے کام فٹافٹ کر دیتی ہوں، باجی بڑی خوش ہیں مجھ سے، انہیں ہم دونوں کے بارے میں ذرا بھی شک نہیں ہوا میں نے انہیں کسی اور ہی چکر میں ڈال دیا ہے اپنے محبوب کو میں کسی مشکل میں تھوڑا ہی ڈال سکتی ہوں یہ ہم دونوں کی ہی احتیاط ہے جو ہماری محبت آگے بڑھ رہی ہے، دل آپ کو دیکھ لیتا ہے آپ میرے آس پاس ہوتے ہیں اس سے زیادہ بڑی خوشی کیا ہو گی میرے لئے، آپ کی نگاہیں جب مجھے اپنے اوپر پڑتی محسوس ہوتی ہیں تو مت پوچھیں صاحب جی دل کی کیا حالت ہوتی ہے لگتا ہے آپ کا حال دل سناتے باہر ہی آ جائے گا، اچھا اب پینی خط ختم کر رہی ہے اماں نے بتی بند کرنے کا بڑا شور مچایا ہوا ہے، شام کو آپ کے دیدار اور خط کی منتظر رہوں گی، اب اپنی پینی کو سونے کی اجازت دے دیں ورنہ آپ کی پینی کی یہ خوبصورت آنکھیں مردوں کی طرح اندر گڑ کر رہ

جائیں گی، صحیح کہہ رہی ہوں میں ہاں، آپ پہ جان لٹانے والی پنی۔"

کوئی پہاڑ بھی اگر مجھ پہ آگرتا تو شاید میرا وجود اس طرح ریزہ ریزہ نہ ہوتا جیسے اس تحریر نے میرے وجود کے پرخچے اڑائے تھے میرے اعتماد اور یقین کی دھجیاں بکھیری تھیں میں ساکت جسم کے ساتھ پھٹی نگاہوں سے اس تحریر کو کوئی دسویں مرتبہ پڑھ رہی تھی اور ہر مرتبہ پڑھنے پر یہی سوچتی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے جو میں اس تحریر سے اخذ کر رہی ہوں، ساجد میرے ہیں وہ میرے علاوہ کب کسی کو اس طرز تخاطب اور باتوں کی جرأت دے سکتے ہیں، یہ سب غلط ہے میرا وہم ہے پنی اتنی احسان فراموش ہرگز نہیں ہوسکتی کہ جس تھالی میں کھائے اسی میں چھید کر ڈالے میں نے اس پر مکمل اعتبار کیا تھا وہ میرے اعتبار کو ٹھیس پہنچا کر میرے ہی گھر میں نقب نہیں لگا سکتی۔

یہ سب جھوٹ ہے میرے خدشات ہیں یہ تحریر پنی کی ہی ہے مگر ساجد کے لئے ہرگز نہیں لکھی گئی ساجد صرف میرے ہیں وہ مجھے اتنا بڑا دھوکا نہیں دے سکتے، میں اپنے دل کو طفل تسلیاں دے رہی تھی مگر یہ سب میری خام خیالی ثابت ہوئی۔

اگلے دن پنی حسب معمول کام پر آچکی تھی میں نے اس سے نارمل رویہ رکھا ساجد کو بھی ان کی طرف سے اپنے اوپر ڈھائی جانے والی قیامت سے بے خبر رکھا وہ آفس سے آنے کے بعد آرام کر رہے تھے پنی اپنے کاموں میں مصروف تھی اس نے صبح کے لئے ساجد کے کپڑے پریس کیے اس کے بعد جوتے چمکائے ریک میں رکھے اور گھر کو سدھاری میں جلدی سے وارڈ روب کی طرف بڑھی اور ساجد کی قمیض کی سائیڈ پاکٹ میں ہاتھ ڈالا میرا اندازہ بالکل درست تھا پنی جیب میں خط رکھ کر جا چکی تھی بند ہوتی سانسوں اور نم آنکھوں سے میں نے پنی کا اپنے محبوب کو لکھے جانے والا خط پڑھا اور بے جان ہوتے وجود کے ساتھ اسے احتیاط سے اسی طرح بند کر کے رکھ دیا میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا میں نے بے دلی سے کھانا بنایا رات کو میری آنکھ جلدی لگ گئی پتا نہیں کون سا پہر تھا جب میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا ساجد بیڈ پر نہیں ہیں میں بیڈ روم سے باہر نکل آئی لاؤنج بھی خالی تھا بچے بھی اکیلے اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔

میں نے سٹڈی روم کی طرف نظر ڈالی تو وہاں کی لائٹ آن تھی میں نے کی ہول میں سے جھانکا تو ساجد کچھ لکھنے میں مصروف تھے رات کے اس پہر یہ کیا لکھ رہے ہیں، میں نے حیرت سے سوچا۔

"اوہ...... تو اپنی معشوقہ کے خط کا جواب لکھا جا رہا ہے۔" ذہن نے فوراً اندازہ لگالیا۔

میں لڑکھڑاتے قدموں سے واپس بیڈ روم میں چلی آئی نیند اپنا دامن چھڑا کر کہیں دور چلی گئی تھی، ساجد واپس اپنے بستر پر آکر سو چکے تھے میں بھی سوتی بنی رہی فجر کی اذان ہوئی تو میں نے بستر چھوڑ دیا نماز پڑھنے کے بعد چھوٹے موٹے کاموں میں مشغول ہوگئی ساجد اپنا محبت نامہ کیسے اپنی محبوبہ کو دیتے ہیں میں سوچے جا رہی تھی خیر یہ بھی پتا چل ہی جائے گا میں سر جھٹک کر بچوں کو سکول جانے کے لئے جگانے لگی۔

☆☆☆

اس دن جب تک ساجد آفس رہے میں اوپر پارلر میں مصروف رہی ساجد کے آنے سے پہلے ہی میں نیچے آگئی۔

پنی کو میں نے بہانے سے اوپر بھیج دیا کہ جا کر دیکھو لڑکیاں کسٹمرز کو صحیح طرح سے ڈیل کر رہی ہیں یا نہیں وہ اوپر کی جانب چل دی اور میں بچوں کے یونیفارم چینج کرا کے ٹیبل پر کھانا لگانے لگی ساجد آفس سے آئے تو مجھے اس طرح کام کرتے دیکھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی کیونکہ انکی محبوبہ نے ان کی آنکھوں کو تراوٹ جو نہیں بخشی تھی میں غیر محسوس طریقے سے سب کچھ محسوس کر رہی تھی اعتبار اور یقین کی پٹی جو میں نے اپنی آنکھوں پر باندھ رکھی تھی، ہٹی تو سب کچھ واضح دکھائی دینے لگا ساجد چپ چاپ کھانا کھانے میں مگن تھے میری ہلکی پھلکی باتوں کا وہ ہوں ہاں میں جواب دیتے رہے مگر پنی کے نظر نہ آنے پر مجھ سے استفسار نہ کیا، ان کے محتاط رویئے کی میں قائل ہو گئی۔

"چلو بیٹا ہاتھ دھو کر کچھ دیر ریسٹ کرو ساجد آپ بھی ریسٹ کریں میں پارلر جا رہی ہوں پنی نیچے آکر مشین لگالے گی اگر چائے وغیرہ پنی ہو تو اس سے بنوا لیجئے گا۔" میں کہہ کر کنکھیوں سے ان کا جائزہ لینے لگی، پنی کی موجودگی کا سن کر ان کے تنے ہوئے اعصاب مجھے ڈھیلے پڑتے دکھائی دیئے، چہرہ پل میں پرسکون ہوگیا وہ سر ہلاتے بیڈ روم میں چلے گئے اور بچے اپنے کمرے میں چلے گئے، میں نے ساجد کے آفس پہن کر جانے والے سوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا جو انہوں نے آکر اتار دیا تھا مجھے میرا گوہر مقصود مل گیا تھا ساجد کا محبت نامہ میرے ہاتھوں میں تھا۔

"ہرنی سی آنکھوں والی میری پنی، تمہارے دل کی باتیں پڑھ کر میرے دل کو قرار آگیا کئی دنوں سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر تمہارا حال دل جان کر طبیعت ایکدم فریش ہوگئی پنک سوٹ میں تم خود بھی کھلتا گلاب لگ رہی تھیں اپنے گلاب کو دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اتر آئی۔"

"ڈیئر پنی! تمہیں شکوہ ہے کہ میری صورت تمہیں رات بھر سونے نہیں دیتی تو مجھے بھی تم سے گلہ ہے کہ تمہارا خوبصورت سراپا مجھے آفس میں کوئی کام کرنے نہیں دیتا، بس یونہی سوچتا ہوں کہ جلدی سے یہ آفس ورک ختم ہو اور میں اپنی چاندنی کا چمکتا چہرہ آنکھوں میں قید کرلوں بس تم کسی طرح سے اپنی اماں سے موبائل رکھنے کی اجازت لے لو تاکہ تمہاری مدھر آواز میرے کانوں میں رس گھولے اپنی پنی کے دل کی باتیں میں اس کے منہ سے سننا چاہتا ہوں اور اپنے دل کے حال سے تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں خط کا تو پھر بھی ڈر ہے کہ کہیں سمیہ نہ دیکھ لے یا تمہارے گھر میں کسی کو پتا نہ چل جائے اور ہماری محبت کا راز ظاہر ہو جائے تم نے ویسے اپنی باجی کو صحیح اعتماد میں لیا ہوا ہے، وہ تم پر میرے معاملے میں ذرا بھی شک نہیں کرتی میں بھی تو اس کے سامنے بہت محتاط رہتا ہوں یہی احتیاط ہماری محبت کو تادیر زندہ رکھے گی۔"

"پتا نہیں تم نے مجھ پر کون سا سحر پڑھ کر پھونک دیا ہے کہ میرے جیسا سنجیدہ بندہ تمہاری محبت کا اسیر ہوگیا ہے دل تمہارے نام کی مالا جپتا رہتا ہے، سمیہ تو صرف میرے بچوں کی ماں ہے اور اس گھر کی مالک، تم تو میرے دل کی ملکہ بن چکی ہو میرے دل میں بسی ہو میری آنکھوں میں سمائی ہو، میری روح میں اتر چکی ہو تمہاری حسین آنکھوں پر مرمٹا ہوں میں، تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو دل ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو، تمہارے نشیلے نین ہوں اور میرے لبوں کی شوخیاں ہوں، تمہیں میری باتیں سمجھ تو آجاتی ہیں ناں، اب میں سونے لگا ہوں صبح آفس بھی جانا ہے تم نے تو مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا ظالم محبوبہ، خط لینے اور رکھنے میں مکمل احتیاط کیا کرو بچوں اور سمیہ کو شک نہ ہو، تمہاری چاہت دل میں بسائے تمہارا

صاحب جی۔''

کوئی قیامت سی قیامت تھی یوں لگ رہا تھا کہ جیسے مجھے کسی نے تپتے صحرا میں بے سائبان کر دیا ہے۔

''آہ۔'' میرے دل سے سرد آہ نکلی۔

تو یہ ہے مرد کا اصل روپ اس کی اصل فطرت، عورت اپنی پوری زندگی، اپنی وفائیں، محبتیں سب کچھ اپنے شوہر کے نام کر دے گھر کو گھر بنانے میں اپنا آپ تیاگ دے مگر گھر کی مالکن گھر والے کے دل میں پھر بھی گھر نہیں بنا سکتی، ساجد کے لکھے الفاظ میرا کلیجہ چھلنی کر گئے۔

''سمیہ میرے گھر کی مالک ہے اور تم میرے دل کی۔''

ان لفظوں کے ترکش مجھے گھائل کر گئے میری زندگی کا ساتھی، میری محبت میرے بچوں کا باپ، میرا غرور، میرا یقین اپنی بیوی کو صرف گھر کی مالکن کا درجہ دیتا ہے میرے نام سے اس کا دل خالی ہے یہ سوچ میرے دل کو چاٹتی جا رہی تھی میں نے وہ محبت نامہ خاموشی سے ان میلے کپڑوں کی جیب میں رکھا اور اوپر چلی آئی میری آنکھیں خشک تھیں دل ساجد کی بے وفائی پر کرلا رہا تھا، میرے شوہر کا دل اپنی بیوی کی محبت سے خالی تھا اور ایک ملازمہ کی محبت کا وہ اسیر ہو چکا تھا یہ سوچ میرے لئے کس قدر تکلیف دہ تھی۔

میں نے اپنے اشک بہاتے دل کو سنبھالا اور پینی کو نیچے بھیج کر ذہن میں بے شمار سوچیں لئے کام میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

اس کے بعد تو یہ میرا معمول بن گیا شام کو پینی کاموں سے فارغ ہو کر کپڑے پریس کرتی وہ ساجد کا لکھا خط نکال لیتی اور اپنا پریم پتر اس میں رکھ دیتی، اپنی پیغام رسانی کا ذریعہ انہوں نے خوب ڈھونڈا تھا۔

جب سے پینی آئی تھی کپڑے دھونے سنبھالنے اور پریس کرنے کی ڈیوٹی اسی کی تھی میں گھر کے کاموں سے بالکل ہی آزاد ہو گئی تھی، میں اس کھیل سے نجانے کب تک ناواقف رہتی وہ تو اس دن ناسازی طبع کے باعث ساجد کے والٹ سے خط نیچے گر کر مجھ پر اپنا راز منکشف کر گیا انسان جتنی بھی احتیاطی تدابیر کر لے ایک نہ ایک دن تو راز فاش ہونا ہی ہوتا ہے میں پینی کے جانے کے بعد خط پڑھ کر اسے اس کی جگہ پہ دوبارہ رکھ دیتی اس دوران ساجد کو کسی ایسے کام میں مصروف کر دیتی یا پینی کے جانے سے پہلے میں انہیں بچوں کے ساتھ باہر بھیج دیتی تاکہ وہ فوراً قمیض میں سے خط نکال کر نہ پڑھ سکیں میرے اس کھیل سے دونوں ناواقف تھے اگر تم دونوں میری ناک کے نیچے یہ کھیل کھیل سکتے ہو تو پھر یہ بھی دیکھنا کہ میں تم دونوں کے ساتھ کیسا کھیل کھیلتی ہوں، اس کھیل کو منطقی انجام تک پہنچانے میں ابھی کچھ وقت میں انہیں دے رہی تھی۔

اب میں پارلر صرف فرسٹ ٹائم جاتی ساجد کے آنے کے بعد میں مکمل نیچے رہتی کچھ دیر ساجد سے باتیں کرتی اور پھر ٹیلی ویژن دیکھنے لگتی، یا پھر رسالہ لے کر بیٹھ جاتی کنکھیوں سے میں ان دونوں کا جائزہ لیتی رہتی تھی خطوط کا تبادلہ وقفے وقفے سے ہو رہا تھا اور میں اپنے دل کو مستقل اذیت میں مبتلا کیے ہوئے وہ محبت نامے پڑھے جا رہی تھی میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ساجد کس حد تک جا سکتے ہیں اور اس دن واقعی میرا صبر ختم ہو گیا۔

''میرے دل کے قرار کو لوٹنے والے، پینی کا محبت بھرا سلام، صاحب جی کل سے اب تک دل کو سنبھال رہی ہوں، مگر یہ پاگل دل سنبھل ہی نہیں رہا آپ کے ہاتھوں کا نشہ میرے پورے وجود پہ چھایا ہوا ہے بار بار اپنے ہاتھ پہ اپنا ہی ہاتھ پھیرتی ہوں، مت پوچھیں کہ دل کیسے دھڑک رہا ہے میں تو ابھی تک اسی وقت میں قید ہوں جب چائے پکڑاتے ہوئے میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں تک لے گئے تھے۔''

''ہائے اللہ، ایسے تو نہ اپنی پینی کو ماریں اور یہ کیا بات کی آپ نے تمہیں میری باتیں سمجھ میں آتی ہیں کہ نہیں، بھلا محبت کی زبان کون نہیں سمجھتا اور آپ کی پینی تو ویسے بھی سات جماعتیں پڑھی ہوئی ہے ہر سال پہلے نمبر پہ آتی تھی وہ تو حالات نے آگے پڑھنے نہیں دیا ورنہ اب تک میں کہیں استانی لگی ہوتی پینی سب کچھ جانتی ہے سب سمجھتی ہے میں نے اماں سے بڑی مشکل سے موبائل کی اجازت لے لی ہے، مجھے باجی جیسا بڑی سکرین والا ٹچ موبائل لے کر دیں آپ کی تصویر کے ساتھ آپ کی آواز سنوں گی تو پینی کو تو دنیا میں ہی جنت کا سا سکون مل جائے گا آپ کی دی ہوئی انگوٹھی میں نے باہر والی ڈسٹ بن میں سے جاتے ہوئے نکال لی تھی، ابھی نہیں پہنوں گی جس دن موقع ملے گا آپ کے ہاتھوں سے ہی میری انگلی میں سجے گی تو پینی کو خوشی ہو گی اتنے مہنگے گفٹ نہ دیا کریں صاحب جی مجھے سنبھالنے میں بڑی مشکل ہوتی ہے اماں کو تو سونے اور مہنگی چیزوں کی پرکھ ہی نہیں ہے پر باجی میری چیزوں کو بڑے غ ر سے دیکھتی ہیں میرا تو دل ہل جاتا ہے کہ کہیں پول ہی نہ کھل جائے، اپنی پینی کو اجازت دیں، آپ کی آنکھوں کا خواب آپ کی پینی۔''

میں نے اپنے آنسو اپنی پلکوں پر روکے اور خط کے کئی ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلتے چولہے میں ڈال دیئے وہ محبت جس کی میں حقدار تھی میرا شوہر کسی اور پر لٹا رہا تھا نہ صرف محبت بلکہ پیسہ بھی، دونوں کتنی اچھی طرح احتیاط کا دامن تھامے ہوئے تھے پینی میرے سامنے ہمیشہ خالی ہاتھ جاتی سوائے ان شاپرز کے جو میں کھانے وغیرہ یا دوسری چیزوں کے کبھی کبھار دیتی تھی، اگلے دن پینی کپڑے استری کر رہی تھی کہ میں اس کے پاس چلی آئی۔

''ہاں بھئی اپنے ہیرو کا حال تو سناؤ کہاں تک پہنچی تمہاری لو اسٹوری، کئی دن ہوئے تم نے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔'' میں نے اس کے چہرے کو بغور پڑھا وہ ذرا سا مسکرائی اور میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''باجی جی! میرا ہیرو تو میرے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوب چکا ہے میرے سوا اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا، کہتا ہے زندگی تمہارے تصور میں بڑی حسین گزر رہی ہے۔'' محبت کے حسین رنگ اس کے چہرے پر دمکنے لگے۔

''اچھا...... تصور میں ہی ساری زندگی گزارے گا یا تمہیں اپنے گھر کی رونق بھی بنائے گا؟''

''پتا نہیں باجی نصیب میں کیا لکھا ہے فی الحال تو ہماری پریم کہانی پرسکون ندی کی طرح رواں دواں ہے۔''

''بڑی باتیں کرنی آ گئی ہیں تمہیں، کہاں سے سیکھتی ہو یہ لفاظی۔''

''یہ لفظ تو دل سے نکلتے ہیں جی، جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے ناں تو خوبصورت لفظ خود بخود ہونٹوں پر آ جاتے ہیں اور آپ رسالے نہیں پڑھتیں کتنے محبت بھرے فقرے لکھے ہوتے ہیں رسالے پڑھ پڑھ کے مجھے بھی اچھے لفظ بولنے آ گئے ہیں۔''

''رسالوں سے تم نے کوئی سبق حاصل نہیں

کیا یہ مرد ذات بڑی بے اعتبار شے ہے عورت کو ہمیشہ اپنے خوبصورت لفظوں سے ہی تو پھنساتے ہیں اور جب آنکھ کھلتی ہے تو بہت دیر ہو جاتی ہے کہیں تمہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے کچھ عقل سے کام لو۔''

''عقل سے کام لیتی تو محبت کرتی۔'' اس نے مسکرا کر پھر میری طرف دیکھا تو میں اس کے لفظوں اور باتوں کی قائل ہو گئی اس عمر میں پسماندہ گھر کی پلی بڑھی لڑکی کی باتیں میرے لئے حیران کن تھیں تاہم میں اس کے اگلے قدم کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ آئندہ کیا سوچے بیٹھی ہے۔

''تمہارا وہ امیر شہزادہ مجھ سے لکھوا لو کبھی بھی تم سے شادی نہیں کرے گا تمہیں یونہی اپنی محبت اور پیسے کے جال میں پھنسا کر اپنے وقت کو رنگین بنا رہا ہے اگر اسے واقعی تم سے محبت ہوتی تو کب کا تمہیں اپنے گھر کی زینت بنا چکا ہوتا۔''

''نہیں باجی مجھے اس کی محبت پر کوئی شک نہیں ہے بڑی گہری محبت کرتا ہے مجھ سے میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے محبتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھا ہے اور آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں بس اس کی کچھ مجبوریاں ہیں۔'' اس نے ہینگر میں کپڑے لٹکائے۔

''کیسی مجبوریاں کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ شادی شدہ ہو یا اس کی منگنی اس کی ہم پلہ کزن سے ہو چکی ہو۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا پتا نہیں اس سے کیا اگلوانا چاہ رہی تھی۔

''یہ تو اس نے مجھے نہیں بتایا پر کہتا ہے تھوڑا سا انتظار کرو مناسب وقت آنے پر میں تمہیں فوراً اپنے گھر کی ملکہ بنا لوں گا پر وہ مجھے اپنے گھر کی ملکہ بنائے یا نہ بنائے اس کے دل کی ملکہ تو میں ہی رہوں گی ناں۔'' وہ اترائی کپڑے مکمل استری ہو چکے تھے اس نے سوئچ آف کیا۔

''باجی جی اور تو کوئی کام نہیں ہے میں گھر جاؤں۔''

''ہاں...... ہاں جاؤ بہت بہت شکریہ تمہارا، تم نے تو میرے گھر کو بالکل اپنا گھر سمجھ کر ہر کام سنبھال لیا ہے۔'' ان الفاظ سے میں اسے بہت کچھ جتانا چاہتی تھی مگر اس نے مسکرا کر گیٹ کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''اچھا سنو پینی کل سے کام پر مت آنا میں پارلر کا کام چھوڑ رہی ہوں اپنے گھر کا سنبھالنا ہے اب مجھے بہت سے کونوں کی صفائی کرنی ہے جو تمہیں نظر نہیں آئے مگر مجھے نظر آ رہے ہیں، تمہارے صاحب جی بھی بہت جلد تمہاری چائے اور ہاتھوں کو بھول جائیں گے کیونکہ مرد ذات کی فطرت میں زیادہ دیر کسی کو یاد کرنا نہیں لکھا، بیوقوف لڑکی جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھ رہی تھیں، تمہاری تنخواہ آج میں تمہاری ماں کو گھر پہ دے آئی ہوں اسے پتا ہے کہ آج تمہارا میرے گھر آخری دن ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھولا تو اسے میری باتوں اور لہجے نے بہت کچھ سمجھا دیا وہ سر جھکائے دروازے سے نکل گئی میں نے دھڑاک سے گیٹ بند کر دیا۔

''خس کم، جہاں پاک۔''

☆☆☆

اگلے دن میرے گھر کے دوسرے گیٹ پر یعنی پارلر پر تالا لگا تھا اور گیٹ پر جلی حروف میں لکھا تھا۔

''پارلر مستقل طور پر بند ہو چکا ہے۔''

میں کمر کس کے گھر کی صفائیوں میں جت گئی ساجد آفس سے آئے تو آتے ہی مجھے آلیا۔

''یہ...... یہ تم نے پارلر بند کر دیا ہے۔'' وہ بے یقینی سے بولے تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں بس شوق پورا ہو گیا کئی دنوں سے میں سوچ رہی تھی کہ میرے مصروف رہنے کی وجہ سے آپ بہت ڈسٹرب ہیں آپ میری طرف سے مکمل نظر انداز ہو رہے تھے اتنے دن ہوئے نہ ہم کہیں گھومنے گئے اور نہ ساتھ بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کیں، بچے الگ میری بے توجہی کا شکار ہو رہے تھے گھر بھی بے ترتیب ہو رہا ہے، یہی سوچ کر میں نے پینی کو چھٹی کروا دی، اب گھر کی ہر چیز کو اس کے مقام پر پھر لے آؤں گی اس پینی نے تو میری کی ہوئی سیٹنگ کو بالکل ہی بدل ڈالا وہ بھی بیچاری کیا کرتی کام کرنے والی نے ایسی چیزیں استعمال کی ہوں تو اس کو سیٹنگ کا پتا چلے، ویسے پھر بھی جتنے دن رہی گھر کو میری غیر موجودگی میں اچھے طریقے سے سنبھالتی رہی مگر پھر بھی تھی تو کام والی ناں، گھر کو تو گھر کی عورت ہی صحیح معنوں میں سنبھال سکتی ہے۔'' میں روانی میں بولتی جا رہی تھی اور ساجد کے دھواں دھواں چہرے سے حظ اٹھا رہی تھی۔

''آپ کے جوتے ویسے خوب چمکاتی تھی، تھی ناں موچی کی بیٹی جوتے نہ چمکاتی تو اور کیا کرتی۔'' میں ایک کے بعد ایک وار کر رہی تھی اور ساجد کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''آپ کل آفس سے چھٹی اپلائی کریں مری وغیرہ آؤٹنگ کے لئے چلتے ہیں سب فریش ہو جائیں گے۔''

''پاپا مما ٹھیک کہہ رہی ہیں ہمارا بھی مری جانے کو بہت دل کر رہا ہے۔'' بچے بھی میرے ہم خیال ہو گئے تو ساجد کو ماننتے ہی بنی۔

دو دن بعد ہم سب مری کی خوشگوار فضاؤں میں گھوم رہے تھے بچے اور ساجد خوب چہک رہے تھے، بچے ساجد کو پکڑنے کے لئے پیچھے بھاگ رہے تھے اور وہ ان سے بچتے ہوئے میرے پاس آ گرے۔

''ہا...... بڑی شیطان اولاد ہے ہماری باپ کو بھی نہیں چھوڑتے۔'' میں ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''تم بھی آؤ ناں مل کر مزا کرتے ہیں۔'' انہوں نے ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھانا چاہا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''نہیں ساجد پلیز میرا دل نہیں چاہ رہا آپ بچوں کے پاس جائیں میں آپ لوگوں کو دیکھ کر انجوائے کر رہی ہوں۔'' میرے انکار پر وہ سر ہلاتے ہوئے بچوں کی طرف بڑھ گئے اور میں پھر سے اپنی سوچوں میں غلطاں ہو گئی۔

''میرا محبوب، میرا رفیق میری زندگی بھر کا ساتھی مجھے زندگی میں ایسے صدمے سے دوچار کرے گا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا میرے خلوص میرے اعتبار کو کیسی ٹھیس پہنچائی ہے کہ میرا پورا وجود زخمی ہے میرے بدن کے ہر عضو سے خون رس رہا ہے گہرے دکھ اور رنج نے میری ذہنی حالت ابتر کر رکھی ہے اور میں اپنے حوصلے پر حیران ہوئی کہ جس شخص کے دل کی ملکہ کوئی اور ہے میں جانتے بوجھتے اس شخص کے ساتھ کس ہمت سے رہ رہی ہوں ایسے دھوکے باز انسان کا ساتھ میں نے کیوں قبول کیا، اس شخص کی زندگی سے تو مجھے فوراً نکل جانا چاہیے تھا کہ جس نے شرافت کا لبادہ اوڑھ کر اپنی مخلص بیوی کو دھوکا دیا تھا۔''

بھروسہ جو ایک شیش محل کی مانند ہے اگر یہ ایک مرتبہ ٹوٹ جائے تو یہ انسان کو چھلنی کر دیتا ہے میرا شریک سفر جسے میں اپنی حیات کا چراغ سمجھتی تھی اس نے میرے اعتماد کا چراغ گل کر دیا

ہے میری روح کو تار تار کر دیا ہے۔

ساجد کے پینی کو لکھے الفاظ جب بھی سوچتی ہوں لگتا ہے کوئی ہتھوڑے سے میرے دل و دماغ پر کاری ضرب لگا رہا ہے میں نے ایسے بے وفا شخص کے ساتھ رہنا کیوں قبول کیا اپنی راہیں کیوں نہ الگ کر لیں مگر نہیں، میرے سامنے میرے بچوں کا مستقبل اور ان کی خوشیاں ہیں میرے جذباتی فیصلے سے میرے بچے باپ یا ماں کی محبت سے محروم ہو کر پروان چڑھتے تو ان کیا مستقبل ہوتا۔

ان کے باپ کے جرم کی سزا میں بچوں کو کیوں دیتی کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے بچوں کے چہروں نے مجھے ہر بار روکے رکھا، دل تو اپنے محبوب شوہر کی بے وفائی پر نوحہ کناں ہے ساتھ رہنا تو درکنار شکل دیکھنے سے بھی انکاری ہے مگر نہیں جو زندگی میں نے جینا تھی جی لی اب مردہ دل کے ساتھ بچوں کی خاطر اس شخص کے ساتھ لمحہ لمحہ زہر پیتے ہوئے میں نے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے میرے لئے زندگی کا ساتھی مر چکا ہے مگر میں اپنے بچوں کے باپ کے ساتھ زندگی بتانا چاہتی ہوں، بچوں اور ساجد کو دیکھتے ہوئے میں مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی اپنے معمول پر رواں دواں ہو گئی گھر والے اور گھر کی ہر شے کو میں نے سنبھال لیا ہے مگر یہ دل ہے کہ سنبھلنے میں ہی نہیں آتا ساجد کی بے وفائی پر کرلاتا رہتا ہے جب بھی ساجد میرے قریب ہوتے ہیں اذیت ناک لمحوں سے دوچار ہو جاتی ہوں۔

اس دن اتوار تھا میں کاموں سے فارغ ہو کر تیار ہونے لگی تو ساجد نے استفسار کیا۔

''کہیں جا رہی ہو جو اتنا نک سک سے تیار ہو رہی ہو۔''

''ہاں آج پینی کا نکاح ہے کل اس کی ماں بتانے آئی تھی۔'' میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو ان کے چہرے پر ایک واضح سایہ میں نے لہراتے دیکھا۔

''اچھا اچانک ہی شادی ہو رہی ہے۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

''ایسی لڑکیوں کی اچانک ہی شادی ہوتی ہے دراصل اس کا کسی سے چکر چل رہا تھا ماں کو پتا چلا تو فوراً جو بھی رشتہ آیا بات پکی کر دی ایسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ماں باپ کی عزت کو روند کر گھروں سے بھاگ جاتی ہیں جہاندیدہ ماں تھی فوراً رنگ ڈھنگ دیکھ کر ہاتھ پیلے کرنے کی سوچی اس کے تن پہ مہنگے کپڑے اور گولڈ کی چیزیں دیکھ کر ٹھنک تو میں بھی گئی تھی اسی لئے فوراً اسے یہاں سے فارغ کیا محلے میں سب کو پتا تھا کہ وہ ہمارے ہاں کام کرتی ہے کل کلاں کو کسی کے ساتھ بھاگ جاتی تو ہماری بھی بدنامی ہوتی آخر آپ کی اتنی عزت ہے محلے میں، ایسی باتیں چھپتی تھوڑی ہیں اور ایسی لڑکیوں کا کیا اعتبار کیا پتا آپ پر ہی کوئی الزام لگا دیتی اب مجھے تو آپ پر مکمل اعتماد ہے مگر لوگوں کی زبانیں تو نہیں پکڑی جا سکتی تھیں ناں۔'' میں ان پر پے در پے وار کر رہی تھی

''صحیح کہہ رہی ہوں ناں میں۔'' میں ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو وہ گڑبڑا گئے۔

''ہاں...... ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو اچھا کیا تم نے اس کی یہاں سے چھٹی کرا دی۔'' ساجد کے منہ سے بمشکل لفظ ادا ہوئے، ان کا فق ہوتا چہرہ دیکھ کر مجھے ہنسی آنے لگی، میں نے اپنا پرس چیک کیا تو پیسے کچھ کم لگے مجھے۔

''ساجد مجھے کچھ اور پیسے دیں آخر اتنا عرصہ اس نے اس گھر کے مکینوں کی خدمت کی ہے کچھ تو اس کا بھی حق بنتا ہے، جلدی دیں ناں دیر ہو رہی ہے۔'' میں نے سوچوں میں گم دیکھ کر ان کا کندھا ہلایا۔

''یہ لو۔'' انہوں نے والٹ نکالا اور دو ہزار روپے میری طرف بڑھائے۔

''بس...... دو ہزار روپے کچھ تو خیال کریں یہ پیسے اس کی نظر میں کہاں سمائیں گے چھ چھ ہزار کے تو وہ سوٹ پہنتی تھی چلیں خیر ٹھیک ہے دو ہزار میری طرف سے اور دو ہزار آپ کی طرف سے سوٹ دھلائی اور جوتا چمکائی۔'' میں نے پیسے پرس میں رکھ لئے۔

''گیٹ بند کر لیں میں جلدی آ جاؤں گی میں نے کونسا اس کی شادی کے چاول کھانے ہیں۔'' میں نے ان کے ماتھے پہ چمکتے موتیوں پر نظر ڈالتے ہوئے قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے میرا رخ مسز رؤف کے گھر کی طرف تھا جو اگلی گلی میں رہتی تھیں پینی کی ماں کو تو میں نے دو دن ہوئے گھر پر ہی دے دلا کر فارغ کر دیا تھا اس منحوس پینی کی میں شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اپنی عمر سے دوگنا مرد کو کیسا پھنسا رکھا تھا۔

''آہ...... ساجد عمر اب تم اپنی محبت کی قلیل عمر پر روؤ، ماتم کرو۔''

میں نے پینی کی ماں کو اس کا کسی لڑکے سے عشق کا قصہ سنا کر اپنے گھر سے پتا صاف کیا اور ساجد پر سب کچھ واضح نہ کر کے نہ صرف ان کا بلکہ اپنا بھرم آپ رکھ لیا، اگر میں ان پر سب کچھ واضح کر دیتی، لڑتی جھگڑتی تو نہ صرف گھر کی فضا خراب ہوتی بلکہ گھر ٹوٹنے کا بھی اندیشہ تھا، سو سمجھداری کا تقاضا یہی تھا کہ میں چھپے لفظوں میں ان پر ان کی بے وفائی آشکار بھی کر دوں اور بھرم بھی رہنے دوں۔

یہ مشرقی بیویاں ایسی ہی ہوتی ہیں اپنی ذات پس پشت ڈال کر اپنے بچوں کی زندگیوں کو ترجیح دیتی ہیں، بہرحال مجھے زندگی نے بہت بڑا سبق دے دیا۔

''کہ مرد ذات پر کبھی اعتبار نہ کرو۔'' اس میں کچھ قصور میں اپنا بھی سمجھتی ہوں اگر میں شروع میں ہی محتاط رہتی تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔

خالہ کے کہے الفاظ کی بازگشت ہر لمحہ مجھے اپنے کانوں میں سنائی دیتی ہے۔

''زمانہ تو بدل گیا مگر مرد کی فطرت نہیں بدلتی جہاں موقع ملے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کرتے، واقعی مجھ سے زیادہ ان الفاظ کی صداقت پر کون یقین لائے گا۔''

☆☆☆

فرزانہ حبیب

سنسار، ونی اور کاروکاری جیسی رسومات ہمارے دیہی معاشرے میں عام ہے آج تک عورت کو صرف پاؤں کی جوتی کا درجہ دیا گیا ہے اور مرد کی خاطر چاہے وہ باپ ہو، بھائی یا شوہر عورت ہی ہمیشہ قربانی دیتی آئی ہے مگر آج آپ کو ایسے قبائلی گھرانے کی کہانی سنائی جا رہی ہے جہاں ایک عورت کی عزت و حرمت کی حفاظت کے لئے مرد نے آواز اٹھائی اور ان فضول رسومات کے خاتمے کے لئے اہم کردار ادا کیا اور روایت پرست کی بجائے روایت شکن بننے میں فخر محسوس کیا، یہ اندرون سندھ کے وڈیرے شاہ عالم کی حویلی کا منظر ہے جو قدیم و جدید طرز کی خوبصورت امتزاج لئے ہوئے ہیں اس حویلی کی دیواریں جتنی اونچی اور سنگلاخ ہیں اس میں بسنے والے مردوں کے دل اس سے بھی زیادہ آہنی اور جذبات سے عاری ہیں جو عورت کو صرف اپنا غلام سمجھتے ہیں۔

پھپھو بشیراں جو وڈیرے شاہ عالم کی بڑی بہن ہے خاندان میں کوئی جوڑ نہ ہونے کی وجہ سے اور جائیداد بچانے کے لئے انہیں قرآن سے بخش دیا گیا، سفید لباس میں ملبوس وہ ایک چلتی پھرتی بدروح لگتی ہیں جن کا جسم تو سانس لیتا ہے مگر روح ہر طرح کے جذبات و احساسات سے خالی ہے، اس کے بعد یہ زرد ریشمی کپڑے میں اداسی کی تصویر بنی لڑکی شاہ عالم کے بڑے صاحبزادے شاہ خاور کی بیوی کم باندھی زیادہ ہے جسے کم عمری میں اس کے آنکھوں کے نوخیز خواب چھین کر اس سے دگنی عمر کے مرد کے پلے اس لئے باندھ دیا گیا کہ اس کے بھائی نے شاہ عالم کے منجھلے آوارہ صفت بیٹے کا اپنی کسی ذاتی دشمنی کی وجہ سے قتل کر دیا تھا جس کے خون بہا کے طور پر ایک بہن کو ہی قربانی دینی پڑی، سارا دن ملازموں کے ساتھ خود بھی گھن چکر بنی رہتی لیکن بدلے میں اسے ساس اور سسر کے تحقیر بھرے جملے اور شوہر کی نفرت ملتی، شوہر فطرتاً عیاش تھا جسے باہر کی بازاری عورتوں سے تعلقات قائم کرنے میں فخر اور بیوی سے جائز تعلق رکھنے میں بھی شرمندگی محسوس ہوتی تھی اور یہ شاہ عالم کا سب سے چھوٹا بیٹا شاہ بخت ہے چوڑے شانے، مردانہ وجاہت کا عملی نمونہ، کھڑی مغرور ناک، بلوری آنکھیں اور گھنی مونچھوں تلے عنابی ہونٹ، شان بے نیازی کا یہ عالم کہ جہاں سے گزرتا لڑکیاں دل تھام کر رہ جاتیں، جس کی ایک نگاہ الفت کسی بھی لڑکی کے لئے اعزاز سے کم نہیں ہوتا، کراچی یونیورسٹی کے بزنس ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں ایم بی اے کے فائنل ائیر میں زیر تعلیم تمام اساتذہ کا ہر دلعزیز ہونہار اسٹوڈنٹ اور اسٹوڈنٹ یونین کا بے خوف اور نڈر رہنما، دوسری طرف اکنامکس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والی نور العین ایک معمولی اسکول ماسٹر کی ذہین، خوبصورت اور قابل بیٹی جو اپنے والدین کی اکلوتی نور نظر تھی اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے ہر فرمائش پوری کرنا اس کے والدین کی اولین ترجیح تھی، مڈل کلاس سے تعلق رکھنے کے

باوجود چال میں تمکنت اور چہرے میں مغرورانہ مسکراہٹ جو سامنے والے کو تسخیر کرنا جانتی ہے۔

☆☆☆

شاہ بخت کا پہلا ٹکراؤ نور العین کے ساتھ کینٹین میں ہوا، پروفیسر جمشید کی کلاس کے بعد تمام اسٹوڈنٹس نے کینٹین کا رخ کیا جس میں نور العین بھی شامل تھی جو اپنی یونیورسٹی فرینڈ رمشا کے ساتھ سموسے اور چائے سے لطف اندوز ہونے آئی تھی رش کی وجہ سے انہیں اپنی باری کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا کہ اتنے میں ایم بی اے کا مشہور

لیڈر شاہ بخت اپنے دوستوں کے ساتھ اندر داخل ہوا اور باقی لوگوں سے پہلے ان کا مطلوبہ آرڈر ان تک پہنچا دیا گیا، یہ منظر دیکھ کر نور العین کا چہرہ غصے سے تپنے لگا وہ تن فن کرتے کینٹین بوائے کی طرف بڑھی۔

''نور! رک جاؤ یار، میں کہتی ہوں شاہ بخت کے گروپ سے الجھنا فضول ہے وہ بہت بڑے وڈیرے کا بیٹا ہے، یہ پوری کینٹین سیکنڈوں میں خرید سکتا ہے اور تمہیں معلوم ہے یونیورسٹی کے سالانہ فنڈز میں بھی اس کے باپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔'' رمشا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تو اس کا کیا مطلب ہے کہ یہاں باقی اسٹوڈنٹ حقیر اور کیڑے مکوڑے ہیں، تم نے آنا ہے تو آؤ ورنہ اس نواب سے تم ڈرتے رہو، میں یہ ناانصافی نہیں دیکھ سکتی، واہ بھئی، ہم کب سے بھوکے پیاسے صبر سے انتظار کر رہے ہیں اور وہ موصوف وہاں بیٹھے مزے اڑا رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر نور العین شاہ بخت کے عین سامنے جو کھڑی ہوئی، بخت نے چونک کر اس کامنی سی لڑکی کو دیکھا جس کے ماتھے پر شکن اور غصے سے سرخ چہرہ اسے حسین تر بنا رہا تھا۔

''اے مسٹر! یہ کہاں کا انصاف ہے پہلے ہماری باری تھی اور تم ہم سے پہلے اپنا آرڈر لے کر یہاں آرام سے بیٹھے ہو یہاں موجود باقی مخلوق کیا تمہیں احمق نظر آ رہی ہے، امیر ہو گے اپنے گھر کے، اپنے باپ کی دولت کا زعم کسی اور دکھانا، یہ یونیورسٹی ہے یہاں کے اصول و قوانین سب کے لئے مساوی ہیں او کے، آئندہ مینرز اور ڈسپلن کا خیال رکھنا۔'' نور العین نے شہادت کی انگلی تنبیہ انداز میں اٹھاتے ہوئے کہا اور پھر ٹیبل پر سے سموسے سے بھری اور چھولے چاٹ کی پلیٹ اٹھائی اور یہ جا وہ جا۔

''ارے مس بات تو سنیں اس کی پے منٹ ہم نے کی ہے، آپ ایسے کس طرح یہ لے کر جا سکتی ہیں۔'' شاہ بخت کے دوست ندیم نے احتجاج کیا جسے شاہ بخت نے ہاتھ دبا کر روک دیا۔

بخت جو کہ پہلے اس سچوئیشن سے خود حیران تھا مگر اب نور العین کی خود اعتمادی اور جرت مندی کو انجوائے کر رہا تھا آج تک اس نے صنف نازک کو بہانے بہانے سے اپنے گرد منڈلاتے دیکھا تھا مگر یہ لڑکی شاہ بخت کو ان چند لمحوں کے فسوں میں اسیر کر گئی تھی، شاہ خاور کا دل اب اس کا نہیں رہا تھا۔

''یہ لو میری بزدل دوست انجوائے کرو سموسے اور چاٹ وہ بھی اس اکڑو شاہ بخت کے پیسوں سے، ہونہہ تم بلاوجہ ڈر رہی تھی، کیا کر لیا اس نے یا اس کے چمچوں نے؟ بلکہ آئندہ کے لئے توبہ کر لے گا۔'' نور العین نے مزے سے سموسے پر کیچپ ڈالتے ہوئے کہا جس کا ساتھ اب رمشا بھی دے رہی تھی، اس بات سے بے خبر کہ وہ دو بلوریں آنکھوں کے مسلسل حصار میں ہے جس کے لبوں کی جامد خاموشی اور گہری آنکھیں کسی اور ہی فسوں کی کہانی سنا رہی تھیں۔

''بخت یار! یہ تجھے کیا ہو گیا؟ وہ لڑکی اتنے آرام سے نہ صرف ہمارا لنچ اٹھا کر لے گئی بلکہ بل بھی ہمیں ادا کرنا پڑا اور تو خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا، حیرت ہے، تجھ جیسا اصول کا پکا اور نڈر شخص بھی ایک معمولی لڑکی سے شکست کھا سکتا ہے۔'' بخت اپنے دوست دانیال کی بات سن کر ہوش کی دنیا میں واپس لوٹا مگر ابھی تک اسے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ تھی۔

''اوہ کم آن یار اور وہ لڑکی نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کیا غلطی ہماری ہی تھی، ہم بعد میں آئے تو ہمیں اپنے آرڈر کا دوسرے اسٹوڈنٹ کی طرح انتظار کرنا چاہیے تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی کلائی میں بندھی ریڈیم ڈائل کی چمکتی گھڑی پر نظر ڈالی اور وہاں سے نکلتا چلا گیا جاتے جاتے وہ نور العین پر ایک سرسری مگر بھرپور نظر ڈالنا نہیں بھولا تھا جو بے نیازی سے سموسے کے ساتھ انصاف کرنے پر محو تھی جس کے دائیں گال پر پڑتے ڈمپل کے بھنور میں شاہ بخت کا دل اٹک گیا تھا۔

☆☆☆

بی جان (شاہ عالم کی زوجہ) کے حکم پر آج تمام ملازمائیں صبح سے ہی کچن میں مصروف تھیں کیونکہ آج ان کا لاڈلا اور خوبرو سپوت شاہ بخت دو مہینے بعد گھر تشریف لا رہا تھا۔

''اوہ بالیوں! ذرا تیزی سے ہاتھ چلاؤ، مرن جوگیوں! ہاتھوں میں دم نہیں ہے کیا؟'' بی جان نے گھریلو ملازمہ کی بیٹی ماروی کو آواز دیتے ہوئے کہا، ماروی کم عمر گندمی رنگت کی پرکشش ملازمہ تھی جو سارے گھر میں پھرتی کی طرح کام کرتی نظر آتی بی جان کے غصے سے ڈر کر اس نے لسی بلوتے برق رفتاری سے چلتے ہاتھوں کو مزید حرکت دی۔

''سلام بی جان!'' شاہ بخت نے ہمیشہ کی طرح جھک کر ادب سے بی جان کو سلام کیا، بی جان اس کے انداز تکلم اور فرمانبرداروں پر نہال ہو گئیں۔

''بسم اللہ، بسم اللہ میرا سوہنا پت گھر آیا ہے گھر کی دیواریں تک تیرے آنے سے روشن ہو گئیں ہیں، سوہنا سفر میں تو سب خیر رہی ناں، ماروی اور ماروی اف ایک تو اس سستی کی ماری لڑکی سے میں بیزار ہوں ارے جلدی بخت پت کے لئے لسی لے کر آ، اتنی چلچلاتی دھوپ میں میرا بیٹا آیا ہے، دیکھ چہرہ کیسا سرخ ہو رہا ہے۔'' بی جان نے اپنے دوپٹے سے نادیدہ پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا تو شاہ بخت ان کی سادگی پر مسکرا کر رہ گیا۔

''ارے بی جان! مجھے کوئی گرمی نہیں لگ رہی، میں کوئی پیدل چل کر تھوڑی آیا ہوں۔'' اتنے میں ماروی لسی سے بھرا جگ لے کر آ گئی، بی جان نے بڑے پیار سے بخت کے نہ، نہ کرنے کے باوجود لسی کے دو گلاس پلا دیے، ماروی جب تک وہی ہاتھ باندھ کر کھڑی تھی بخت کی اس پر نظر پڑی۔

''ارے ماروی تم کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ ناں۔''

''ارے نہیں چھوٹے سائیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' ماروی نے تھوڑا جھجکتے ہوئے جواب دیا بی جان سے اسے بہت خوف آتا تھا۔

''ارے بخت پت یہ کمی کمین ہیں ان کی جگہ ہمارے برابر نہیں بلکہ ہمارے قدموں میں ہے ان کو اتنا سر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔'' بی جان نے نخوت سے تحقیر آمیز انداز میں کہا جن کی بات پر نہ صرف ماروی کی شرمندگی کے مارے آنکھیں بھیگ گئیں بلکہ بخت کو بھی بی جان کا مغرورانہ لہجہ اچھا نہیں لگا۔

''بی جان! مجھے کم از کم آپ سے یہ امید نہیں تھی بابا جان کی حاکمیت کا انداز آپ میں بھی رچ بس گیا ہے، آپ بھی ان کی زبان بولنے لگیں ہیں ارے بی جان ہم سب نبی پاک کی امتی ہیں اللہ نے تمام انسانوں کو برابر بنایا ہے، تو ہم اور آپ اللہ کی کسی بھی مخلوق کو حقیر سمجھنے والے کون ہوتے ہیں جبکہ ہم خود اس کے ادنیٰ سے بندے اور محتاج ہیں وہ جب چاہے ہمارا مال و متاع، ہماری شان و شوکت ہم سے چھین کر فقیری میں لے آئے یہ سب اس کا کرم ہے جس کے شکرانے

کے طور پر ہمیں اپنے غریب ملازموں کا خیال رکھنا چاہیے۔'' ماروی کی نظر میں بخت کا رتبہ مزید بلند ہو گیا اس نے تشکر آمیز نظر سے بخت کی طرف دیکھا۔

''اور ماروی یہ تمہاری کچھ کتابیں ہیں ان میں اہم جوابات کے نشان لگا دیئے ہیں پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو مجھ سے پوچھ لینا میں ابھی ایک ہفتے تک یہیں ہوں اگلے سال تم نے میٹرک کے بورڈ کے امتحان میں بیٹھنا ہے اور اچھے نمبروں سے پاس ہونا ہے۔''

''اوہ سائیں میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں اللہ سائیں آپ کو بہت ساری کامیابی اور سوہنی سے زال دے۔'' ماروی نے خوشی سے بھرپور لہجے میں سرشاری سے جواب دیا، شاہ بخت اس کی معصومانہ بات پر ہنس پڑا آخری بات پر چھم سے دو سیاہ گہری آنکھیں خود اعتمادی سے بھرپور سراپا اس کی نظروں میں گھوم گیا پھر شاہ بخت بی جان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

☆☆☆

''السلام علیکم پھپھو جان!'' بخت نے پھپھو بشیراں کو سلام کیا جن کا سفید دوپٹے کے ہالے میں پرنور چہرہ چمک رہا تھا، شاہ بخت کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگیں پوری حویلی میں بخت ہی وہ واحد شخص تھا جو اس کی عزت کرتا تھا باقی سب تو اس سے لاتعلق ہو گئے تھے اس وقت بھی وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں پھر انہوں نے بخت پر دم کیا۔

''ارے پھپھو یہ کیا، ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہیں باہر دیکھئے کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے بارش کے بعد ہر چیز نکھر گئی ہے چلیں باہر لان میں چلتے ہیں میں نے بھاجائی کو پکوڑے اور میٹھی پوریاں بنانے کے لئے کہا ہے، آپ کو پسند ہیں ناں، ہم وہیں لان میں گپ شپ کے ساتھ انجوائے کریں گے۔'' اور پھر ان کے منع کرنے کے باوجود بشیراں بی بی کو وہ لان میں لے کر آ گیا جہاں بابا سائیں اور خاور بھائی پہلے ہی براجمان تھے اور کسی سیاسی مسئلے پر بحث چل رہی تھی۔

''اور بخت پت، تیری پڑھائی کیسی چل رہی ہے آخری سال ہے ناں تیرا، اب تجھے بھی خاور کی طرح یہ باپ دادا کی گدی سنبھالنی ہے مجھ میں اب دم خم نہیں رہا بس تیری بی جان کے ساتھ اب اللہ کے در پر حاضری دوں گا۔'' بابا سائیں نے اپنے مخصوص رعب و پر جلال انداز میں شاہ بخت کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

''بابا جان میری پڑھائی بہت اچھی چل رہی ہے، مگر معذرت کے ساتھ بابا جان، مجھے اس زمینداروں اور سیاست سے کوئی لگاؤ نہیں میں وہیں شہر میں اپنی فیلڈ سے متعلق بزنس کروں گا اور یہاں گاؤں میں ایک ڈسپنسری اور اسکول کھولوں گا جہاں تعلیم اور صحت جیسی بنیادی سہولت غریبوں کو مفت میسر ہو گی مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اپنے علاقے کی بدحالی اور غربت دیکھ کر۔'' بخت نے تاسف سے کہا، جس پر اتنی دیر سے خاموش بیٹھا شاہ خاور مزید چپ نہ رہ سکا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ شہری پڑھائی نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے، اب تم کمی کمین کو ہمارے برابری پر لے آؤ گے انہیں ہمارے سر پر بٹھاؤ گے، بابا! پاؤں کی جوتی پاؤں میں ہی اچھی لگتی ہے ان کو اتنا مت چڑھاؤ کہ وہ ہمارا ادب کرنا بھول جائیں۔'' شاہ خاور نے غصے سے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

''پلیز ادا سائیں میں بابا سائیں سے بات کر رہا ہوں تعلیم انسان کو شعور و آگہی دیتی ہے یہ لوگ پڑھ لکھ کر آپ کے سر نہیں چڑھیں گے بلکہ آپ کی مزید عزت کریں گے آپ کو معلوم ہے آپ کی بلاوجہ کی اجارہ داری اور طاقت کے گھمنڈ سے یہ لوگ آپ سے ڈرتے تو ہیں مگر دل سے عزت نہیں کرتے اور رہی برابری کی بات تو آپ شاید بھول رہے ہیں ان کمی کمین کے ووٹوں کی وجہ سے ہی ہر سال آپ الیکشن جیتتے ہیں یہ معصوم ہر سال نئے ولولے اور نئی امید کے ساتھ ووٹ دیتے ہیں مگر آپ لوگ نے آج تک کوئی بھی وعدہ پورا کیا جس سے ان کو فائدہ پہنچے جبکہ اپنے لوگوں کی ضرورت کا خیال رکھنا ہماری ذمہ داری ہے اللہ سائیں کے یہاں بھی جواب دینا ہو گا۔'' شاہ بخت نے اپنے مخصوص دھیمے مگر پر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

''بس اب تو کل کا چھوکرا ہمیں تمیز اور ادب کی باتیں سکھائے گا۔''

''بابا سائیں میرا ادا سائیں سے بحث کا کوئی موڈ نہیں ویسے بھی جن کے دلوں پر مہریں لگ جائیں ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی اور ویسے بھی میں اپنے حصے کی زمینوں پر اپنا یہ خواب پورا کروں گا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بہتر ہو گا آپ اپنے معاملات پر نظر رکھیں مجھے میرے ارادوں سے کوئی پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔'' یہ کہہ کر شاہ بخت وہاں سے نکلتا چلا گیا، خاور اس کی جرأت مندی اور حق بات پر دانت پیس کر رہ گیا۔

''بابا سائیں! آپ نے اس کو بہت چھوٹ دی ہوئی ہے، اس کو لگام ڈالیں ذرا۔''

''ارے ہولا ہاتھ رکھ پت، ابھی جوان خون ہے نیا نیا نوجوانی کا جوش ہے وقت کے ساتھ خود سمجھ آ جائیں گی، تو فکر نہ کر یہ بتا، وہ محمد بخش والی زمینوں کا کیا بنا؟'' اس کے بعد وہ دونوں اس معاملے پر بات چیت کرنے لگیں کہ ان کی نظر بشیراں بی بی اور خاور کی بیوی (مہرو) پر پڑی۔

''اور تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟ چلو اندر، اس طرح زال کا مردوں کے سامنے دندناتے پھرنا ہمارے یہاں معیوب سمجھا جاتا ہے آئندہ میں تم دونوں کو باہر نکلتے نہ دیکھوں، اپنی اوقات میں رہو تو بہتر ہے سمجھی؟ بخت تو ناسمجھ بچہ ہے مگر بشیراں تجھے تو عقل ہے ناں، تیرا اس طرح باہر نکلنا، عام لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا کتنا برا سمجھا جائے گا گوٹھ والوں نے دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے؟ آئندہ خیال رکھنا اور تو چھوری، کتنی بار کہا ہے میرے سامنے اپنی شکل مت دکھایا کر تجھے دیکھتا ہوں تو اپنا مرحوم بیٹا یاد آ جاتا ہے چل یہاں سے دفع ہو، یاد رکھ تو یہاں خون بہا میں آئی ہے یہی کافی ہے، تجھے عزت سے رکھا ہے، دو وقت کی روٹی اور کپڑا مل رہا ہے اس سے زیادہ کی نہ تیری اوقات ہے نہ ہمارا ظرف۔'' بابا سائیں کے تحقیرانہ انداز پر مہرو نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سر کے سائیں کی طرف دیکھا جو ان تمام باتوں سے بے نیاز موبائل میں لگا ہوا تھا، وہ وہاں سے دوڑتی ہوئی اندر کی طرف بھاگی تو اس کا سامنا باہر آتے شاہ بخت سے ہوا۔

''کیا ہوا بھرجائی! اس طرح کیوں رو رہی ہو، پلیز مجھے بتاؤ۔'' بخت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے سامنے صوفے پر بٹھایا۔

''کچھ نہیں ادا سائیں، آنکھ میں تنکا چلا گیا تھا جس کی وجہ سے پانی نکل آیا اور تم میری فکر نہ کیا کرو میں اس عزت کے قابل نہیں میں صرف خون بہا میں آئی ایک باندھی ہوں جو پوری حیاتی اپنے بھائی کے گناہ کا کفارہ ادا کرتی رہے گی۔'' مہرو نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''اوہ سمجھ گیا، ادا سائیں اور بابا سائیں نے

پھر آپ کی تذلیل کی ہو گی غلطی میری ہے آپ کو اس طرح ان کے درمیان چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا، آپ میرے کہنے پر ہی باہر گئی تھیں سوری بھرجائی! میں بہت شرمندہ ہوں مگر آئندہ آپ کی دل آزاری نہیں ہو گی اور پلیز آپ اپنے آپ کو باندھی نہ کہا کریں جو کچھ ہوا اس میں آپ کا کیا قصور، آپ کو بابا سائیں، ادا سائیں کے ساتھ نکاح کر کے لائے ہیں آپ اس گھر کی عزت ہیں آپ کا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا، پلیز اپنے آپ کو مظلوم سمجھنا چھوڑ دیں ورنہ یہ ظالم دنیا آپ کو جینے نہیں دے گی انشاء اللہ ایک وقت ضرور آئے گا جب اللہ سائیں، ادا سائیں کا دل آپ کی طرف سے نرم کر دے گا ان کے دل میں نفرت کی جگہ محبت ہو گی بس صبر و تحمل کے ساتھ اپنے منصب پر ڈٹے رہیں۔'' شاہ بخت کی باتوں نے ہمیشہ کی طرح مہرو کی ڈھارس باندھی زندگی کی اس تپتی صحرا میں شاہ بخت کی شخصیت ہی نخلستان تھی جس کی وجہ سے وہ اب تک زندہ و پر امید تھی، اس نے تشکر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو شاہ بخت مسکرا دیا۔

''اچھا اب جلدی سے مجھے گرما گرم چائے پلائیں آپ کے ہاتھ کے بنائے ہوئے مزیدار پکوڑے کھا کر تو چائے کی طلب بڑھ گئی ہے۔'' شاہ بخت نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ابھی لائیں ادا، تم اپنے کمرے میں جاؤ، وہاں بھجواتی ہوں۔''

''او کے اور میری باتوں پر ضرور عمل کرنا اب میں اپنی پیاری ادی کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ دیکھوں۔'' بخت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''اوہ تو یہاں یہ گل کھلایا جا رہا ہے میں بھی تو کہوں کہ اس سے اتنی ہمدردی کا بخار کیوں چڑھ رہا ہے تو یہاں یہ رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں، ارے بے غیرت تجھے منہ کالا کرنے کے لئے میری زال ملی تھی۔''

''بس ادا سائیں! آگے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں یہ بھول جاؤں گا کہ سامنے میرا بھائی کھڑا ہے ارے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو اسے کبھی بیوی کا درجہ دیا جو آج غیرت جاگ رہی ہے ارے اس بیچاری کا کیا قصور، جو کچھ ہوا اس معاملے میں صرف عورت ہی قربانی کیوں دیتی ہے؟ تم اسے اپنی عزت بنا کر لائے اور گھر کی ملازمہ سے بھی بدتر درجہ دیا، میں اگر اسے انسان سمجھ کر اس کی عزت کر رہا ہوں تو اتنا گھٹیا الزام...... مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اتنا بھی گر سکتے ہوں، اپنے گھر کی عزت اور اپنے بھائی پر تہمت لگانے، اس کے کردار پہ کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے کرتوتوں پر نظر رکھو، تم کیا سمجھتے ہو، مجھے معلوم نہیں یہ جو ضروری کام کا بہانہ بنا کر ہر دوسرے دن شہر جاتے ہو تو تمہارا چکر کن بدنام گلیوں میں لگتا ہے تم بابا سائیں کی محنت کی کمائی کن بازاری عورتوں پر خرچ کرتے ہو، ہونہہ اس کو آج تک ایک جوڑا بنا کر نہیں دیا اور پرائی نا محرم عورتوں کو ان کے جسم کی نمائش پر خراج تحسین پیش کرتے ہو، کیا یہ شریفوں کا شیوہ ہے، تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ میرا منہ مت کھلواؤ۔'' شاہ بخت نے غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ جواب دیا، اس سچ کا آئینہ دکھانے پر شاہ خاور بھی کچھ گھبرا گیا مگر پھر اپنی روش پر واپس آتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے میں مرد ہوں مجھ پر سب جائز ہے، مگر یہ......اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی، بیوی ہے تو کیا ہوا؟ آئی تو خون بہا میں ہے رہے گی پاؤں کی جوتی بن کر، تو اپنی علمیت اپنے پاس رکھ اور اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے مجھ پر بہتان لگانا بند کر۔'' شور کی آواز سن کر بابا سائیں بی جان اور بشیراں بی بی بھی وہاں آ گئی تھیں۔

''یہ کیا شور مچا رکھا ہے، گھر کے ملازمین تک تم لوگوں کی آوازیں سن رہے ہیں۔'' بابا سائیں نے رعب سے پوچھا۔

''ارے بابا سائیں میں نے ان دونوں کو رنگے ہاتھوں رنگ رلیاں مناتے پکڑا ہے اس نے اس کمینی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور وہ مسکرا مسکرا کر اس سے سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔'' شاہ خاور نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے جھوٹ کی انتہا کر دی۔

''ارے شاہ بخت یہ میں کیا سن رہا ہوں، یہ ہے میری تربیت کہ تو اپنے گھر کی عزت پر ہی ڈاکہ ڈالے۔'' بابا سائیں نے گرج دار آواز میں پوچھا، مہرو یہ تمام صورتحال سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی، بشیراں بی بی اور بی جان بھی نا سمجھی سے سب ملاخطہ کر رہی تھیں۔

''بابا سائیں، آپ بھی، کیا آپ مجھے نہیں جانتے، کیا آپ کو اپنے خون پر بھروسہ نہیں، بس اب میرے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں، لعنت بھیجتا ہوں میں اس اونچے شملے پر، جو انسان کو انسانیت کے معراج سے گرا دے۔'' یہ کہہ شاہ بخت رہاں رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا حویلی سے نکلتا چلا گیا، پیچھے بی جان اور بشیراں بی بی آہ کرتی رہ گئی، خاور کے چہرے پر شاطرانہ و فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

''ہونہہ بڑا آیا لوگوں کے حالات بدلنے والا، اسکول کھولے گا، لوگوں کو مفت علاج کی سہولت مہیا کرے گا، اب دیکھتا ہوں کیسے کھلتا ہے اسکول، ارے یہ ساری زمینیں اور جائیداد کا میں اکلوتا وارث ہوں اس کانٹے کو تو نکال پھینکا اب اس کمین زادی سے نمٹتا ہوں آج قدرت نے اچھا موقع دیا ایک تیر سے دو شکار، ابھی اس کم بخت سے بھی میں دو بول بول کر جان چھڑاتا ہوں، وہ شیریں بائی کے پاس جو نئی چھوکری آئی ہے کیا مکھن ملائی ہے وہ؟ اب تو اس کو دل کی ملکہ بناؤں گا، راج کرے گی اس حویلی میں، میرے دل کی شہزادی اور یہ بابا سائیں اور بی جان کی زندگی بھی کتنی ہے، اس کے بعد ساری جائیداد پر صرف میرا قبضہ ہو گا ہاہاہا۔'' انسان کسی برائی کا سوچتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ اوپر والا منصف ہے وہ ظالم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا کر رہتا ہے۔

پھر بابا سائیں کے منع کرنے پر وقتی طور پر وہ مہرو کی طلاق دینے سے رک گیا تھا مگر اس کا ارادہ جلد از جلد اس کو فارغ کرنے کا تھا مہرو کو اب حویلی تک محصور کر دیا گیا تھا وہ معصوم لڑکی فضول روایت کے بھینٹ چڑھ گئی تھی نہ جانے کب تک مہرو جیسی بنت حوا کو ابن آدم کی بھول کا قرض ادا کرنا ہو گا۔

☆☆☆

آج کل شاہ بخت اپنے دوست نبیل کے فلیٹ میں سکونت پذیر تھا وہ یونیورسٹی کے بعد نبیل کے آفس میں ہی پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا ایم بی اے کے فائنل ائیر کے بعد اس کا شاندار اکیڈمک ریکارڈ کے ساتھ فیوچر برائٹ تھا فی الحال اسے امتحانی فیس اور دیگر تعلیمی اخراجات کی فکر نہیں تھی کیونکہ بابا سائیں نے اس کے اکاؤنٹ میں پہلے ہی کافی رقم اس حوالے سے ٹرانسفر کروا دی تھی مگر وہ اپنے زیر بازو کچھ کرنا چاہتا تھا جس کے لئے تجربہ ضروری تھا لہٰذا اس نے نبیل کے مشورے پر اس کے آفس میں بطور اکاؤنٹنٹ جاب کر لی تھی اسے اپنے بھائی کی خصلت کا اچھی طرح اندازہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تھا کہ اس کی جائیداد پر قبضہ کرنے اور اپنے ارادے سے اسے بے دخل کرنے کے لئے اس نے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہے مگر مصلحت کے تحت وہ خاموش تھا وقت آنے پر اسے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے کوئی نہیں دستبردار کر سکتا تھا، آج جب وہ یونیورسٹی کے بعد جلدی جلدی آفس کی طرف روانہ ہوا تو اوپر زینے چڑھتے ہوئے اس کا ٹکراؤ سامنے سے آتی لڑکی سے ہو گیا شاید وہ بھی عجلت میں تھی۔

''اوہ سوری میں پلیز میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔'' شاہ بخت سے جلدی جلدی سر پکڑے بیٹھے وجود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ساتھ ہی اس کا ہینڈ بیگ فائل اور باقی بکھری چیزیں سمیٹنے لگا۔

''کیا اندھے ہیں آپ؟ رئیس زادہ ہونے کی وجہ سے فرش کی بجائے عرش کی طرف دیکھ کر چلتے ہیں جو سامنے سے آتی ایک جیتی جاگتی وجود نظر نہیں آئی۔'' مانوس آواز پر شاہ بخت نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تو اپنے سامنے نور العین کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی اس سے پہلے کہ وہ اسے مخاطب کرتا، نور العین نے بیگ اور دیگر چیزیں اس کے ہاتھ سے چھیننے کے انداز میں لی اور آفس کا داخلی دروازہ پار کر گئی۔

''یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ کیا نبیل اس کو جانتا ہے، یا نبیل کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے؟'' یہی سب سوچتے ہو بھی اس کے پیچھے گلاس ڈور دھکیلتا اندر داخل ہوا تو اس کو ایک شدید جھٹکا لگا عین اس کی سیٹ کے سامنے نور اپنی چاندنی بکھیرتے حسن سے بے نیاز براجمان تھی۔

''اوہ تو جو جونیئر اکاؤنٹ پچھلے دنوں اپنے والد کے علالت کی وجہ سے چھٹی پر تھی وہ نور العین ہے، امیزنگ اس دن کے بعد میں نے اس کو کہاں کہاں نہیں تلاش کیا ہر ڈیپارٹمنٹ میں کھوج لگائی اور جب مایوس ہونے لگا تو اللہ نے اس گوہر نایاب سے اس طرح ملاقات کروا دی۔''

☆☆☆

بعد میں نبیل کی بابت پتہ چلا کہ نور العین اس کے بابا کے بیسٹ فرینڈ کی بیٹی ہے، جو ایم اے اکنامکس فائنل ائیر کی ہونہار طالبہ ہے مگر معاشی پریشانی اور باپ کی بیماری کی وجہ سے لاسٹ سمسٹر میں باقاعدہ کلاسز نہیں لے سکی اور اب تمام پروفیسرز کے تعاون سے وہ فائنل ائیر میں صرف امتحان دینے یونیورسٹی جائیں گے اسے اس کامنی سی لڑکی سے جو پہلے ہی ملاقات کے فسوں میں اس کے دل کے قریب ہو گئی تھی اس سے ہمدردی محسوس ہوئی، دوسرے دن وہ تھوڑا وقت سے پہلے آفس پہنچ گیا اتفاق سے اس وقت نور العین بھی اپنے کیبن میں کمپیوٹر کے ساتھ مصروف پائی گئی۔

''السلام علیکم مس نورا!'' شاہ بخت نے گلا کھنکھارتے ہوئے اسے متوجہ کیا، نور جو اپنے کام میں بری طرح منہمک تھی اس نے چونک کر شاہ بخت کو دیکھا تو اس کی پیشانی پر شکنیں آ گئیں یونیورسٹی میں اس کی شاندار وجاہت و دولت کا کافی چرچا تھا لڑکیوں کا شہد کی مکھی کی طرح اس کے گرد منڈلانا اسے بالکل پسند نہیں تھا وہ اسے بھی بگڑا ہوا رئیس زادہ سمجھتی تھی۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے مارے باندھے جواب دیا، نبیل سے پتہ چلا تھا کہ شاہ بخت بھی اسی آفس میں جاب کر رہا ہے زیادہ تفصیل اس نے نہیں بتائی تھی نہ ہی اس نے کوئی دلچسپی ظاہر کی تھی، اس نے سوچا ہو گا یہ بھی امیر زادے کی تھرلنگ کا کوئی انداز کہ لائف میں کچھ تبدیلی کے لئے اس طرح ملازمت کی جائے۔

''اور کیسی ہیں آپ؟ اس دن کے بعد آپ یونیورسٹی میں نظر نہیں آئیں؟'' شاہ بخت نے مزید بات آگے بڑھانے کے لئے بات برائے بات کی۔

''مسٹر شاہ! شاید یہ میرا پرسنل میٹر ہے، آپ کو اس طرح میری ذاتیات کی بابت پوچھنے کا کوئی حق نہیں، آپ نبیل کے دوست اور یہاں پر میرے کولیگ ہیں اس لحاظ سے آپ کا احترام کرتی ہوں مگر برائے مہربانی آئندہ اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیجئے گا، امید ہے آپ کو میری بات بری نہیں لگی ہو گی۔'' یہ کہہ کر وہ فائل اٹھائے ایم ڈی کے روم کی طرف بڑھ گئی، نبیل جو کافی دیر سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا نور کے جاتے ہی اس کے سامنے آیا۔

''ہاہاہا شاہ بخت کی بولتی ایک نازک سی لڑکی نے بند کر دی جس کی ذہانت کے آگے کسی کی نہیں چلتی آج ایک لڑکی سے شکست کھا گیا ہاہاہا۔'' شاہ بخت اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔

''ارے واہ! شاہ بخت جیسے جلالی انسان میری بات پر غصے کی بجائے مسکرا رہے ہیں، آج تو بڑے بڑے انقلاب آ رہے ہیں، خیریت تو ہے یار، مجھے تو دال میں کچھ کچھ کالا لگ رہا ہے، کہیں دل ول کا کوئی معاملہ تو نہیں اگر ایسا ہے تو بھائی ابھی سے اپنے ناتواں دل کو سمجھا لے کہ یہ کسی اور حسینہ عالم کے زلف کا اسیر ہو جائے نور العین جیسی پر اعتماد اور اپنے ارادوں میں اٹل لڑکی کے سامنے تیری دال نہیں گلنے والی۔'' نبیل کی اپنی لن ترانیاں جاری تھیں۔

''کہتے ہیں منہ اچھا نہ ہو تو بات اچھی کر لینی چاہیے، مگر اچھی بات کہنے کے لئے بھی دماغ کی ضرورت ہے جو تمہارے پاس ہے نہیں لہٰذا تم فضول میں قیاس کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے اسائمنٹ تیار کرو جو انکل نے کل تمہارے حوالے کیا تھا ورنہ کہیں انکل تمہیں گھوڑے سمیت سر کے بل نہ گرا دے۔''

''اوہ ہاں، میں اسی سلسلے میں تمہارے پاس آیا تھا، مجھے کچھ پوائنٹ سمجھ نہیں آ رہا، سوچا تم سے ڈسکس کر لوں، یار اکلوتا وارث ہونے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ڈیڈی اتنے جلاد ہیں کہ مجھے یہاں تمہارے ساتھ باندھ کر رکھ دیا، آہ یہ حسین شام پٹنا، بینا اور پنکی جیسی حسیناؤں کے ساتھ رنگین بنانے کی ہے یا یہاں اس آفس میں تمہاری بورنگ شکل دیکھنے کے لئے۔'' شاہ بخت نے اس کی فضول گوئی کا جواب دینے کے بجائے اسائمنٹ کی فائل کھول لی جو اس کے لئے ایک چیلنج تھا اس پروجیکٹ کے ملنے پر ان کی کمپنی انٹرنیشنل لیول پر آ سکتی تھی اور یہی سے اس کی ترقی کا آغاز تھا، دوسرے دن Presentation تھی جس میں سب سے پہلے نور نے اپنے پوائنٹ پیش کیے، بلاشبہ سب نے اس کی ذہانت و صلاحیت کو سراہا اس کے بعد شاہ بخت کی باری تھی بلیک ڈنر سوٹ میں وہ بہت ہی وجیہہ اور متاثر کن شخصیت کا مالک لگ رہا تھا، اس کے چہرے پر وہی مخصوص مسکراہٹ تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

''ہونہہ، جاب تو ہم جیسے ضرورت مندوں کی مجبوری ہے اور ان جیسے بڑے لوگوں کے لئے ایک مشغلہ، اس نے خاک پوائنٹ تیار کیے ہونگے۔'' ابھی نور اپنے عظیم خیالات میں کھوئی ہوئی تھی شاہ بخت کی سحر انگیز گمبھیر آواز پر ہر طرف خاموشی چھا گئی اور پھر اس نے ایک کے بعد ایک سلائیڈ اور ٹرانسپرینسی کے ذریعے کمپنی کے لئے منافع بخش پہلو پر روشنی ڈالی، اس سے نور بھی حیرانی کے ساتھ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

ڈنر کے بعد سب اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے شاہ بخت بھی وہاں سے پارکنگ کی طرف جانے لگا کہ پیچھے سے نبیل کی آواز پر رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''یار ایک چھوٹا سا کام ہے تم نور کو اس کے گھر چھوڑتے چلے جاؤ ابھی ماما کی کال آئی ہے وہ دوبئی سے واپس آگئیں ہیں مجھے ان کو لینے ائیر پورٹ جانا ہوگا، یار نور کے گھر کا راستہ بالکل مخالف ہے ورنہ میں خود چھوڑ دیتا۔'' یہ کہہ کر نبیل عجلت میں وہاں سے چلا گیا جبکہ شاہ بخت مسلسل نور کی طرف دیکھ رہا تھا جو لیمن کلر کی لونگ شرٹ ٹراؤزر میں بلیک اسکارف کے ساتھ اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی مگر اس کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ بحالت مجبوری اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوئی ہے، بخت کو اس کے ساتھ یہ سفر بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا اس نے کیسٹ پلیئر آن کر کے نور کی طرف کن اکھیوں سے دیکھا جو گانے کے بول سن کر پہلو بدل کر رہ گئی، پوری آٹو میں اس کی آواز گونج رہی تھی اور یہ گانوں کی یہ کلیکشن نبیل کی تھی جو آج کل اس کے زیر استعمال تھی گانے کے بول اس کو حسب حال لگے۔

''فلک تک چل ساتھ میرے، فلک تک چل۔'' نور کے ایکسپریشن پر بخت کے عنابی ہونٹ میں مسکراہٹ رینگ گئی اسے خود حیرت ہوتی تھی کہ اس جیسا خشک انسان جو صنف نازک سے ایک حد میں ملتا تھا، جس نے آج تک کوئی گرل فرینڈ نہیں بنائی کسی لڑکی کی حوصلہ افزائی نہیں کی نور کی سادہ سی شخصیت نے کیسا سحر پھونکا ہے کہ دن بدن وہ اس کے فسوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

''مس نورا! آج آپ کی Presentition کافی اچھی تھی ماشاء اللہ I am empressed مجھے آپ جیسی پر اعتماد اور آگے بڑھنے کی جستجو رکھنے والی لڑکیاں ہمیشہ سے متاثر کرتی آئی ہیں۔''

نور نے کچھ کہنا چاہا۔

''آہاں پلیز اب یہ مت کہیے گا کہ یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے، بقول آپ کے ہم کولیگ ہیں بحیثیت کولیگ آفیشل ورک پر تو آپ Appreciate کر سکتا ہوں۔'' پہلی بار نور اس کی بات سن کر لاجواب ہوگئی پھر اپنا تاثر زائل کرنے کے لئے جواباً اس نے بھی اس کی تعریف کی۔

''اوہ تو آپ بدلہ اتار رہی ہیں اینی ویز تھینکس، آپ کی یہ تعریف میرے لئے انمول خزانہ ہے۔'' آخری بات اس نے زیر لب کہی جو نور کی سماعت تک رسائی نہیں پا سکا۔

''مسٹر شاہ! واقعی آپ بھی ہارڈ ورکر ہیں I am too impressed اور Parsionate بھی جبکہ میں سمجھتی تھی......''

''جبکہ آپ مجھے ایک بگڑا ہوا امیر زادہ، لا ابالی، گرل فرینڈز بنانے والا اور لڑکیوں کے ساتھ ٹائم پاس کرنے والا نوجوان سمجھی تھی آپ کے خیال میں میری عزت اور شاندار تعلیمی ریکارڈ میرے بابا کی جاہ وحشمت کی بدولت ہے مگر آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں کچھ وجوہات کی بناء پر اپنے بابا کا سہارا چھوڑ چکا ہوں اور اب Self depaded ہوں خود سے کچھ کرنا چاہتا ہوں میں مانتا ہوں میرا تعلق ایک جاگیردار گھرانے سے ہے مگر یقین کریں میں نے کبھی اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا میرے اساتذہ صرف میرے ٹیلنٹ اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے مجھے پسند کرتے ہیں صنف نازک کا احترام میں بالکل ویسے ہی کرتا ہوں جیسے اپنی حویلی کی خواتین میرے لئے باعث احترام ہیں اور میں اپنے علاقے کی ترقی کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں یہ ملازمت بھی سمجھ لیں اسی مقصد کی جانب پہلا قدم ہے۔''

''میں اپنے زور باوز اپنی شناخت بنانا چاہتا ہوں یہ سب باتیں بتانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ پلیز میری طرف سے جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور کر لیں کیونکہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔'' شاہ بخت نے سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات مکمل کی، نور جو اس کی گمبھیر اور سحر انگیز آواز کے طلسم میں کھو گئی تھی ایکدم چونکی۔

''سوری شاہ آپ کا امیج واقعی میرے سامنے بہت خراب تھا مگر دو ماہ سے اس آفس میں جاب کرتے ہوئے آپ کی شخصیت کے مثبت پہلو میرے سامنے آئے ہیں تو آج میں برملا کہتی ہوں کہ واقعی آپ دوسرے جاگیردارانہ فطرت رکھنے والے نوجوانوں سے مختلف ہیں لیکن اس طرح کی سوچ پر میرا بھی کوئی قصور نہیں دراصل میرے بابا کا تعلق ایک دیہی علاقے سے ہے جہاں وہ اسکول ٹیچر تھے انہوں نے گاؤں میں جہالت کے اندھیرے کو تعلیم کی روشنی سے دور کرنا چاہا تو وہاں کے وڈیرے نے انہیں در بدر کر دیا، اگر نبیل کے بابا نے سہارا نہ دیا ہوتا تو آج نہ جانے ہم کہاں رل رہے ہوتے اس لئے مجھے فیوڈل سسٹم سے تعلق رکھنے والوں سے نفرت ہے مگر اب میں اپنی سوچ پر شرمندہ ہوں واقعی ہر انسان کے کردار کو ایک ہی پلڑے میں نہیں پرکھنا چاہیے۔'' نور نے اپنے پچھلے رویے پر معذرت کی۔

''اٹس او کے بہت افسوس ہوا آپ کے بابا کے ساتھ اس ناروا سلوک کا سن کر مگر اب تو آپ کا دل میری طرف سے صاف ہوگیا ناں، تو ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں؟ دیکھئے پلیز اب یہ مت کہیے گا کہ میں لڑکوں سے دوستی نہیں کرتی، پلیز یقین کریں میں ایک بے ضرر سا انسان ہوں جو پہلی بار کسی لڑکی کے ٹیلنٹ اس کے رکھ رکھاؤ اور کردار کی مضبوطی کی وجہ سے اس سے متاثر ہوا ہے۔'' نور نے اس کی بات کے جواب میں صرف اتنا کہا۔

''مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں رہا مگر ہماری کچھ اسلامی حدود اور معاشرتی اقدار ہے جس کی پاسداری ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے میری ذمہ داری ہے لہٰذا آپ سے دوستی میں افورڈ نہیں کر سکتی، البتہ ہم کولیگز ہیں اس لحاظ سے آپ میرے لئے قابل احترام ہیں، آج بھی مجبوراً آپ کے ساتھ آنا پڑا آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے گھر تک ڈراپ کیا، میں آپ کو ایک کپ چائے کی آفر ضرور کرتی مگر رات کے اس پہر میں یہ بھی افورڈ نہیں کر سکتی میرا یہ اخلاقی رویہ میرے لئے باعث ذلت بھی بن سکتا ہے امید ہے آپ میری مجبوری سمجھتے ہوئے میری بات کا برا نہیں مانیں گے اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے سائیڈ کا دروازہ کھولا اور سامنے موجود اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی شاہ بخت اسے اس وقت تک جاتا دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی، اس کی اس احتیاط پسندی اور ریزرو رہنے کی عادت نے اس کے دل میں محبت کے ساتھ احترام وتکریم کا جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا، وہ کوئی شوخ سی دھن بجاتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شاہ بخت کے دل میں نور کے لئے پھوٹنے والی محبت کی کونپل تناور درخت بن چکی تھی، اب وہ خود بھی محتاط رہتا تھا کہ کہیں اس کی کوئی بات نور کو ناگوار

نہ گزرے، نور بھی اس کے جذبے سے بے خبر نہیں رہی تھی اس کے دل میں بھی شاہ بخت کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا، اب وہ بھی کبھار شاہ بخت کے ساتھ ہلکے پھلکے موضوع پر بات کر لیتی تھی شاہ بخت کے لئے اس کی اتنی ہی التفات ہی کافی تھی۔

☆☆☆

''شاہ خاور یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم نے آم کے باغ والی زمین بیچ دی ہے ارے بابا، ایسی کیا ضرورت آن پڑی تھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی آبائی زمین مجھ سے پوچھے بغیر بیچ دی۔'' شاہ عالم بہت غصے میں تھے جب سے انہیں اپنے خاص مشیر خاص کے ذریعے زمینوں کی فروخت کا پتہ لگا تھا۔

''بابا سائیں ضرورت تھی ناں، جب ہی بیچی ہے ویسے بھی وہ زمین میری ملکیت تھی تو پھر اجازت کی کیا ضرورت؟''

''اوہ تو اب تم اتنے بااختیار ہو گئے ہو کہ مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا بھلا ایسی کیا آفت پڑی تھی مجھے بھی تو پتہ چلے۔'' شاہ عالم نے طیش میں آتے ہوئے پوچھا۔

''بابا بات کھل ہی گئی ہے تو سن لیں میں نے شہر میں نکاح کر لیا ہے اور یہ زمین بیچ کر میں نے رقم اپنی بیوی کے نام ٹرانسفر کر دی ہے۔'' شاہ خاور نے خبر نہیں بلکہ بم بلاسٹ کیا تھا، جس نے پوری حویلی کو ہلا کر رکھ دیا، مہرو جو پہلے ہی ناپسندیدہ ہستی تھی مگر اب اسے دوسری شادی کے بعد تو اس حویلی میں بھی کوئی جائے پناہ نظر نہیں آ رہا تھا غریب والدین اپنی بیاہی بیٹی کو دوبارہ گھر بٹھا نہیں سکتے تھے، مہرو کو اپنی مجبوری و بدحالی پر رونا آ گیا۔

''اوہ یعنی شاہ بخت نے تمہارے بارے میں جو انکشافات کیے تھے وہ درست تھے غصے میں اس کو ہی غلط سمجھتا رہا اپنے ہیرے جیسے لائق بیٹے کو بے اعتبار کر دیا نہ جانے وہ کہاں دربدر ہو رہا ہوں میں کہتا ہوں ابھی اور اسی وقت حویلی سے نکل جاؤ مجھے تم جیسے ناخلف اولاد کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''ہاہاہا حویلی سے میں نہیں آپ کو نکلنا ہو گا بابا سائیں کیونکہ یہ حویلی میرے نام ہے بابا سائیں آپ شاید بھول رہے ہیں آپ نے خود ہی پچھلے سال میرے نام کیا تھا اور اب تو گدی نشین بھی مجھے ہی رواج کے مطابق ہونا ہو گا۔'' شاہ خاور نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بڑے زعم سے کہا۔

یہ سب سن کر شاہ عالم بے یقینی سے اپنے اس بیٹے کی طرف دیکھنے لگے جس کے عیوب پر انہوں نے ہمیشہ آنکھیں بند کر رکھی تھیں اس کی ہر برائی اور غلطی پر پردہ ڈالا تھا اور آج وہ بیٹا انہیں گھر سے نکلنے کا حکم دے رہا تھا۔

سینے میں بائیں طرف ان کے اچانک درد اٹھا تھا پھر وہ بیٹھتے چلے گئے بی بی جان ان کی درد بھری چیخ سن کر باہر آئیں تو اپنے سر کے سائیں کو زمین میں اوندھے پڑا دیکھا۔

''سائیں سائیں کیا ہوا آپ کو؟ اٹھیں سائیں ارے بشیراں، نزیراں، جلدی آؤ دیکھو تمہارے بابا کو کیا ہو گیا ہے اللہ سائیں، میرے سر کے سائیں کو سلامت رکھنا۔'' پوری حویلی میں بھونچال آ گیا تھا، شاہ خاور وہاں سے پاؤں کی دھمک کے ساتھ جا چکا تھا پھر مہرو کا بڑی کوششوں کے بعد شاہ بخت کے ساتھ رابطہ ممکن ہوا یہ بھیانک خبر سن کر شاہ بخت فوراً ہی گاؤں کی طرف روانہ ہوا اور پھر بابا سائیں کو شہر کے مشہور ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروایا انہیں میجر ہارٹ اٹیک ہوا تھا

رات دن کی انتھک محنت اور اور بی جان کی دعاؤں سے بابا سائیں اب خطرے سے باہر تھے اس موقع پر نبیل نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا نور بھی دو بار اس کے بابا کو دیکھنے آ چکی تھی، بابا سائیں اس لڑکی کے رکھ رکھاؤ اور انداز گفتگو سے بہت متاثر ہوئے تھے انہیں اب اندازہ ہو گیا تھا کہ تعلیم انسان کو سنوارتی ہے اگر انہوں نے شاہ خاور کی تعلیم پر بھی توجہ دی ہوتی اور اس کی ہر بے جا خواہش کو ماننے کی بجائے تھوڑی سختی سے کام لیا ہوتا تو آج شاہ خاور کی شخصیت اتنی نامکمل اور مسخ زدہ نہیں ہوتی، آج بابا کو ڈسچارج کیا جانا تھا نور اپنے بابا کے ساتھ ان سے ملنے ہاسپٹل آئی تھی اس کا سامنا کوریڈور میں ہی شاہ بخت سے ہو گیا تھا اس کربناک لمحات میں اس لڑکی نے اسے بہت اخلاقی سہارا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کا دل سے مشکور تھا وہ ان دونوں سے باتیں کرتا ہوا بابا کے کمرے میں پہنچا بابا دوسری طرف کروٹ کیے سو رہے تھے۔

''بابا سائیں دیکھیے آپ سے نور آج اپنے بابا کے ساتھ ملنے آئی ہیں۔'' جیسے ہی انہوں نے کروٹ بدلی تو نور کے بابا پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں گویا پتھر کی ہو گئیں یہی حال نور کے بابا کا تھا۔

''انکل یہ میرے بابا سائیں ہیں اور بابا سائیں یہ......'' شاہ بخت کی نظر نور کے بابا پر پڑی جن کا چہرہ رنج و غم کی کیفیت سے زرد ہو رہا تھا۔

''انکل آر یو او کے، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اتنے میں نور بھی قریب آ چکی تھی۔

''بابا، بابا کیا ہوا؟ پلیز شاہ بخت کیا پانی ملے گا؟'' نور کے بابا نے دونوں کی طرف چونک کر دیکھا اور اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے شاہ بخت کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''میں...... میں ٹھیک ہوں بیٹا، بس ایسے ہی چکر آ گیا تھا اور شاہ سائیں آپ سنائیں خیریت سے تو ہیں، نور بیٹی نے آپ کی شخصیت و وجاہت کی بہت تعریف کی تھی پھر شاہ بخت جیسے فرمانبردار اور نیک لڑکے کے آپ والد ہیں تو بس آپ کی عیادت کے لئے چلا آیا اب اجازت دیجئے گا، اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ کا سایہ آپ کے بچوں اور آپ کے لوگوں پر سلامت رہے اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر نور کے بابا نے نور کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ٹھہرو جلال احمد مجھے اور کتنا شرمندہ کرو گے، میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ برا رویہ رکھا تمہارے علم کی روشنی پھیلانے کے جذبے کو تمہارا جرم بنا دیا اور تمہیں گاؤں سے ذلیل کر کے رات کے اندھیرے میں دربدر کر دیا اور آج تمہاری زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں تمہیں تو مجھ سے نفرت سے منہ موڑ کر چلے جانا چاہیے تھا مگر تم نے آج بھی میرا بھرم رکھا، واقعی تم نے ثابت کر دیا جلال احمد، کہ تعلیم انسان کو شعور و آگہی دیتی ہے، اس میں درگزر کی صلاحیت پیدا کرتی ہے مجھے دیکھو، میں جسے اپنی جاہ و حشمت اور اپنی گدی نشینی پر غرور تھا آج مجھے میرے اپنے سگے بیٹے نے ہی دربدر کر دیا، پورے گاؤں میں میری جگ ہنسائی کا باعث بنا اگر مہرو نے بروقت شاہ بخت کو اطلاع نہ دی ہوتی تو نہ جانے آج میرا کیا حال ہوتا۔'' یہ کہہ کر شاہ سائیں نے شرمندگی اور ندامت سے سر جھکا لیا، نور کو بھی ساری کہانی سمجھ آ گئی تھی کہ وہ آج تک جس شخص سے نفرت کرتی آئی تھی آج ان کی زبوں حالی دیکھ کر اس کا نرم دل بھی نفرت کے بجائے ہمدردی کے جذبات سے بھر گیا، شاہ بخت تو ابھی تک سکتے کے عالم میں تھا پھر نور کے بابا نے ہی بابا سائیں کو گلے لگا لیا۔

''شاہ سائیں جو کچھ ہوا بھول جائیں، شاید میری قسمت میں ہی اپنی مٹی کی خدمت کرنا نہیں لکھا تھا۔''

''نہیں جلال احمد ایسا مت کہو مجھے ایک موقع دو، تلافی کا تم نور بیٹا اور شاہ بخت نے مل کر گاؤں میں جہالت کا اندھیرا دور کر کے علم کے دیئے روشن کرنا ہیں اور اس جہاد میں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' بابا سائیں کا یہ فیصلہ سن کر شاہ بخت کے ساتھ ساتھ نور اور اس کے بابا کے چہرے بھی کھل اٹھے نور کے بابا کو اس بات کی خوشی تھی کہ اللہ نے ان کی زندگی میں ان کی اپنی مٹی کا قرض ادا کرنے کا موقع دے دیا، پھر اگلے دن ہی شاہ بخت اور نور نے نبیل سے دو ماہ کی چھٹی لی اور گاؤں کے لئے روانہ ہو گئے، گاؤں پہنچ کر ایک بہت ہی بری خبر ان کی منتظر تھی، شاہ خاور نے جس عورت کی خاطر اپنے باپ کا شملہ نیچا کیا تھا، انہیں دربدر کیا تھا اسی عورت نے سب کچھ اپنے نام کروا کر اسے دودھ میں مکھی کی طرح نکال دیا تھا، گاؤں واپسی پر شاہ خاور کے نشے میں ہونے اور ریش ڈرائیونگ کی وجہ سے اس کی گاڑی کا ٹرک سے بری طرح ٹکراؤ ہوا تھا وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا اس کی لاش دو دن بعد اس سنسان سڑک سے گزرتے ایک راہگیر کو ملی تھی چہرہ بالکل اس کا مسخ ہو چکا تھا جسم سے تعفن اٹھ رہا تھا اس کے شناختی کارڈ کے ذریعے شناخت ہوئی تھی، جس نے بھی دیکھا منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

زمین پر غرور و تکبر سے اکڑ کر چلنے والے کا اتنا برا انجام ہر کسی کے لئے باعث عبرت تھا، شاہ سائیں کا دل جواں بیٹے کی اس طرح لاوارثوں والی موت پر خون کے آنسو رو رہا تھا، بی بی جان اور مہرو کی آنکھیں بھی نم تھیں بہر حال وہ اس کے سر کا سائیں تھا۔

پورے گاؤں میں ایک سوگ کی کیفیت تھی مگر زندگی کا کام ہے اپنے دامن میں خوشیوں اور غم کے موتی سمیٹے آگے بڑھتے چلے جانا ہے کچھ دن بعد اس گھرانے کو بھی صبر آ گیا، پھر شاہ خاور کے نام پر ہی گاؤں میں خاور میموریل اسکول اینڈ انڈسٹریل ہوم کی بنیاد رکھی گئی جس کا افتتاح نور کے والد سے کروایا گیا، پچیس سال پہلے ان کو جس طرح ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا تھا آج وہی عزت و تکریم واپس مل گئی تھی، مائرہ کا نکاح بابا سائیں نے اپنے پرانے وفادار ملازم کے ساتھ کروا دیا تھا اور اس کے عزت کے ساتھ بیٹی بنا کر گھر سے رخصت کیا، ماروی بہت خوش تھی آج اس کا اسکول میں نویں کلاس میں پہلا دن تھا اسے امید تھی ایک دن وہ بھی نور باجی کی طرح پڑھ لکھ کر اس علم کے روشن دیئے میں اپنے نام کا دیا بھی روشن کر سکے گی اس کے ساتھ ہی ایک مدرسے کا قیام بھی کیا گیا تھا جہاں بشیراں بی بی گاؤں کی عورتوں کو دین کی تعلیم دیتی تھیں، وہ اس کار خیر سے بہت خوش اور مطمئن تھیں کہ اس طرح ان کی زندگی بھی دوسروں کے لئے کار آمد اور بامقصد بن گئی تھی۔

☆☆☆

نور اسکول اور انڈسٹریل ہوم کے لئے ضروری بنیادی سامان کی لسٹ بنا رہی تھی وہ بری طرح اپنے کام میں منہمک تھی شاہ بخت نے اسے وقتی طور پر اسکول کا انچارج بنا دیا تھا اس نے اخبار میں ٹیچر اسٹاف کی اسامی کے لئے درخواست دی تھی قریبی قصبے سے پانچ لڑکیوں کو ٹیچر اپائنٹ کر لیا گیا تھا اور ایک چوکیدار بھی رکھا گیا تھا نور اور شاہ بخت کا ارادہ تھا کہ وہ ہر ماہ وزٹ کرتے رہیں گے جبکہ نور کے بابا کو بطور

ایڈمن مستقل یہی قیام کرنا تھا، آج نور کا آخری دن تھا، کل اسے شہر واپس چلے جانا تھا۔

''مس نورا! میرے خیال سے سارا سیٹ اپ مکمل ہو چکا ہے اگر پھر بھی کہیں کوئی کمی ہے تو پلیز آپ مجھے بتا دیں میں جانے سے پہلے پورا کر دوں گا، میں نہیں چاہتا کہ ہمارے گاؤں کے بچوں کو کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو میں انہیں ہر سہولت فراہم کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہ بخت نے ٹھہرے ٹھہرے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

نور نے شاہ بخت کی طرف دیکھا معمول سے ہٹ کر آج وہ سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھا جس میں اس کا لمبا قد اور بھی نمایاں ہو رہا تھا، پہلی بار نور کو اپنا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوا، اس نے جلدی سے اپنی نظریں اس پر سے ہٹائیں جو شاہ بخت کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ سکی وہ اس کی اس ادا پر مسکرا کر رہ گیا۔

''اوہو تو محترمہ کے دل میں میری محبت کی بارش نے دستک دے ہی دی چل شاہ بخت، ہمت پکڑ، ورنہ تیری زندگی میں نور بکھیرتی یہ لڑکی اندھیرا کر کے چلے جائے گی۔''

''نہیں فی الحال کسی چیز کی کمی نہیں ہے کچھ فرنیچر اور کتابوں کی ضرورت تھی جو میں نے رحمت چاچا کو شہر بھیج کر منگوالی ہیں اور انڈسٹریل ہوم کی بھی آپ فکر مت کریں اسکول ٹائمنگ کے بعد نویں دسویں کی بچیوں کو مہرو اور ماروی مختلف سلائی کڑھائی سے متعلق ہنر سکھائیں گی۔''

''گڈ پھر آپ کل یہاں سے روانہ ہو رہی ہیں۔''

''جی جانا تو ہے، مگر ہر ماہ چکر لگتا رہے گا اور مس شبانہ بھی مجھ سے رابطے میں رہیں گی۔'' نور نے جواب دیا۔

''ہونہہ، اگر جانے سے پہلے میں آپ کی انگلی میں اپنے نام کی رنگ پہنا دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' شاہ بخت نے اس کے ملیح چہرے کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں اپنے دل کی آرزو بتائی، نور نے اس خلاف توقع بات پر اسے حیرت سے دیکھا۔

''دیکھئے شاہ بخت......'' مگر شاہ بخت نے اس کی بات فوراً کاٹ دی۔

''پلیز اب یہ مت کہیے گا کہ آپ کو فیوڈل سسٹم سے نفرت ہے آپ کی نفرت کی جو وجہ تھی وہ اب ختم ہو چکی ہے، آپ کے بابا کا خواب پورا ہو چکا ہے تو اب پلیز آپ بھی اس معصوم انسان پر رحم کھائیں جس کا ناتواں دل پہلی نظر میں ہی آپ کی شخصیت کے فسوں میں ایسا جکڑا کہ آج تک اس لمحے کی گرفت سے نہیں نکل سکا۔'' شاہ بخت کے گمبھیر محبت سے ڈوبے لہجے پر نور مزید کچھ نہیں کہہ سکی، اس کی آنکھیں بار حیا سے جھک گئی تھیں۔

''شاہ بخت یہ فیصلہ بڑوں کے درمیان ہو تو زیادہ بہتر ہے میرا وہی جواب ہوگا جو میرے بابا کا ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔

''اچھا یہ تو بتاتے جائیں کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں؟'' نور ایک لمحے کے لئے رکی مگر بغیر پلٹے ہی اس نے جواب دیا۔

''نہیں۔''

یہ ایک لفظ اقرار نے شاہ بخت کی زندگی کو جگنو سے بھر دیا تھا پھر شاہ سائیں اور نور کے بابا کی رضا مندی سے اگلے ہفتے دونوں کو نکاح کے پاکیزہ بندھن میں باندھ دیا گیا تھا جس میں نبیل کی فیملی نے بھی شرکت کی تھی، اب واپسی کے سفر میں دونوں ایک دوسرے کے ہم سفر اور اپنی آئندہ زندگی سے مطمئن تھے۔

☆☆☆

تحریم محمود

استغفار

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا۔

''اے رب تیری عزت کی قسم! میں نے تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔''

اللہ رب العزت نے فرمایا۔

''مجھے قسم ہے اپنی عزت اور جاہ و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی کہ جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں ان کو بخشتا رہوں گا۔''

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

نظر رکھیے

☆ اپنے خیالات پر، کیونکہ یہ الفاظ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

☆ اپنے الفاظ پر، کیونکہ یہ عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

☆ اپنے اعمال پر، کیونکہ یہ عادات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

☆ اپنی عادتوں پر، کیونکہ یہ شخصیت کا روپ دھار لیتی ہے۔

☆ اپنی شخصیت پر، کیونکہ یہ آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔

نوشین الطاف، نورا جو پنڈی باغاں

چراغ زندگی

O کسی کام کا آغاز اس کی نصف کامیابی ہے، بغیر مقصد کے زندگی کبھی پائیدار نہیں ہوتی سو آغاز بہتر اور مقصد بہترین ہونا چاہیے۔

O جس چیز کو دیکھنے سے نظر خراب ہو اسے نہ دیکھنا بہتر ہے۔

O آدمی جب تک ٹوٹتا نہیں اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کتنا مضبوط ہے۔

O کردار کی مضبوطی میں دو چیزیں شامل ہیں ایک قوت ارادی اور دوسری ضبط نفس۔

O محبت میں محبت جائز ہے دھوکا نہیں۔

محبوب کے لئے

O مجھے یقین ہے کہ اگر میں مر جاؤں اور تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو میں زمین کی گہرائیوں میں بھی تمہارے قدموں کی آواز سن لوں گا۔ (بنی ٹو پیرز گلڈوس)

O جتنی بار تم میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہو اگر اتنی بار میں ہاتھ بڑھا کر آسمان سے ایک ستارہ توڑ سکوں تو رات کا سارا آسمان میری ہتھیلی پر آ جائے۔ (ڈورتھی پارکر)

O ہر روز میں تمہیں گزرے ہوئے کل سے زیادہ اور آنے والے کل سے کم محبت کرتی ہوں۔ (روز منڈ جیرالڈ)

O تمہارے ساتھ گزرے ہوئے لمحات میرے نزدیک ایک خوشبودار باغ ایک ملگجی شام اور ان میں گنگناتے ہوئے ایک فوارے کی مانند ہے صرف تم ہی مجھے احساس دلاتی ہو کہ میں زندہ ہوں، کہا جاتا ہے کہ دوسروں نے فرشتوں کو دیکھا ہے لیکن میں نے تمہیں دیکھا ہے اور میرے لئے یہ ہی کافی ہے۔

(جارج مور)

O پیار ایسے ہی سکھ پہنچاتا ہے جیسے کہ بارش کے بعد دھوپ۔ (شیکسپیئر)

نازیہ، لاہور

اخلاص کا مفہوم

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

''میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا، وہ اس وقت مکہ معظمہ میں کسی رئیس شخص کے بال بنا رہا تھا میرے مالی حالات نہایت شکستہ تھے میں نے حجام سے کہا۔

''میں اجرت کے طور پر تمہیں ایک پیسہ نہیں دے سکتا بس تم اللہ کے لئے میرے بال بنا دو۔''

میری بات سنتے ہی حجام نے اس رئیس کو چھوڑ دیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تم بیٹھ جاؤ۔''

مکے کے رئیس نے حجام کے طرز عمل پر اعتراض کیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''جب اللہ کا نام اور واسطہ درمیان میں آ جاتا ہے تو میں پھر سارے کام چھوڑ دیتا ہوں۔''

حجام کا جواب سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا پھر اس نے قریب آ کر میرے سر پر بوسہ دیا اور بال بنانے لگا اپنے کام سے فارغ ہو کر حجام نے مجھے ایک پڑیا دی، جس میں کچھ رقم تھی۔

''اسے اپنے استعمال میں لایئے۔'' حجام کے لہجے میں بڑا خلوص تھا۔

میں نے رقم قبول کر لی اور اس کے ساتھ نیت کی کہ مجھے جو پہلی فتوح حاصل ہو گی وہ حجام کے نذر کروں گا۔

پھر چند روز بعد جب میرے پاس کچھ روپیہ آیا تو میں سیدھا اس حجام کے پاس پہنچا اور وہ رقم اسے پیش کر دی۔

''یہ کیا ہے؟''

حجام نے حیران ہو کر پوچھا، میں نے اس کے سامنے پورا واقعہ بیان کر دیا، میری نیت کا حال سن کر حجام کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا۔

''اے شخص! تجھے شرم نہیں آتی، تو نے اللہ کی راہ میں بال بنانے کا کہا تھا اور اب کہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کام کرے اور پھر اس کی مزدوری لے۔'' حضرت جنید بغدادیؒ اکثر فرماتے تھے۔

''میں نے اخلاص کا مفہوم اسی حجام سے سیکھا ہے۔''

ماریہ عثمان، سرگودھا

باتوں سے خوشبو آئے

☆ بے بسوں کی مدد کرنا، مجبوروں کی ضرورت پوری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا عذاب دوزخ سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆ مومن کی معراج نماز ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆ اللہ سے محبت کرنے والوں کا وہ مقام ہے جو ملائکہ کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

☆ عارف وہ ہے جو ''راہ عشق'' میں اللہ کے سوا کچھ نہ دیکھے۔

☆ حاجت روائی کے لئے ''سورۃ فاتحہ'' کثرت سے پڑھنی چاہیے۔

☆ ملک ایک کھیتی ہے اور عدل اس کا پاسبان، پاسبان نہ ہو تو کھیتی اجڑ جاتی ہے۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

☆ ایک عالم کی طاقت ایک لاکھ جاہلوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

☆ اگر کوئی عالم اپنی خوبیاں بتائے تو پانی کا نالہ ہے، اگر خاموش ہو تو بحر ہے۔

☆ تم دوزخ سے نہیں بھاگو بلکہ ایسے اعمال

اختیار کرو کہ دوزخ خود تم سے دور بھاگے۔

حمیرا رضا، ساہیوال

جان لیجئے

O یہ نیا وقت کے بہتے دریا کے کناروں پر پھیلی ریت ہے اسے چھانو گے تو پتا چلے گا کہ ہر ذرہ سونا نہیں ہوتا۔

O تم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ، لوٹ کر اپنے ہی گھر آؤ گے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ لوگ بستے ہیں جو تمہارے حقیقی خیر خواہ ہیں۔

O کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

O تنہائیاں اور اداسیاں بہت درد ناک ہوتی ہیں اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ کسی ایسی خطا کے کرنے سے آپ کو محفوظ رکھے کہ جس کی سزا اس عذاب کی صورت میں آپ کو ملے۔

O تمہارا بہترین دوست وہ ہے جو تمہاری لغزشوں کو بھلا دے اور تمہاری نیکیوں کو یاد رکھے۔

O جس شخص کو سال بھر کوئی تکلیف یا رنج نہ پہنچے وہ جان لے کہ اس سے اس کا رب ناراض ہے۔

ماہ رخ آصف، خانیوال

ذرا سنیئے

O شادی ایک ایسا بندھن ہے جس میں وہ شریف شہریوں کو خوامخواہ ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

O اللہ نے عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مرد پر حکومت کرے اور نہ اس کے پاؤں سے پیدا کیا کہ اس کی غلامی کرے بلکہ اس کی پسلیوں سے پیدا کیا کہ وہ اس کے دل کے قریب ہو۔

O اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو مرد ریاضت کے بغیر ہی ولی بن جاتا۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

افکار جبران

☆ اس عورت کے انتہائی عذاب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جو ان دو مردوں کے درمیان گرفتار ہو گئی ایک اس سے محبت کرتا ہے دوسرے کو دل دے بیٹھتی ہے۔

☆ میں نے دنیا اس لئے تیاگ دی کیوں کہ ان لاکھوں انسانوں سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے آتے بے زار ہو گیا جو انکساری کو کمزوری، رحم دلی کو بزدلی اور امارت پرستی کو قوت خیال کرتے ہیں۔

☆ جب کوئی شخص تیرے ایسے گناہ کو معاف کرے جس کا تو نے ارتکاب کیا تھا تو اس کا ایک ایسا گناہ معاف ہو جاتا ہے جس کا وہ مرتکب ہوا۔

☆ بہترین انسان وہ ہے جب اس کی تعریف کی جائے تو وہ شرمندہ ہو اور جب برائی کی جائے تو خاموش ہو۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

سچ کہہ رہے ہیں

O ہر نوجوان شاعر ہوتا ہے، اصول پرست تصورات پر مر مٹنے والا اگر بدقسمتی سے دنیا کا نظام شاعر نہیں سیاست دان چلا رہے ہیں۔

O سب اپنے اپنے نقطہ نظر سے حق بجانب ہوتے ہیں یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔

O امن کی یادگار قائم کرنے کے لئے جنگ ضروری ہے

O کاش میرا بیٹا غبی اور کند ذہن نکلے تا کہ کسی صوفے کا گورنر وغیرہ بن جائے، میں تو اپنی قابلیت اور ذہانت کے باعث مفلس اور ذلیل ہوں۔ (چینی عالم)

سدرہ نعیم، شیخوپورہ ☆☆☆

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟

ج: تم کیا کر رہی ہو۔

س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟

ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔

س: اب بتا بھی دیں؟

ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔

س: آپ عید الاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟

ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔

س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔

ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔

س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟

ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

فرح عامر ---- جہلم

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔

ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔

س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟

ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔

س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟

ج: پی جی ایام کی تلخی کو بھس کے ناصر۔

س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟

ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔

س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟

ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

رضوان علی ---- رحیم یار خان

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟

ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور ”گرل“ کا بھائی آ جائے۔

س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟

ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔

س: سکون کی تلاش؟

ج: اپنے اندر تلاش کرو۔

س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟

ج: کون کہتا ہے۔

س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل امان اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

فائزہ قاسم ---- سکھر
س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: نہیں سی لانی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تاکہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہوسکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

نعیم امین ---- کراچی
س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نازیہ کمال ---- حیدرآباد
س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹے گی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

☆☆☆

نوشین الطاف ---- نیوراجوپنڈی

سکون قرب میں اترو تو دیا کر لینا
کبھی جو ٹوٹ کے بکھرو تو یاد کر لینا
خوشی کے وقت چاہیے ہمیں بھولا دینا
غموں کی راہ جو دیکھو تو یاد کر لینا

....

چند لمحوں کی رفاقت ہی غنیمت ہے کہ پھر
چند لمحوں میں یہ شہرازہ بکھر جائے گا
اپنی یادوں کو سمٹیں گے بچھڑنے والے
کیسے معلوم ہے پھر کون کدھر جائے گا

....

تمام عمر زندگی سے دور رہے
تیری خوشی کے لئے تجھ سے دور رہے
اب اس سے بڑھ کر وفا کی سزا کیا ہو گی
کہ تیرے ہو کر بھی تجھ سے دور رہے

عمار بن خالد ---- لاہور

بڑی خاموشی چھائی ہو صدائیں تب بھی ہوتی ہیں
گھٹن ہو ہر طرف ہر سو ہوائیں تب بھی ہوتی ہیں
مجھے اب بھی محبت پہ ایمان مکمل ہے
نہ ہو رشتہ کوئی قائم وفائیں تب بھی ہوتی ہیں

نازیہ مغل ---- لاہور

دل کے رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں
دور رہ کر بھی کتنے قریب ہوتے ہیں
ہر کسی کو ملتی نہیں ان سے خوشیاں
جن کو مل جائیں خوشیاں وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں

....

محبت میں تیری میں حد سے بڑھ گیا تھا
تیری خاطر دنیا کا ہر ستم سہہ گیا تھا
یہ کیسی سزا دی تو نے اے سنگدل
کہ تیری بے وفائی سے میں اک پل میں مرگیا تھا

....

لاکھ بھلانا چاہو مجھ کو پر پھر بھی بھول نہ پاؤ گے
لاکھ سمجھا تو خود کو تم پر اپنے دل کو سمجھا نہ پاؤ گے
اک پھول کو شاخ سے توڑ کر لبوں سے لگا لیا
اے زندگی تجھے چھوڑ کر ہم نے موت کو گلے لگا لیا

امیر زرداری ---- شہداد پور

کر لو رابطہ جب تک زندہ ہیں امیر
پھر مت کہنا کہ دل میں یاد بسا کر چلے گئے

....

کیسا ویران ہے یہ سلسلہ عشق زمانے کا
اک ریت کا محل ہے سمندر کے کنارے کا
کیوں یہاں اونچی لہریں ہزار اٹھتی ہیں امیر
جو وقت سے پہلے اندیشہ دیتی ہیں اسے گرانے کا

....

ہم آج بھی آپ کو چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے امیر
ہمارے دل میں ہے جو اس کا دل نہ ٹوٹے اے خدا
آج اتنی ہے تنہائی کی دیواروں کو غم سنانے لگے امیر
لیکن دل پھر سے ٹوٹ گیا جب کوئی جواب نہ ملا

نرگس سحر ---- شہداد پور

ذرا ہاتھ بڑھاؤ تمہاری دسترس سے باہر نہیں
چاند تاروں کو چھو لیتے ہیں، ہمیشہ محنت کرنے والے
نہ مارتا ہے نہ زندہ رکھتا ہے دن ہیں یہ عذاب کے
غضب کا ظالم ہے میرا مسیحا رکھتا ہے چاہے تیزاب کے

....

کہتے ہو تم کیا ہے مجھ میں اک فقط انا
بس یہی میری متاع ہے یہی میرا سرمایہ ہے
آؤ اپنے جسم چمن دیں اینٹ پتھر کی طرح
بے درو دیوار سہی گھر تو آخر اپنا ہے

....

جب لگی ٹھوکر دیار غیر میں
یاد آیا دھرتی ماں کا بانہوں میں سمیٹنا
کنول فرہاد حسین ---- جلالپور جٹاں
یونہی آنکھوں سے آنسو بہتے نہیں
کسی اور کو ہم اپنا کہتے نہیں
ایک آپ ہی ہو جو زندگی میں رک سے گے
ورنہ کہنے کے لئے ہم کسی سے کہتے نہیں

....

تاریخ کہہ رہی ہے محرم کے چاند میں
شیدائیوں کے بخت اچانک الٹ گئے
اتنی غریب ہو گئی زاہرہ کی لاڈلی
زینب کے ایک لباس میں دو سال کٹ گے

....

حسین تیری عطا کا چشمہ دلوں کے دامن بھگو رہا ہے
یہ آسمان پر اداس بادل تیری محبت میں رو رہا ہے
صبا بھی گزرے جو کربلا سے تو اس کو کہتا ہے عرش والا
تو اور دھیرے گزر یہاں پر میرا حسین سو رہا ہے

....

برسوں بعد بھی اس کی عادت نہ بدلی ضد کی
کاش میں دوست نہیں اس کی عادت ہوتا
ایمن عزیز ---- میانوالی
چپکے چپکے کوئی مانوس سی آہٹ پا کر
دوستوں کو بھی کس عذر سے روکا ہو گا
یاد کرکے مجھے نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں پڑ گیا کچھ کہہ کر ٹالا ہو گا

....

ہوا کے زور سے ممکن نہیں بکھر جاؤں
یہ اور بات نہ دیکھوں اسے تو مر جاؤں
بدن کے شہر میں شہنائیوں کا میلہ ہے
حریف جاں میں تجھے ڈھونڈن کدھر جاؤں

....

گلی کے موڑ پہ بچوں کے ایک جمگھٹ میں
کسی نے درد بھری لے میں ماہیا گایا
مجھے کسی سے محبت نہیں مگر اے دوست
یہ کیا ہوا کہ دل بے قرار بھر آیا
شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد
نہ جانے کسی گلی کے موڑ پہ ہم تم بچھڑ جائیں
وصال و ہجر کا یارو کوئی موسم نہیں ہوتا

....

تپش سے بچ کے گھٹاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
گئے ہوؤں کی صداؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
ہم اردگرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
تیرے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

....

جل چکے خواب تو پھر آگ بجھانے آیا
اک نئے ڈھنگ سے وہ چوٹ لگانے آیا
میرے پیروں تلے آنکھیں جو بچھاتا تھا کبھی
کانچ کی کرچیاں وہ رہ میں سجانے آیا
حمیرا رضا ---- ساہیوال
لفظوں کی جستجو میں سب کچھ گنوا دیا
وہ چل دیے اور میں طرز ادا بنتا رہا
اس کو کس نے رب سے مانگ لیا
میں سجدے میں گر کے حرف دعا ڈھونڈتا رہا

....

میں نے دنیا ہی میں دوزخ کی اذیت پالی
اپنے احساس کو رشتوں کے حوالے کرکے

....

میں کہتا ہوں مجھے پلکوں کی چھاؤں میں سدا رکھنا
وہ کہتی ہے مجھے شامل دعاؤں میں صدا رکھنا

....

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری تجھے کس کی تلاش

....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں
فائزہ عبدالمنان ---- کراچی
گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

....

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں
عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ
اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے

....

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی
صائمہ سلیم ---- گجرات
پانی پہ بھی ریت پہ ترپی چنی گئی
بنتی رہی ہے دکھ کا کبھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

....

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا

....

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے
نازیہ جمال ---- چکوال
دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

....

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں
سمن رضا ---- چیچہ وطنی
ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

....

وہ ریت کرکے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

....

تم نے گم کر دیا تھا دانستہ
اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو
شائستہ ناز ---- لیاقت آباد کراچی

میں کہتا ہوں کوئی دل میں تمنا ہو تو بتلاؤ
وہ کہتی ہے محبت کی فضاؤں میں صدا رکھنا
ماریہ عثمان ---- سرگودھا

اپنے ترکش کے تیروں کی گنتی کرو
میرے گھاؤ گنو گے تو تھک جاؤ گے

....

انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اٹھ کے بند میری ہر کتاب کر دے گا
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لا جواب کر دے گا

....

زرخیز زمینیں کبھی بنجر نہیں ہوتیں
دریا ہی بدل لیتے ہیں رستہ اسے کہنا
کچھ لوگ سفر کے لئے ہوتے نہیں موزوں
کچھ راستے کٹتے نہیں تنہا اسے کہنا
ماہ رخ آصف ---- خانیوال

غموں کو میلے دوپٹے میں جذب کر لینا
یہ حوصلے تو ہیں فقط غریب ماؤں کے

....

ہم جو روئے تو انہیں کہنا پڑا
اس طرح کرتی ہے برسات سفر

....

تھی میری تباہی میں کچھ درختوں کی بھی سازش
ورنہ یہ اجڑنے کا موسم تو نہیں تھا
صائمہ ابراہیم ---- فیصل آباد

محبت تو ازل سے ہے محبت تا ابد ہو گی
اسے میں عصر حاضر کا عقیدہ کہہ نہیں سکتا
کتاب زندگی میں ہے رقم باب محبت بھی
مگر کتنی ہیں سطریں خط کشیدہ کہہ نہیں سکتا

....

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں

میرا تو جرم تذکرہ عام ہے مگر
کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

....

ہر اک بار یہ سوچ کے دل بھر آیا ہے
اتنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا ہے
وفا عبدالرحمان ---- روالپنڈی

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

....

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

....

اپنی اپنی انا کے قیدی تھے
ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہ تھا
سدرہ نعیم ---- شیخوپورہ

وہ تعلق توڑ کر مہربان کر گیا
رابطہ جو فانی تھا اس کو غیر فانی کر گیا
میں سمجھا تھا کہ مل کر داستان پوری ہوئی
وہ تو بچھڑ کر پھر بڑی لمبی کہانی کر گیا

....

تیرے گرد ہے میری دعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

....

چکانے ہیں وہ قرضے سطح پر ہیں کہیں زیر زمیں ہیں
ابھی اس خاکداں میں تم بھی زندہ ہو مرے ہم بھی نہیں ہیں
ابھی میداں میں ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہیں ہار کیسی
ابھی تو کھیل کا آغاز ہے تم بھی یہیں ہم بھی یہیں ہیں
زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

☆☆☆

باتیں خلیل جبران کی

☆ اگر تیرا دل آتش فشاں ہے تو پھر کیوں توقع رکھتا ہے کہ وہ پھولوں کو تیرے ہاتھ میں تر و تازہ رہنے دے گا۔

☆ مبالغہ ایک حقیقت ہے جس کی فطرت قابو سے باہر ہے۔

☆ بڑے سے بڑے غنی اور بڑے سے بڑے فقیر کے درمیان حد فاصل ایک دن کی بھوک اور ایک دن کی پیاس ہے۔

☆ جب تمہارا غم یا خوشی حد سے بڑھ جائے تو دنیا تمہاری نظروں میں حقیر ہو جائے گی۔

☆ دوستی میں کوئی غرض پنہاں نہیں ہونی چاہیے سوائے اس کے کہ روح کی گہرائیاں پیش نظر ہوں۔

نازیہ مغل، لاہور

زندگی کیا ہے؟

☆ مرجھائے ہوئے پھولوں نے کہا زندگی چند ساعتوں کی کہانی ہے۔

☆ طالب علموں نے کہا زندگی ایک بوجھ ہے۔

☆ غریب مزدور نے کہا زندگی دکھوں کا گھر ہے۔

☆ تماشوں نے کہا زندگی ایک کھیل ہے۔

☆ نجومیوں نے کہا زندگی ایک قسمت کا حال ہے۔

☆ شاعر نے کہا زندگی ایک غم کا دریا ہے۔

☆ مگر میں نے کہا۔

☆ زندگی ایک نعمت ہے اس کی قدر کرو۔

نوشین الطاف، نیورا جو پنڈی باغاں

احتجاج

مخالف جماعتوں کے دو سیاستدان زور و شور سے بحث میں مصروف تھے، دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی ناکام کوشش کی پھر الزامات پر اتر آئے، ایک سیاستدان نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم کس کے اشارے پر ناچتے ہو۔''

دوسرے سیاستدان نے مشتعل ہو کر کہا۔

''احمق آدمی! سیاسی بحث میں میری بیوی کو کیوں گھسیٹتے ہو؟''

نعیمہ بخاری، اٹک

معمولی فرق

لکھ پتی نے بھکاری کو بھیک دیئے بغیر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔''

''اتنا غرور دکھانے کی ضرورت نہیں۔''

بھکاری نے متانت سے کہا۔

''آخر تم میں اور مجھ میں فرق ہی کیا ہے؟ صرف یہی کہ تم نے اپنی زندگی کا پہلا ملین کما لیا ہے اور میں نے ابھی کوشش شروع کی ہے۔''

ثمرین زاہرہ، خان پور

الارم

کراچی میں بینکوں میں بڑھتی ہوئی ڈکیتیوں کی روک تھام کے سلسلے میں ایک بینک میں الارم سسٹم لگایا گیا، کیشیئر کے پاؤں کے

قریب فرش میں ایک بٹن نصب کیا گیا، جسے دبانے سے قریبی پولیس اسٹیشن میں الارم بج سکتا تھا، الارم لگے ابھی تین دن ہوئے تھے کہ دو ڈاکو ٹی ٹی لیے بینک میں آن پہنچے، ایک نے گارڈ کو قابو کیا، دوسرے نے کیشیئر کو گن دکھا کر کیش کا مطالبہ کیا۔

کیشیئر نے کیش تو اس کے حوالے کر دیا مگر ساتھ ہی الارم کا بٹن بھی دبا دیا، چند سیکنڈ بعد اس کے قریب رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی، کیشیئر نے فون ریسیو کرنا چاہا لیکن ڈاکو نے گن دکھا کر اسے باز رکھا اور خود ریسیور اٹھا لیا، دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوئے، میں تھانے سے بول رہا ہوں، ذرا دیکھ بھال کے بیٹھا کرو تمہیں پتا ہی نہیں ہے کہ تمہارا پاؤں الارم کے بٹن پر رکھا ہوا ہے، پاؤں ادھر سے ہٹا بے وقوف، ادھر تھانے میں الارم بج رہا ہے۔''

نمرہ سعید، اوکاڑہ

دریافت

ایک سائنس دان نے دوسرے سائنس دان کو بتایا۔

''آج میں نے محض اتفاقاً ایک اہم چیز دریافت کر لی۔''

''وہ کیا؟''

دوسرے سائنس دان نے دلچسپی سے پوچھا۔

''مجھے پتا چلا ہے کہ آپ سیاہی کی دوات سامنے رکھ لیں تو کسی بھی فاؤنٹین پین میں سیاہی بھرنے کی زحمت کیے بغیر بھی اس سے لکھ سکتے ہیں۔''

طاہرہ رحمان، بہاول نگر

فرمائش

نئے نئے دولت مند ہونے والے ایک صاحب نے ایک پروفیسر صاحب کو بلایا، جو کئی زبانیں جانتے تھے۔

''پروفیسر صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے بیٹے کو کوئی غیر ملکی زبان سکھائیں، آپ جو ٹیوشن فیس مانگیں گے، وہ میں دوں گا۔''

ان صاحب نے فرمائش کی۔

''ٹھیک ہے۔'' پروفیسر صاحب نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''کون سی زبانیں سکھاؤں، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی یا روسی؟''

''بس ان میں سے جو زیادہ غیر ملکی ہو وہ سکھائیں۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

پیش بندی

''تم ایک نہایت حسین لڑکی ہو۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم دل میں ایسا نہیں سمجھتے، لیکن پھر بھی کہہ رہے ہو۔''

''میں اصل میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر میں ایسا نہیں کہوں گا، تب بھی تم دل میں ایسا ہی سمجھتی رہو گی۔''

معیار

جگو بدمعاش نے جنگل میں خفیہ بھٹی لگائی اور ٹھرا تیار کرنا شروع کر دیا، پہلی بار آزمائش کے طور پر اس نے ایک بوتل اپنے ایک جاننے والے دیہاتی کو بھیجی اور دوسرے روز اس سے رپورٹ مانگی۔

''کیسا تھا ہمارا ٹھرا؟''

''ٹھرا تو اچھا تھا۔'' دیہاتی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

''بس اسے پیتے ہوئے مجھے ذرا کھانسی آئی تو میری مونچھوں میں آگ لگ گئی۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

دو خبریں

ایک معروف آرٹسٹ کی بنائی ہوئی تصاویر کی نمائش ہو رہی تھی، آرٹسٹ نے اپنے سیکریٹری سے پوچھا۔

''کیا میری تصاویر میں کسی نے دلچسپی لی۔''

سیکرٹری بولا۔

''میرے پاس آپ کے لیے دو خبریں ہیں، ایک اچھی اور ایک بری۔''

''وہ کیسے؟'' انہیں حیرت ہوئی۔

''اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کے ایک مداح نے آپ کی تمام تصاویر خریدتے ہوئے پوچھا تھا کہ اگر آرٹسٹ کا انتقال ہو جائے تو کیا ان تصاویر کے دام بہت زیادہ ہو جائیں گے؟'' میں نے کہا۔

''بالکل اس بات کے سو فیصد امکانات ہیں۔''

''اور بری خبر یہ ہے کہ وہ ستار آپ کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔''

وردہ منیر، لاہور

ایک سے بڑھ کر ایک

لڑکی اپنے متوقع منگیتر کے ساتھ سیر کے لیے باہر جانے لگی تو ماں نے تخلیے میں بیٹی کو نصیحت کی۔

''اگر وہ تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرے تو اسے ہرگز اس کی اجازت نہ دینا۔''

''اور مما! اگر اس نے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کی تو؟'' بیٹی نے تشویش سے پوچھا۔

☆

سیٹھ صاحب نے نخوت سے امیدوار کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا تو تم میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ تم میں کوئی کاروباری صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟''

''سر! میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ کو اس بات سے اندازہ نہیں ہوا؟'' امیدوار نے نہایت نرمی سے دریافت کیا۔

ثمرہ شیرازی، چوکی

کون بنے گا کروڑ پتی؟

معروف پروگرام کون بنے گا کروڑ پتی میں ایک سکھ ایک کروڑ جیتنے کے آخری مرحلے تک جا پہنچا تو پروگرام کے کمپیئر نے اس سے کہا۔

''آپ بے حد خوش قسمت ہیں اب میں آپ سے ایک بہت آسان سوال کرنے والا ہوں، آپ کے پتا (والد) کا نام کیا ہے؟''

سکھ خاموش رہا۔

کمپیئر نے اس سے دوبارہ پوچھا۔

''آخر آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟''

سکھ نے جواب دیا۔

''پہلے چار آپشن تو دو۔''

حمصعہ حماد، کراچی

ٹریڈ مارک

لندن کے ایک ٹیلر نے اپنا ٹریڈ مارک گندم کا دانہ رکھا، اس کے دوست نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہارا کام کپڑے سینا ہے، یہ گندم کا دانہ تمہارا ٹریڈ مارک کہاں سے ہو گیا؟''

''یہ سارا سلسلہ ہی گندم کے دانے سے شروع ہوا ہے۔'' ٹیلر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''تصور کرو، اگر گندم کا دانہ نہ ہوتا تو کیا آج کپڑوں کا رواج ہوتا؟''

مصباح فیصل، کوہاٹ

☆☆☆

عمار بن خالد: کی ڈائری سے ایک انتخاب

''چلو کچھ دور چلتے ہیں''

چلو کچھ دور چلتے ہیں
وفا میں چور چلتے ہیں
جفا میں درد ہے کتنا
جفا سے دور چلتے ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
کہ جب تو ساتھ ہوتی ہے
پون بھی ساتھ چلتی ہے
تیرے ہر قدم پہ جاناں
صدائیں آہ بھرتی ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
یہ دنیا بے مروت ہے
یہاں جاہل ہی بستے ہیں
چلو ہمدم، چلو آؤ
یہاں سے دور چلتے ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
ابھی تو رات باقی ہے
ابھی احساس باقی ہے
ابھی اک آس باقی ہے
ابھی تو چاند، تاروں کا
حسیں اک رقص باقی ہے
ابھی تو تیرے ہاتھوں کا
نرم اک لمس باقی ہے
ابھی تو بانہوں میں تجھ کو
مجھے بھرنا ہے جان جاں
ابھی تو ہاتھوں میں چہرہ
تیرا دھرنا ہے جان جاں
ابھی کچھ دیر رک جاؤ
چلو کچھ دور چلتے ہیں

شازیہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک نظم

اے محبت تو ایسی کیوں ہے
کبھی مخملی کبھی شبنمی
سب کو گھائل کرے تیری ہنسی
تیرے رخ پہ غازہ ریشم کا
تیرے اندر نور ہے کرنوں سا
تیرا رنگ ہے رنگیں دھانی سا
تجھے اوڑھ لے کوئی مجھ جیسا
تو ہر جائے وہ بھی تجھ جیسا
تیرا روپ ہے سندر پریوں سا
تیرے اندر جل تھل ندیوں سا
تیری بولی کومل کومل سی
تو چال ہے چلتی جھرنوں سی
تو دور کہیں سے آتی ہے
اور آتے ہی چھا جاتی ہے
تیرا بن بسیرا پربت پر
تیرا جلوہ ہر اک انگ پر
تو ہر اک آنکھ میں دیکھتی ہے
تو ہر اک دل کو جھانکتی ہے
تو ہر اک روح کو تکتی ہے
اور اندر تک چھو لیتی ہے
تیری ہیئت سب سے جدا جدا
کوئی کیا جانے تو کیسی ہے؟

فوزیہ خان: کی ڈائری سے ایک انتخاب

تو ٹھوس ہے نا مائع ہے
تیرے اندر رب سمایا ہے
تو چپکے چپکے آتی ہے
اور آتے ہی چھا جاتی ہے
جب کسی کو تو چھو لیتی ہے
تو لوہا کندن بنتا ہے
تو پارس ہے تو پارس ہے
ہر ٹوٹے دل کی ڈھارس ہے
تیرا چرچا ہر سو ہوتا ہے
کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
دل بہت سوں کا مچلتا ہے
پر سب کا بس نہ چلتا ہے
تو جب کسی کو ملتی ہے
جب کوئی تجھے پا لیتا ہے
تب وہ امر ہو جاتا ہے
ہو ہو کے نعرے لگاتا ہے
پھر حق کی صدائیں آتی ہیں
اور تیرے ہی گیت گاتی ہیں
رب کی رضا تو
اور بندے کی پکار ہے
آغاز تیرا بندگی
انجام بندہ کار ہے

امیر علی زرداری: کی ڈائری سے ایک غزل

جب یہ سفر شروع کیا تو تم بہت یاد آئے
جب تمہاری باتوں پہ غور کیا تو تم بہت یاد آئے
ایسی بھی کیا خطاء کی کہ تم روٹھ ہی گئے
جب تنہائی ستانے لگی تو تم بہت یاد آئے
جب جھانک کر دیکھا دل میں تو تم نظر آئے
اور جب دل اداس ہوا تو تم بہت یاد آئے
جب ہوا چلی تو کچھ عجیب سا ہونے لگا ہم کو
جب تمہاری خوشبو کو محسوس کیا تو تم بہت یاد آئے
اب تو منزل ختم ہونے کو آئی ہے لیکن امیر
جب بھی کوئی موڑ آیا تو تم بہت یاد آئے

نرگس سحر: کی ڈائری سے ایک غزل

جس کے نام انتساب ہے میری کتاب زیست
اک لمحہ بھی فقط اسی کا میرا نہیں
جن گلوں کی تابندگی میں شامل میرا لہو رہا
اسی شاخ کے اک خار پہ بھی حق میرا نہیں
بہت زعم ہے اسے اپنے اعصاب کی مضبوطی پر
ابھی مصیبتوں میں ٹھیک ہے میری جان وہ گھرا نہیں
کبھی آئے گا خود کو میرے حوالے کرنے تم دیکھنا
بہت کہتا ہے وہ مجھ سے کہ میں تیرا نہیں
نہ کرنا دل لگی مجھ سے نہ سنگ باری لوگو
میں عاشق ہوں جنوں میں ہوں میں سر پھرا نہیں
بس اک بار الجھا تھا اس کے گریبان میں سحر
صد شکر پھر بھی شانے سے آنچل ڈھلکا نہیں

ظریف احسن: کی ڈائری سے ایک غزل

تیرے آگے سوال کرتے کیوں
اور خود کو نڈھال کرتے کیوں
اک تعلق بھی کم نہیں ہوتا
سو تعلق بحال کرتے کیوں
تیرے انداز کے نہیں ہیں ہم
ورنہ اپنا ملال کرتے کیوں
اک مروت نے ہم کو مار دیا
ورنہ جینا وبال کرتے کیوں
ہجر جب راس آ گیا تھا تیرا
تجھ سے عرض وصال کرتے کیوں
تجھ کو رکھا ہوا ہے یاد اے دوست
اس سے بڑھ کر خیال کرتے کیوں

کنول فریاد حسین: کی ڈائری سے ایک نظم

آزمائشوں اور بارشوں کا
ساتھ ہے چولی دامن کا
پرائے خدا تو یہ تو بتا
پانی اگلتی دھرتی پر اب

اک اور پانی کی بوچھاڑ ہے
لوگ کہاں تک سہہ پائیں گے
صبر تو دے ورنہ یہ مرجائیں گے
تیری چلتی چکی میں پس جائیں گے
پانی کے طوفاں میں بہہ جائیں گے

نوشین الطاف: کی ڈائری سے ایک نظم
''پیار کرتا تھا''
اپنا حصہ شمار کرتا تھا
وہ مجھ سے اتنا پیار کرتا تھا
وہ بناتا تھا میری تصویریں
پھر ان سے باتیں ہزار کرتا تھا
میرا دکھ بھی خلوص عنایت سے
اپنے دکھوں میں شمار کرتا تھا
سچ سمجھتا تھا جھوٹ بھی میرا
یوں میرا وہ اعتبار کرتا تھا
جب بھی روتا تھا رات کی تنہائی میں
وہ اپنے ہاتھوں سے میرے چہرے کو صاف کرتا تھا
آج سوچتی ہوں تو دل روتا ہے
وہ شخص مجھ سے کتنا پیار کرتا تھا

رانیا سحر: کی ڈائری سے ایک غزل
نہ گنواؤ ناوک نیم کش، دل ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تن داغ داغ لٹا دیا
میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر وہ حساب ہم نے چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن مرتے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا
ادھر ایک حرف کی کشتی یہاں لاکھ عذر تھے گفتنی
جو کہا تھا سن کے اڑا دیا جو لکھا تھا پڑھ کے مٹا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

حیدر رضا: کی ڈائری سے ایک نظم
لوگ کہتے ہیں عشق کا رونا
گر یہ زندگی سے عاری ہے
پھر بھی یہ نامراد جذبہ دل
عقل کے فلسفوں پہ بھاری ہے
آپ کو اپنی بات کیا سمجھاؤں
روز کھلتے ہیں حوصلوں کے کنول
روز کی الجھنوں سے ٹکرا کر
ٹوٹ جاتے ہیں دل کے شیش محل
لیکن آپس کی تیز باتوں پر
سوچتے ہیں خفا نہیں ہوتے
آپ کی صنف میں بھی ہے یہ بات
مرد ہی، بے وفا نہیں ہوتے

فاعذہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل
بند دریچے سونی گلیاں ان دیکھے انجانے لوگ
کس نگری میں آنکلے ہیں ساجد ہم دیوانے لوگ
اک ہی ناواقف ٹھہرے روپ نگر کی گلیوں سے
بھیس بدل کر ملنے والے سب جانے پہچانے لوگ
دن کو رات کہیں سو برحق صبح کو شام کہیں سو خوب
آپ کی بات کا کہنا ہی کیا آپ ہوئے فراز نے لوگ
شکوہ کیا اور کیسی شکایت آخر کچھ بنیاد تو ہو
تم پر میرا حق ہی کیا ہے تم ٹھہرے بے گانے لوگ
شہر کہاں خالی رہتا ہے یہ دریا ہر دم بہتا ہے
اور بہت سے مل جائیں گے ہم ایسے دیوانے لوگ
سنا ہے اس کے عہد وفا میں ہوا بھی مفت نہیں ملتی
ان گلیوں میں ہر ہر سانس پہ بھرتے ہیں جرمانے لوگ

شاہین سلیم: کی ڈائری سے
اسے کہنا دسمبر آ گیا ہے
دسمبر کے گزرتے ہی برس اک اور ماضی کی گپھا میں
ڈوب جائے گا
اسے کہنا دسمبر لوٹ آئے گا
مگر جو خون سو جائے گا جسموں میں نہ جاگے گا
اسے کہنا کہ ہوائیں سرد ہیں اور زندگی کے کہرے

تیرے سینے میں دل اپنا سجا کر کیا کریں گے ہم
تمہیں اپنا بنا کر مسکرا کر کیا کریں گے ہم
کسی ویران بستی میں اگر تنہا ہمیں چھوڑا
نشیمن پھر محبت کا بنا کر کیا کریں گے ہم
جگر میں درد باقی ہے کبھی جب چوٹ کھائی تھی
نئے دکھ اور نئے صدمے اٹھا کر کیا کریں گے ہم
ہمارے درد پر ہمدرد یاروں کو ہوئی خوشیاں
کسی کے درد پر خوشیاں منا کر کیا کریں گے ہم
ہر اک شب اشک بہتے ہیں مگر سنوری نہیں قسمت
تمہاری یاد میں آنسو بہا کر کیا کریں گے ہم
بڑا بے کار ہے جیون ہوا نہ پیار کے قابل
تمہارے واسطے جیون لٹا کر کیا کریں گے ہم
ہر اک چہرہ کسی کے حال کی تصویر ہوتا ہے
برے حالات کے قصے سنا کر کیا کریں گے ہم
میرے ہمدم بڑی ہی سنگدل دنیا ہے کچھ سوچو
تمہیں ہنسنے کی عادت ہے رلا کر کیا کریں گے ہم

مریم انصاری: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
راہ عشق میں سفینوں کو جلایا نہیں کرتے
یوں ہی انمول خزینوں کو لٹایا نہیں کرتے
سجدہ ہے اس مسجود و معبود کے لائق
ہر اک کے آگے جبینوں کو جھکایا نہیں کرتے
جانے کس روپ میں رب مل جائے
در پہ آئے گداؤں کو ٹھکرایا نہیں کرتے
پردہ داروں میں لازم ہے پردہ داری
سربستہ راز سر محفل لایا نہیں کرتے
لگی رہتی ہے در پہ جانے کیوں آنکھیں
جانے والے کبھی لوٹ کے آیا نہیں کرتے
گرد سی جم گئی ہے ہر اک شجر پر
کسی کے صبر کو یوں آزمایا نہیں کرتے
سنگدل محبوب کہتے پھرتے ہیں گلی گلی
ٹوٹی ہوئی کرچیاں دیواروں پہ سجایا نہیں کرتے

عزہ فیصل: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''ہاں ابھی نہیں''
جذبے زنجیر نہیں ہوتے، سائے تو اسیر نہیں ہوتے
جو منظر ہے، پس منظر ہے، وہ کیوں تصویر نہیں
ہوتے
جتنے بھی خیال گزار لیں وہ کیوں تحریر نہیں ہوتے
اب خواب سراب سے لگتے ہیں
دن رات عذاب سے لگتے ہیں
کہیں جلتے بجھتے سائے سے
کہیں ان دیکھے ہمسائے سے
آنگن بازار میں گلیوں میں سب موت کا کھیل اٹھا
لائے
کوئی کسی کی فرد جرم لکھے، کوئی کسی کی جیل اٹھا
لائے
اک خوف بچھا ہے رستوں میں
بارود چھپا ہے بستوں میں
اب زہر ہے رات کی رانی میں
کہیں آگ لگی ہے پانی میں
تم کہتے ہو تمہیں آن ملے
تمہیں کیسے آن ملے آخر
جو کچھ تھا بے ترتیب ہوا
اس گھر کا حال عجیب ہوا

نور انور: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
''کیا اچھا کیا برا''
ٹھہرو!
کچھ پل بھلا کر ان پرانی باتوں کو
جو دوری کا سبب تھیں
دسمبر کی دھوپ میں بیٹھ کر
مل جل کے باتیں خوب کریں
کیا اچھا کیا برا
جنوری کی دہلیز پر
کچھ رنگ زیست کے بکھیریں
فروری میں ان رنگوں کو یکجا ہم کریں
مارچ اپریل میں پر کیف ہواؤں اور بہاروں سے
صبح و شام ہم کریں
مئی جون کی جھلستی اور لو دیتی گرمی کو
امن و سلامتی کے پنکھوں سے کچھ سرد ہم کریں

☆☆☆

ویجی ٹیبل رائس کیک

اشیاء

چاول (صاف کر کے بھگولیں)	ایک کپ
ہری پیاز (باریک سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد
مرغی کی یخنی	ایک کپ
لیموں	ایک عدد
پنیر	تین کپ
ہری مرچیں (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
لیموں کی قاشیں	سجاوٹ کے لئے

ترکیب

سوس پین میں تین کھانے کے چمچے مرغی کی یخنی ڈال کر اس میں ہری پیاز ڈالیں اور درمیانی آنچ پہ پیاز کے نرم ہو جانے تک پکائیں۔

چاولوں میں سے پانی نتھار کر چاولوں کو سوس پین میں ڈالیں اور پیاز کے ساتھ مکس کریں، اس کے بعد اس میں باقی بچی ہوئی یخنی شامل کریں۔

ایک بار ابال آ جانے کے بعد سوس پین پہ ڈھکن ڈھک کر چاولوں کو دھیمی آنچ پہ یخنی کے اچھی طرح خشک ہو جانے تک پکائیں۔

لیموں رنڈ (لیموں کا چھلکا) پنیر، ہری مرچیں، ہرا دھنیا نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور چولہا بند کر دیں۔

ایک کیک ٹن میں تیل لگا کر اس میں چاولوں کے مکسچر کو ڈال کر اسے اچھی طرح سیٹ کر دیں اور اس کے اوپر فوائل پیپر لگا کر اسے کور کر دیں۔

کیک ٹن کو پہلے سے گرم اوون میں 200.C پہ رکھ کر پینتیس منٹ تک بیک کریں، آمیزے کے گولڈن براؤن ہو جانے کے بعد کیک ٹن کو اوون سے باہر نکال لیں، تیز چھری سے کنارے کاٹ کر آمیزے کو پلیٹ میں نکال لیں، تکونے کاٹ کر سرونگ ڈش میں رکھیں، مزے دار ویجی ٹیبل رائس کیک تیار ہے، چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

رشین پف

اشیاء

میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا کپ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد (پھینٹ لیں)
کشمش	ایک کپ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
پانی	حسب ضرورت
تیل	ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

میدہ میں بیکنگ پاؤڈر، چینی، کشمش ڈالیں، ایک پین میں مکھن کو پگھلا لیں، انڈا اور دودھ ملا کر بیٹر تیار کر لیں، اگر پانی کی ضرورت

محسوس ہو تو ڈالیں، یہ آمیزہ گاڑھا ہی رہے گا، پھر تیل گرم کریں اور پف کو پکوڑوں کی طرح لے کر ڈیپ فرائی کر لیں، ہلکی آنچ پر گولڈن براؤن ہونے پر نکال لیں اور سرو کریں۔

بنانا اینڈ لیمن کیک

اشیاء

میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	آدھا کپ
چینی	آدھا کپ
براؤن شوگر	آدھا کپ
انڈے	دو عدد
لیموں کی چھال	آدھا چائے کا چمچہ
کیلے (چھیل کر میش کر لیں)	ایک کپ
ونیلا ایسنس	ایک چائے کا چمچہ
دودھ	ایک چوتھائی کپ
اخروٹ (چوپ کیا ہوا)	ایک کپ

سجانے کے لئے:۔

مکھن	آدھا کپ
آئسنگ شوگر	چار کپ
لیموں کی چھال	ایک چائے کا چمچہ

سجانے کے لئے:۔

مکھن	آدھا کپ
آئسنگ شوگر	چار کپ
لیموں کی چھال	ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب

میدے میں بیکنگ پاؤڈر اور نمک مکس کر کے چھان لیں، الگ پیالے میں مکھن اور چینی کو اتنا پھینٹیں کہ وہ کریم کی طرح سے ہو جائے پھر ایک ایک کر کے انڈا شامل کریں اور خوب پھینٹیں، ساتھ ہی لیموں کی چھال بھی ملا دیں، کیلے میں براؤن شوگر، ونیلا ایسنس اور دودھ ملا دیں، اب مکھن اور میدے کو تھوڑا تھوڑا کر کے مکس کریں، تمام اجزا کو اچھی طرح مکس کریں پھر اخروٹ ڈال دیں، نو انچ کا کیک کا سانچہ لے کر گھی یا مکھن سے چکنا کر لیں، اس میں کیک کا آمیزہ ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 250.C پر رکھ کر پینتیس منٹ کے لئے بیک کر لیں۔

سجاوٹ کے لئے مکھن کو اچھی طرح سے پھینٹیں اس میں آئسنگ شوگر اور لیموں کی چھال ملا کر مکس کریں، آخر میں لیموں کا رس ڈالیں کہ یہ کریم کی طرح بن جائے، اس آمیزے کو کیک کے چاروں طرف لگا کر کیک کو کور کر لیں، کیلے اور لیموں کے قتلوں سے سجائیں، مزے دار بنانا اینڈ لیمن کیک تیار ہے۔

لیمن چیز کیک

اشیاء

بسکٹ	170 گرام
مکھن	170 گرام
کریم چیز	120 گرام
جیلاٹن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
چینی (پسی ہوئی)	90 گرام
انڈا	ایک عدد
لیموں (رس نکال لیں)	ایک عدد
فریش کریم	200 گرام
آئسنگ شوگر	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

کیک ٹن بسکٹ کا چورا اور مکھن مکس کر کے لگا دیں اور فریزر میں رکھیں، انڈے کی زردی اور سفیدی الگ کر لیں، اب ایک برتن میں پانی گرم کرنے رکھیں، اس کے بعد زردی اور چینی ملا کر

ایک پیالے میں ڈالیں اور گرم پانی پر رکھیں اور پکائیں، چمچہ چلاتے رہیں تاکہ زردی پک جائے جیلاٹن پاؤڈر گرم پانی میں مکس کرلیں، زردی اور چینی ٹھنڈی کرکے پھینٹیں اس کے بعد چیز کریم ڈال کر پھینٹیں جیلاٹن اور لیموں کا رس ڈال کر پھینٹیں، اب کریم پھینٹ کر اس آمیزے میں مکس کریں، اس کے بعد سفیدی الگ پھینٹ لیں کہ اچھی طرح پھول جائے، اب آمیزے میں اس سفیدی کو فولڈ کردیں، تیار آمیزے کو ٹن میں ڈال کر فریج میں رکھیں، سیٹ ہو جائے تو ٹن سے نکال لیں اور کریم اور لیموں کے سلائس سے سجادیں۔

بٹر کیک ود مینگو

اشیاء

میدہ	بارہ کھانے کے چمچے
چینی (پسی ہوئی)	بارہ کھانے کے چمچے
انڈے	تین عدد
پھیکا مکھن	150 گرام
آئسنگ شوگر	آٹھ کھانے کے چمچے
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
مینگو جیلی	ایک کپ
آم	حسب ضرورت
مکھن	ایک کپ
مینگو کے پیس	حسب ضرورت

(میدے کو چھان کر اس میں بیکنگ پاؤڈر ملا لیں)

ترکیب

چینی اور ایک کپ مکھن کو اچھی طرح پھینٹیں، اس کے بعد اس میں ایک، ایک کرکے انڈے ڈال کر پھینٹتی جائیں اس میں میدہ ڈال کر احتیاط سے مکس کریں اور پھر سانچے میں ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 140.C پہ رکھ کر تیس سے پینتیس منٹ تک بیک کریں۔

جب کیک تیار ہو جائے تو اس کو ٹھنڈا کر لیں اس کے بعد کیک کے درمیان میں سے دو حصے کرلیں اس پر مینگو جیلی لگائیں اور آم کے پیس رکھ دیں، ایک پیالے میں پھیکا مکھن اور آئسنگ شوگر ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ کر آمیزہ تیار کرلیں تیار کیے ہوئے کیک پہ مکھن اور آئسنگ شوگر کے آمیزے سے ڈریسنگ کریں، مزے دار بٹر کیک ود مینگو تیار ہے، سروکریں۔

ویجی ٹیبل پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
گاجر	دو عدد
بند گوبھی (کٹی ہوئی)	11/2 کپ
پھول گوبھی (کٹی ہوئی)	11/2 کپ
آلو (درمیانے)	دو عدد
مٹر	11/2 کپ
شملہ مرچ (درمیانی)	دو عدد
ہری پیاز	تین عدد
پیاز (درمیانی)	دو عدد

(ایک عدد پیاز باریک کاٹ لیں)

ٹماٹر	تین عدد
ہری مرچ	دس عدد
لہسن	آٹھ جوے
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
املی	آدھا پاؤ
امچور	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ثابت سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
تیز پات	چند پتے
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ	چوتھائی چائے کا چمچہ
گھی	حسب ضرورت

ترکیب

ایک دیگچی میں گھی گرم کریں اور باریک کٹی ہوئی پیاز کو فرائی کرلیں، دوسری پیاز اور لہسن کا پیسٹ بنا کر اس میں شامل کردیں، ہلکا سا بھون کر اس میں نمک، مرچ، ہلدی، سونٹھ، گرم مصالحہ، زیرہ اور بھیگی ہوئی املی گٹھلی سمیت ڈال دیں، کچھ دیر فرائی کرنے کے بعد اس میں امچور، ہری مرچ، اور ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور پھر پھول گوبھی، بند گوبھی اور مٹر بھی شامل کردیں اور ساتھ ہی دو کپ پانی ڈال دیں، جب جوش آ جائے تو اس میں گاجر، شملہ مرچ، ہری پیاز، آلو کاٹ کر ڈال دیں اور ساتھ ہی اس میں کچھ اور پانی بھی شامل کردیں تاکہ سبزیاں گل جائیں، چاول بھگو دیں اور چاولوں کو چھان کر ان سبزیوں میں شامل کردیں اور مزید کچھ پانی ڈال دیں، جب پانی بالکل تھوڑا سا رہ جائے تو دم پر رکھ دیں اور پھر سلاد اور رائتے کے ساتھ سروکریں۔

حیدرآبادی مرچوں کا سالن

اشیاء

ہری مرچ (درمیانے سائز کی)	آدھا کلو
پیاز بڑی (باریک کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
خشخاش	دو کھانے کے چمچے
تل	دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچے
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
کھوپرا	ایک چھوٹا سا ٹکڑا

(خشخاش، تل، کھوپرا، ثابت دھنیا اور سفید زیرہ توے پر بھون کر باریک پیس لیں)

سالن کے لئے مصالحہ:

ہلدی پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کڑی پتہ	چھ پتے
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
املی	ایک پیالی

(دو پیالی گرم پانی میں بھگو دیں)

تیل	دو کھانے کے چمچے

بگھار کے لئے مصالحے:۔

ثابت سفید زیرہ	حسب ضرورت
ثابت لال مرچ	چھ عدد
میتھی کے دانے	چھ عدد
کڑی پتا	چار عدد

ترکیب

ایک پھیلی ہوئی دیگچی میں تیل گرم کریں، پھر اس میں مرچیں ذرا سے نمک کے ساتھ مل کر نکال لیں، تیل گرم کریں، اس میں پیاز ڈال کر ہلکا سا فرائی کرلیں، اس کے بعد ہلدی، ادرک، لہسن، کلونجی اور نمک ڈال کر بھونیں، اس میں بھنا ہوا مصالحہ ڈال کر ہلکا بھون کر مرچیں ڈال دیں، املی کا رس اچھی طرح سے نکال کر ڈال دیں، ساتھ میں کڑی پتہ ڈال کر ہلکی آنچ میں دم پر رکھ دیں، الگ پین میں تیل گرم کریں، اس میں سفید زیرہ، لال مرچ، میتھی کے دانے اور کڑی پتہ ڈال کر کڑکڑا لیں، مرچوں پر بگھار ڈال دیں اور گرم گرم سرو کریں۔

حیدرآبادی اچاری بینگن

اشیاء

گول بینگن	آدھا کلو

(بینگن میں چار کٹ لگا کر اسے پانی میں رکھیے)

ٹماٹر	ایک پاؤ
دہی	آدھا پاؤ
پیاز (چھوٹے سائز کی)	ایک عدد

لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	تین چائے کا چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر	حسب ضرورت
ثابت زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
سونف	آدھا چائے کا چمچہ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
رائی	ایک چائے کا چمچہ
کھوپرا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
خشخاش (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت ہری مرچ (بیچ میں کٹ لگا دیں)	آٹھ عدد
ہرا دھنیا	آدھا پیالی
لیموں کا رس	دو چائے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	حسب ضرورت
گھی، تیل	حسب ضرورت

ترکیب

ایک دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں ثابت زیرہ، سونف، رائی، کلونجی ڈال کر کچھ دیر فرائی کریں، اس کے بعد سرخ مرچ پاؤڈر، ثابت دھنیا، لہسن، ادرک، پیاز، ہلدی ان سب کو باریک پیس کر دیگچی میں ڈال دیں، اس میں ٹماٹر (کٹے ہوئے) اور نمک شامل کر دیں اور مصالحہ بھوننے کے لئے رکھ دیں، جب مصالحہ بھن جائے اور اس میں ادرک، لہسن کی بو دور ہو جائے تو اس میں بینگن ڈال دیں، اس کے بعد ہی کھوپرا، خشخاس، ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھ دیں، بیس منٹ کے بعد اس میں لیموں کا رس، گرم مصالحہ اور ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں اور روٹی کے ساتھ پیش کریں۔

لینٹل رائس سوپ

اشیاء

چاول ابلے ہوئے	آدھا کپ
یخنی	آدھا کپ
مسور کی دال گرینڈ کی ہوئی	ایک کپ
گاجر کش کی ہوئی	ایک کپ
پیاز براؤن کیا ہوا	ایک عدد
سلاد	ایک گٹھی
نمک	ایک کھانے کا چمچہ
سبز مرچ پیسٹ کی ہوئی	دو عدد
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
پانی	حسب ضرورت

ترکیب

مسور کی دال کو پندرہ منٹ کے لئے دھو کر بھگو دیں، گرینڈر میں ابلے ہوئے چاول اور مسور کی دال کو ڈال کر گرینڈ کریں ایک ساس پین میں ایک لیٹر پانی ڈال کر دال اور چاول والا آمیزہ ملائیں، کش کی ہوئی گاجر، براؤن کیا ہوا پیاز، نمک ملا کر خوب پکائیں، جب آمیزہ گاڑھا ہونے لگے تو یخنی ملا دیں اور ایک جوش آنے دیں سوپ کے پیالے میں سوپ نکال کر ٹیبل پر لے آئیں ایک ڈش میں سلاد کے پتے کاٹ کر ساتھ رکھیں اور سوسر میں سبز مرچوں کا پیسٹ سرکہ ملا کر رکھ دیں سوپ نوش کرتے وقت اپنی پیالی میں سلاد اور سبز مرچوں کی ساس ملائیں، بے حد لذیز سوپ تیار ہے۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہے، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے فکر و عمل کی بہترین صلاحیتیں ودیعت کی ہیں، علم و حکمت کے ذریعے اس کے شعور و آگہی کو وسعت دی ہے، اس کی زندگی کے کچھ فرائض و مقاصد ہیں، انسانی زندگی ان مقاصد کے یقین کے لئے جہد مسلسل اور ان کے حصول سے تعبیر کی جاتی ہے، اگر انسانی زندگی سے مقصد کو خارج کر دیا جائے تو انسانی زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ فرد جس کی زندگی کا کوئی مقصد متعین نہ ہو، کار فضول کی مانند ہو کر رہ جاتا ہے۔

اپنی زندگی کے مقصد کا تعین کریں، اگر آپ کے دل میں کامیابی کے حصول کی تمنا ہے تو اپنی تمام تر فکری و جسمانی صلاحیتوں اور میسر مادی وسائل کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عمل کرنا شروع کریں، تندہی سے اعتماد سے، بلا خوف ہو کر مخلصانہ کوشش کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں، انشاء اللہ آپ کامیاب ہوں گے۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے خطوط کی محفل میں جانے سے پہلے درود پاک کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کر لیں۔

یہ پہلا خط ہمیں سیالکوٹ سے رابعہ امتیاز کا موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ملا، حمد و نعت، پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے اور انشاء نامہ میں پہنچے اور پڑھ کر محظوظ ہوئے، مصباح علی کے ساتھ ایک دن گزارا اور ان سے سیکھا کہ واش روم کا دروازہ بند کرنے سے پہلے چاروں طرف اچھی طرح جائزہ لے لیں، ویسے مصباح جی آپ کی تحریروں کو پڑھ کر نہیں لگتا کہ آپ کے اندر حس مزاح بھی ہے۔

اس کے بعد ہم سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی طرف بڑھے، ویل ام مریم آپ کا انداز تحریر بے حد اچھا ہے خصوصاً منظر نگاری کی تو کیا ہی بات ہے، پلیز آپ ناول کے صفحات بڑھائیں اور غانیہ کی زندگی میں بھی کوئی خوشی لائیں، آپ نے تو اس کی ساری فیملی کو ہی مار دیا ہے، نایاب جیلانی کا ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' اس ماہ کی قسط بے حد شاندار رہی، ہیام کی بہادری پر دل عش عش کر اٹھا، لگتا نیل بر کے حسن کے آگے جہاندار بھی بالآخر گھٹنے ٹیک ہی دے گا، مجموعی طور پر اس مرتبہ کی قسط بے حد جاندار تھی، مکمل ناول میں رمشا احمد کی تحریر، ''عشق کے روگ ہزار'' بے حد پسند آئی، ازفرین کی شرارتیں، اسبق کی جھنجھلاہٹ مزہ دے گئی، ایک عرصے کے بعد کزن اور جوائنٹ فیملی پر لکھی تحریر پڑھنے کو ملی، حنا کی ایک مصنفہ مدیحہ تبسم ایسی تحریریں لکھا کرتی

تھیں، وہ کہاں غائب ہیں، فوزیہ آپی پلیز اسے بلائیں اور رمشا احمد آپ اپنا انداز تحریر ایسا ہی رکھیئے گا، مریم ماہ منیر کا مکمل ناول جو کہ دو نام سے شائع ہوا مطلب فہرست میں کوئی اور نام تھا جبکہ تحریر کے اوپر ''دلوں کے دیپ جلتے ہیں'' لکھا تھا، کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکا، باری کا عورت ذات کے لئے تنفر اور بد اعتمادی نے کہانی کو بوجھل کر دیا، اس پہ تحریر کو بلاوجہ لمبا کیا گیا تھا، غزالہ جلیل کا نام حنا میں ایک عرصے کے بعد نظر آیا ''میرے ہم سفر'' کے نام سے لکھی یہ تحریر خاصی متاثر کن تھی، یہ اور بات کہ باقی آئندہ دیکھ کر مزہ کرکرا ہو گیا، در ثمن کا ناولٹ ''تو میری ضرورت ہے'' کی اس مرتبہ آخری قسط تھی در ثمن چھ ماہ بڑی خوبصورتی سے اسی تحریر کو لکھا اور ہماری توقعات کے مطابق اس کہانی کو سمیٹا جس پر وہ دلی مبارک باد کی مستحق ہیں، دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید صلاحیتوں سے نوازے آمین۔

افسانوں میں ثناء کنول ''کبھی عشق ہو تو پتا چلے'' اور عرشیہ راجپوت ''ربا میرے حال دا محرم تو'' بڑی متاثر کن تحریریں تھیں، ثناء اور عرشیہ حنا میں بڑا خوبصورت اضافہ ہے جبکہ سباس گل اور سارہ یہ چوہدری نے بھی اچھا لکھا، ''مستقل سلسلے تو بلاشبہ اس کی جان اور شان ہے، حاصل مطالعہ اس مرتبہ سب سے بہترین تھا آخر میں ایک فرمائش فوزیہ آپی پلیز کچھ نئے سلسلے شروع کریں کوئی ایسا سلسلہ جس میں مصنفین سے تفصیلی ملاقات ہو۔

میں پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں آئی ہوں یقیناً آپ جگہ دیں گی۔

رابعہ امتیاز خوش آمدید اس محفل میں فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، مریم ماہ منیر کی تحریر کا نام فہرست میں کمپوزنگ کی غلطی سے غلط شائع ہوا، جی انشاء اللہ بہت جلد ہم نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں مصنفین کے متعلق اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

سدرہ شاہین: گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ سادہ مگر پرکشش سرورق سے مزین ملا حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور انشاء نامہ پڑھ کر لطف اندوز ہوئے اس مرتبہ ایک دن حنا کے ساتھ میں میری موسٹ فیورٹ مصباح علی سید تھی، بڑے سادہ اور پر مزاح انداز میں ان کے ساتھ دن گزارنے کا مزہ آیا، آگے بڑھے اور اس تحریر کی طرف بڑھے جو آج کل سبھی پڑھنے والوں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، جی ہم بات کر رہے ہیں ام مریم کی تحریر ''دل گزیدہ'' کی کمال کی لفاظی، بہترین ڈائیلاگ ڈلیوری اور دلکش واقعات سے سجی اس ماہ کی قسط مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جاندار رہی، ام مریم کی تحریر کے سحر کوئی بچ نکلے یہ انتہائی مشکل ہے ام مریم کے بعد جس تحریر نے ہمیں متاثر کیا وہ رمشا احمد کا ناول ''عشق کے روگ ہزار'' تھا واہ بہت خوب مصنفہ کی تحریر اپنا گداز اور متاثر کن تھی، مل جل کر اپنے اور کزن کی آپس کی نوک جھونک جو کہ نئی زمانہ ناپید ہو چکی ہے پڑھ کر مزہ آیا، رمشا احمد ہم آپ ہی تحریروں کی مزید توقع رکھے ہوئے ہیں، پلیز جلدی جلدی آیا کریں، نایاب جیلانی کا سلسلے وار ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' تو اب بہت مزے کا ہو گیا ہے نایاب بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناول کے تمام کرداروں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے، یقیناً یہ سب آخر میں ایک ہی فیملی کی صورت نظر آئیں گے، جبکہ در ثمن نے اپنی تحریر ''تو میری ضروری ہے'' سے ہمیں پہلی قسط سے ہی اپنے لفظوں کے

جال میں قید کر رکھا تھا، جو کہ آخری قسط تک رہا، در ثمن آپ نے ناول کا اینڈ بڑا خوبصورت کیا، مریم ماہ منیر نے بھی طویل تحریر لکھنے کی اچھی کوشش کی اس سے پہلے تو وہ صرف افسانوں کی حد تک ہی نظر آتیں تھیں، افسانوں میں سارہ یہ چوہدری کا افسانہ ''ابھی کچھ امید باقی ہے'' بے حد پسند آیا، زین کے خود پسند رویے کے باوجود پریشے درانی کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی، کہانی کے آخر میں نظم نے کہانی کا مزہ دوبالا کر دیا، سارہ یہ اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد قبول کیجئے ''میرے ہم سفر'' غزالہ جلیل کا ناولٹ کا پہلا حصہ پر لطف رہا بقیہ حصہ پڑھ کر ہی رائے دی جا سکتی ہے، جبکہ ثناء کنول کا افسانہ ''کبھی عشق ہو تو پتا چلے'' کی کیا ہی تعریف کریں بہت اچھا لکھا تھا ثناء نے شروع سے آخر تک کہانی پر گرفت بڑی مضبوط رہی، عرشیہ راجپوت اور سباس گل کی تحریر بھی بہترین رہیں، مستقل سلسلے سبھی بہترین تھے، عین غین جی ایک عرصے بعد خوشگوار موڈ میں نظر آئے، رنگ حنا نے ہمیشہ کی طرح مسکراہٹوں کے پھول کھلائے، آخر میں فوزیہ آپی یہ پوچھنا ہے یہ اپنی عابی ناز، عزہ خالد، سحرش بانو، روبینہ سعید، شاہین رفیق، شازیہ رفیق، کہاں ہیں ایک عرصے سے ان کی کوئی تحریر حنا میں نظر نہیں آئی پلیز آپ ان سب کو دوبارہ حنا کے چمن میں مدعو کریں، ہم ان کو پڑھنے کے لئے بے چین ہیں۔

سدرہ شاہین خوش آمدید، ایک طویل عرصے کے بعد اس محفل میں آپ آئیں، پہلے آپ تو بتائیں کہ آپ کہاں غائب رہیں، پچھلے چار سال سے، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، لیجئے آپ کے ساتھ ہم بھی اپنی پیاری مصنفین کو آواز دے رہیں، پیاری مصنفین جہاں بھی ہیں حنا میں اپنی شرکت یقینی بنائیں ہم دلوں و جاں سے آپ سب کی تحریروں اور آپ کی محبتوں کے منتظر ہیں سدرہ ہمیں یقین ہے کہ جلد ہی حنا میں آپ ان سب مصنفین کو پڑھ سکیں گی، انشاء اللہ آپ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا، ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

عالیہ بٹ: کی ای میل میانوالی سے موصول ہوتی ہے وہ لکھتی ہیں۔

فروری کے شمارے کا ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا، ''کچھ باتیں ہماریاں میں'' سردار طاہر محمود کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے اسلامیات والے حصے میں پہنچے اور پڑھ کر معلومات میں اضافہ کیا، ہمیشہ کی طرح انشاء نامہ بھی پسند آیا، مصباح علی سے ملاقات مزہ دے گئی، سب سے پہلے اپنے پسندیدہ ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' میں پہنچے اور پڑھ کر بے اختیار واہ کیا، نایاب جیلانی بلاشبہ ناول پر بڑھی محنت کرتی نظر آ رہی ہیں، اگرچہ ناول کا اسٹارٹ تھوڑا خشک تھا اب انتہائی دلچسپ ہو گیا ہے۔

جہاں نشرہ کو ہیام کا ساتھی بنا دیکھ کر دل خوش ہوا وہی کومے کے لئے افسردہ بھی ہے اللہ کرے کہ ایکسیڈنٹ میں کومے خیریت سے ہو، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، اس کے بعد ام مریم کی تحریر ''دل گزیدہ'' کی طرف بڑھے، ام مریم اس مرتبہ کی قسط کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکی، پتا نہیں کیوں پڑھ کر دل اداس ہو گیا پلیز کوئی معاذ جیسا کردار بھی تو سامنے لائیں ہنسی بکھیرنے اور پھلجھڑیاں چھوڑنے والا، ''میرے ہم سفر'' غزالہ جلیل کی تحریر مزے کی تھی، مزید مزے کی ہوتی اگر اینڈ پر باقی آئندہ نظر نہ آتا، غزالہ آپ نے ناول میں نام عشارم کا استعمال کیا ہے کیا آپ بتا سکتی ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ رمشا احمد

کا مکمل ناول بہت عرصے کے بعد نظر آیا، اچھی اور متاثر کن تحریر تھی رمشا کی جبکہ مریم ماہ منیر کی تحریر پسند تو آئی مگر کہیں کہیں تحریر بے جا طوالت اور بوجھل پن کا شکار نظر آئی، درثمن کا ناولٹ ''تو میری ضرورت ہے'' اپنے اختتام کو پہنچا، اچھی تحریر دی درثمن نے حنا کو، افسانے اس مرتبہ سبھی بہترین تھے، ثناء کنول کا ''کبھی عشق ہو تو پتا چلے'' سارہ چوہدری کا ''امید باقی ہے'' اور عرشیہ راجپوت کی تحریر انتہائی متاثر کن تھیں، مستقل سلسلے اس مرتبہ بہترین تھے، حاصل مطالعہ میں سبھی دوستوں کی پسند بہترین تھی جبکہ بیاض اور میری ڈائری میں ہر ایک نے اپنا اپنا انتخاب بہترین بھیجا، آپی میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں امید ہے آپ خوش آمدید کہیں گی مایوس نہیں کریں گی۔

عالیہ بٹ خوش آمدید، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

نداعلی عباس: گجر خان سے لکھتی ہیں۔

پہلی دفعہ آپ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں، مجھے صحیح یاد ہے، 2007ء میں اپریل کی وہ ایک خوبصورت شام تھی جب ایک فرینڈ کے گھر میں گئی تھی اور وہاں فرینڈ کی بڑی سسٹر کی کتابوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے مجھے حنا کی جھلک نظر آئی بس یونہی کھولا آئی تھنک کوئی افسانہ تھا جس کی پہلی چند لائنوں نے مجھے ماہنامہ حنا پڑھنے پر مجبور کر دیا وہ دن اور آج کا دن حنا کا اور میرا ساتھ آج تک نہ چھوٹا مجھے اچھی طرح یاد ہے پہلی مرتبہ حنا پڑھنے کے چار دن بعد میری دسویں سالگرہ تھی، اس اپریل کو میں بیس سال کی ہو جاؤں گی یعنی پورے لگ بھگ دس سال ہو ہی جائیں گے حنا کا ساتھ لئے، آپی مجھے ایک بات پوچھنی تھی کیا میں آپ کے ڈائجسٹ میں کہانیاں لکھ سکتی ہوں؟

نداعلی عباس خوش آمدید اللہ کا شکر ہے دس سال بعد ہی سہی آپ کو خیال تو آیا اس محفل میں شرکت کرنے کا، آپ اپنی تحریریں ہمیں ضرور بھجوائیں قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوں گی، تحریر کی ایک کاپی اپنے پاس رکھیئے گا ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپس نہیں کی جاتی، آئندہ بھی اس محفل میں شرکت کیجئے گا اپنی رائے اور تبصرے کے ساتھ، لیکن خدارا اب دس سال کا انتظار نہ کروایئے گا شکریہ۔

ثمرہ حمید: کی ای میل گجرات سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

میں پہلی مرتبہ اس محفل میں شریک ہو رہی ہوں، فروری کا شمارہ ملا سب سے پہلے کس قیامت کے یہ نامے پڑھے، یہ میرا سب سے پسندیدہ سلسلہ ہے، سلسلے وار ناول دونوں اچھے چل رہے ہیں ثناء کنول نے بہت خوبصورت موضوع پر قلم اٹھایا، سباس گل کی تحریر بھی متاثر کیے بنا نہ رہ سکی ''عشق کے رنگ ہزار'' بہت اچھی تحریر تھی، مریم ماہ منیر کا ناول بھی اچھوتے موضوع پر تھا، باقی مستقل سلسلے ابھی نہیں پڑھے، اگلے ماہ کے حنا کا انتظار ہے۔

ثمرہ حمید خوش آمدید، فروری کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی اور محبتوں کا شکریہ، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆